DUE DATE

Cl. No. *Acc. No.*________________

Late Fine Ordinary books **25 Paise** per day. Text Book **Re. 1/-** per day. Over Night book **Re. 1/-** per day.

بنتِ حوّا

March 1972

ایک روپیہ

ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو عروس البلاد بمبئی سے
شائع ہونے والا خواتین کا منفرد ماہنامہ

بنتِ حوّا

جلد ... ۳
شمارہ ... ۳
مارچ ۱۹۷۲ء

سالانہ ... ۱۲ روپے
بیرونی ممالک سے ... ۱۸ روپے
(ڈھائی روپے کے ایک خاص نمبر کے ساتھ)
فی پرچہ ... ایک روپیہ

پروپرائٹر
بنتِ حوّا پبلیکیشنز

ترسیل زر و خط و کتابت کا پتہ
بنتِ حوّا۔ ۲۶ کمرشیل چیمبرس، کارنر آف محمد علی روڈ
و یوسف مہر علی روڈ۔ بمبئی ۳۔

فون دفتر ... ۳۲۳۵۳۹
فون رہائش ... ۵۵۵۶۱۴

ترتیب

اداریہ	مُغیدہ خان	۵
نبی کریم کے ازدواج کی تعداد	اسلم الہ آبادی	۷
غزل	ادیب مالیگانوی	۱۲
جڑیں	جوگندر پال	۱۳
نشرہ النور فی بلدۃ جونفور	حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ	۱۴
سرگزشتِ قیامِ بغداد	ڈاکٹر سید زاہد حسین	۱۷
نظم	قیصر بیگم نیازی	۲۲
ٹیپو سلطان کی نواسی۔ نور النساء	مشتاق صدیقی مومن ایم اے	۲۳
غزل	عارف احمد جی	۲۷
ماں	ذکیہ عبید	۲۸
غیر	زہرہ جمال	۲۹
مزاح کی حس	خواجہ عبدالغفور آئی اے ایس	۳۲
شادی کردار کی تربیت کا ایک عظیم اسکول	ادارہ	۳۴
شاذ تمکنت کا خط جاں نثار اختر کے نام	شاذ تمکنت	۳۷
حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہا	الحاج محمد رضی الدین معظم	۴۱
میری ادیبہ بیگم	راہی ستاروی	۴۴
کشمیر میں عورت کی زندگی	جہر دردلوی	۴۷
بمبئی میں اردو	بدیع الزماں خاور	۴۹
مرزا صاحب	کیف کاکوروی	۵۲
بچے میں خود اعتمادی	ادارہ	۵۵
میری یادداشت سے	بنتِ مجتبیٰ مینا	۵۷
انسانیت	ناظورہ نسرین	۵۹
تحفے تحائف	نیر بانو	۶۰

گھریلو باتیں	تنویر غضنفر	۱۳
شیخ مجیب الرحمٰن	ادارہ	۵
خوبصورت حادثہ	محمد بشیر الدین طاہر	۸
یادوں کا خزانہ	قارئین	۱
زیرِ لب	خطوط	۳

اداریہ

یوں تو ایک عرصے سے ملک کے مختلف حصّوں سے دستورِ ہند کی دفعہ ۴۴ میں مذکور یکساں سول کوڈ کے نفاذ اور مسلم پرسنل لا کی مکمل تنسیخ کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ لیکن گزشتہ چند مہینوں سے اس مطالبہ میں شدت آ گئی ہے۔ حال ہی میں پونہ میں ستیہ شودھک سماج اور انڈین سیکولر سوسائٹی کی طرف سے مسلم پرسنل لا کے خلاف خواتین کی کانفرنس بلائی گئی جس کی انگریزی اور مراٹھی اخبارات میں کافی تشہیر ہوئی۔ دہلی میں خاص اس مسئلہ پر انڈین لا انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے سیمینار منعقد ہوا۔ اس سیمینار میں تقریر کرتے ہوئے مرکزی وزیر قانون نے بتایا کہ — ”حکومت مسلم پرسنل لا میں اسی وقت تبدیلی کرے گی جب خود مسلمان اس کا مطالبہ کریں گے اور اب مسلمان مردوں اور عورتوں نے مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کا مطالبہ شروع کر دیا ہے۔“ اس کا مطلب یہ کہ حکومت کو جس بات کا انتظار تھا وہ اب پونا کانفرنس کی شکل میں ظہور میں آ گئی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حکومت یکساں سول کوڈ کا نفاذ جلد از جلد کرنا چاہتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو قومی یک جہتی قائم نہ ہو سکے گا، جمہوریت، سیکولرزم اور سوشلزم کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ اور دنیا میں ہندوستان کا وقار گر جائیگا۔

مسلم پرسنل لا ملک میں مغلوں کے دور سے رائج ہے۔ ملک آزاد ہونے تک اس میں کوئی تبدیلی ہوئی صرف اتنی کہ عدالتوں میں سے قضاۃ کا عہدہ ختم کر دیا گیا۔ تعجب اس بات پر ہے کہ دستور میں اقلیتوں کے حقوق کی واضح طور پر ضمانت دیئے جانے کے باوجود اس میں صریحًا مداخلت کی جا رہی ہے۔ حالانکہ آج تک اسلامی قوانین سے حکومت کو نہ کسی قسم کا نقصان پہنچا ہے، نہ اس مسئلہ کو بہانہ بنا کر کہیں فرقہ وارانہ فساد ہوا ہے۔ ورنہ غریبی ہٹاؤ کے پروگرام میں رکاوٹ پیدا ہوئی ہے۔ صورتِ حال یہ ہو تو اس مسئلہ کو اتنا اچھالنے اور واویلا کرنے کی کیا ضرورت؟

ہم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ملک میں آباد ہر فرقہ کی فلاح و بہبود اور پسماندگی کو دور کرنے کے لئے

کوشش کرنا حکومت کے فرائض میں داخل ہیں۔ اور شاید اسی احساس ذمہ داری سے مجبور ہو کر ہماری حکومت اس مسئلہ پر خاص طور پر غور کر رہی ہے اور کانفرنسوں اور سیمیناروں کی ہمت افزائی کر رہی ہے۔ اگر یہ مسئلہ حل ہو گیا تو کیا مسلمانوں کی تعلیمی و معاشی پسماندگی دور ہو جائے گی؟ ملک میں فسادات کا سلسلہ رک جائیگا؟ حالانکہ یہ ہندوستان کا سب سے اہم اور بڑا مسئلہ ہے کہ یہاں کوئی طبقہ بھی تعلیمی اور اقتصادی اعتبار سے پسماندہ نہ رہے۔ اس لحاظ سے ہندوستانی مسلمان تمام طبقوں میں سب سے زیادہ پسماندہ ہیں۔ لیکن آج تک مسلمانوں کی تعلیمی و معاشی پسماندگی کو دور کرنے کے لئے نہ کوئی کانفرنس بلائی گئی اور نہ کوئی سیمینار منعقد کیا گیا۔ دراصل یہی بات ہے جو کانفرنس اور سیمینار منعقد کرنے والوں کی نیک نیتی کو مشکوک بناتی ہے۔

ہندوستان میں مروج اسلامی قوانین میں اگر کچھ خرابیاں ہیں تو انہیں قرآن و سنت کی بنیادی تعلیمات کی روشنی میں دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور یہ کام بھی اُن قابل احترام افراد کو کرنا چاہیئے جو قانون شریعت پر اتھارٹی مانے جاتے ہوں۔ اور جو مغربی علوم پر بھی دسترس رکھتے ہوں۔ وہ افراد جو اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ ہوں، جو قرآن کو خدا کا آخری پیغام نہیں مانتے انہیں اس خاص مسئلہ پر سوچنے کی زحمت نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ تمام شور و غوغا اس وجہ سے بھی ہے کہ ہمارے علمائے کرام نے کبھی مسلم پرسنل لا کے مبینہ نقائص پر فقہ اسلامی کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں غور کرنے اور انہیں دور کرکے ملک کی موجودہ سماجی ضرورتوں سے ہم آہنگ کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ اجتہاد کے دروازہ کو بند رکھا۔ آج ۹۵ فی صدی مسلم خواتین مسلم پرسنل لا کے نام تک سے واقف نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم خواتین کو پرسنل لا کی اہمیت کا اندازہ نہیں۔ اس کی ذمہ داری مسلمانوں کے باشعور طبقہ سے زیادہ علمائے کرام اور مولوی عظام پر ہے۔

حکومت سے ہماری یہی گزارش ہے کہ وہ چند نام نہاد ترقی پسندوں اور سیکولرسٹوں کی آواز کو اُمت مسلمہ کی آواز نہ سمجھے اگر حکومت اسلامی ملکوں میں مسلم پرسنل لا میں ہونے والی تبدیلیوں کی مثالیں دے کر اس میں بنیادی تبدیلی کرنے کی خواہاں ہے تو اسے یہ بات بھی اچھی طرح جان لینی چاہیئے ان مسلم ملکوں میں آباد اقلیتوں کے پرسنل لا میں حکومت نے کوئی تبدیلی نہیں کی ہے اس لئے ہندوستان میں آباد اقلیتوں کے پرسنل لا میں بھی کوئی مداخلت نہیں ہونا چاہیئے۔

اسلم الٰہ آبادی

نبی کریمؐ کے ازدواج کی تعداد

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ
ریف لائے تو آپ کے ساتھ صرف سودہؓ تھیں۔ اُن سے
ے بی بی خدیجہؓ سے نِکاح ہوا تھا۔ جوانی کا زمانہ اُن کے
تھ ہی گزرا۔ حالانکہ عُمر میں کافی فرق تھا۔ نکاح کے وقت
بی خدیجہ کی عُمر چالیس برس کی تھی، نیز آپ بیوہ تھیں، اور
نورؐ کی عُمر صرف پچیس برس کی تھی۔ اُس وقت تک نبوّت
، ذمہ داریاں نہیں مِلی تھیں۔ جب نبوّت مِلی اور ابتدائی
ور میں بڑے امتحانوں سے گزرنا پڑا تو بی بی خدیجہؓ نے
ا قت کا یادگار رول اَدا کیا۔ ہجرت سے تین برس قبل
پ کی وفات ہوگئی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حضور سرورِ کائنات
ے سودہؓ سے نکاح کیا۔ اِس نکاح کا خاص مقصد ایک عورت
بیوہ) کی کفالت تھا۔ آپ کی عُمر بھی اتنی زیادہ تھی کہ مدینہ
پہونچکر آپ نے اپنی باری عائشہؓ کو دیدی تھی۔

اس واقعہ کے تذکرہ سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ رسولؐ اللہ کے نکاحوں اور بیویوں کی تعداد کا مسئلہ ایک خاص تفصیلی بحث کا متقاضی ہے، جس کی بالکل ہی اجمالی حیثیت پیش کی جا رہی ہے۔

ہجرت سے کچھ عرصہ قبل مکہ کے عمائدین حضورؐ کی خدمت میں آئے تھے اور حجاز کی حسین ترین لڑکی کی پیش کش اِس شرط پر کی تھی کہ بُتوں کی مذمت ترک کردیں لیکن اس پیش کش کو رَد کر دیا گیا۔ اگر عورتوں کے ساتھ عیش و عشرت کا شائبہ بھی ہوتا تو ہجرت کے بعد بھی ہر قسم کے مواقع اس تصوّر کو پُورا کرنے کے لئے موجود تھے۔ مگر ان کا کوئی استعمال نہیں کیا گیا۔ آپؐ کی بیویوں میں کنواری

صرف حضرت عائشہؓ صدّیقہ تھیں۔ آپ کے ساتھ بھی جو نکاح ہوا، اُس میں حُسن و عشق کے اثرات کا کوئی سوال نہ تھا، بلکہ بعض خاص دینی محرکات ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کی دخترِ نیک اختر سے نکاح کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ مکی زندگی کے تبلیغی نظام میں حضرت ابوبکرؓ کا کردار اتنا نمایاں تھا کہ حضورؐ آپ کی درخواست کو رَد نہ کرسکے اور عائشہؓ کے ساتھ نکاح کرلیا۔ اس کے بعد مدنی زندگی میں آپؐ نے جن سے نکاح کیئے اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

اُمّ سلمہؓ۔ حفصہؓ (بنتِ عمر بن الخطابؓ) زینبؓ (بنتِ خزیمہ) زینبؓ (بنتِ جحش) اُمِّ حبیبہؓ۔ جویریہؓ۔ صفیہؓ میمونہؓ۔ ان میں سے حضورؐ کی وفات کے وقت (۹) حیات تھیں۔ ریحانہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ یہ لونڈی تھی۔ بعض کے نزدیک اسے آزاد کرکے نکاح کرلیا تھا۔ نکاح کی ترتیب میں بھی اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں جو ترتیب دی ہے اس سے مختلف ترتیب زادالمعاد میں ابنِ قیم نے دی ہے۔

دینوی نقطۂ نظر سے یہ بیویاں آرام سے نہیں رہیں۔ چنانچہ ایک بار جب یہ دینوی لحاظ سے بلند تر معیار کی زندگی کا مطالبہ کرنے لگیں تو حضور سرورِ کائناتؐ نے سمجھا دیا تھا کہ اگر تم اس دینی فلاح کی زندگی سے مطمئن نہیں ہو تو تمہیں آزاد کیا جاسکتا ہے۔ پھر جب سب آخرت کی فلاح کے لئے اس دُنیا کی زندگی میں تکالیف برداشت کرنے راضی ہوگئیں تو یہ تصفیہ ختم ہوا۔

بی بی عائشہؓ کا بیان ہے کہ کئی کئی روز تک چولھا نہیں جلتا تھا۔ مثال کے لئے آپ کی سب سے چہیتی بیوی کا ایک واقعہ ہے۔ یہ صحیح مُسلم کی حدیث پر مبنی ہے۔

اُنسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کا پڑوسی فارسی (ایرانی) تھا جو شوربہ عُمدہ پکاتا تھا۔ ایک روز اُس نے کھانا تیار کرلیا۔ اور حضورؐ کو دعوت دینے کے لئے حاضر ہوا۔ آپؐ نے حضرت عائشہؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "اور یہ بھی"؟ فارسی نے کہا: "نہیں"۔ سرورِ کائناتؐ نے فرمایا: "اگر تم عائشہؓ کو دعوت نہیں دیتے تو میں بھی نہیں جاؤں گا"۔ فارسی چلا گیا، کچھ دیر بعد پھر حاضر ہوا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا: "کیا عائشہؓ بھی چلیں"؟ فارسی نے پھر نہیں کہا۔ اور رسولؐ اللہ نے بھی انکار کردیا کہ میں بھی نہیں جاتا۔ فارسی اس بار بھی چلا گیا اور تیسری بار پھر حاضر ہوا، اور رسولؐ اللہ کو دعوت دی۔ حضورؐ نے پھر پُوچھا، "کیا عائشہؓ بھی چلیں"؟ فارسی نے کہا: "ہاں"۔ حضورؐ اور حضرت عائشہ صدّیقہؓ فارسی کے گھر پہونچے۔

اِس حدیث میں فارسی کے عمل کی تشریح یہ ہے کہ فارسی کے پاس کھانے کو اِتنا نہ تھا کہ بی بی عائشہؓ کو بھی دعوت دیتا۔ تیسری بار جب فارسی نے مزید کھانے کا انتظام کرلیا تو حضرت عائشہؓ صدّیقہ کے لئے بھی "ہاں" کہدیا۔ خود رسولؐ اللہ کے طرزِ عمل کی تشریح یہ ہے کہ اگرچہ دعوت قبول کرنا سُنّت تھا، مگر حضرت عائشہؓ بھی بھوکی تھیں اور یہ بات آپؐ کے لئے ناقابلِ برداشت تھی کہ خود جاکر پیٹ بھرلیں اور بیوی بھوکی بیٹھی رہی۔

اِس واقعہ سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپؐ کی بیویؓ کی زندگی کافی تکلیف کی زندگی تھی۔ لہٰذا اگر حضورؐ نے چار سے زیادہ نکاح کیئے تو وہ سب نکاح حالات کے تقاضوں سے کیئے تھے، عیش و عشرت کا کوئی سوال نہ تھا۔

اُمّہاتُ المومنین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کا مرتبہ ' مہاتُ المومنین" کا تھا ۔ اگر بالفرض حضورؐ اپنی کسی بیوی لاق دے دیتے تو اسلامی سوسائٹی میں ان کا نکاح کسی اور سے نہیں ہوسکتا تھا ۔ کیونکہ وہ ہر مسلمان کی "ماں" تھیں ۔ یہ ہ اس لئے قرار دیا گیا تھا کہ اوّل تو مرتبۂ رسالتؐ کی رفعت طرح ظاہر ہوتی تھی ۔ دوسرے اسلام کو دشمنوں کی سازش بچانا بھی مقصود تھا ۔ جب دشمنوں کی جنگ اور پروپیگنڈہ رگرمیاں اسلام کو تباہ کرنے میں ناکام رہیں تو بعض منافقین ضورؐ کی گھریلو زندگی کے خلاف ایسی سازشیں کیں، جن کے سے اسلام بدنام ہوجائے ۔ اِس منصوبے میں سرورِ کائنات یویوں کے خلاف چہ میگوئیاں بھی ہوتی تھیں ۔ بی بی عائشہؓ لاف تہمت کا واقعہ اسی منصوبے کے تحت تھا ۔ امام رازیؒ اپنی تفسیر کبیر میں بعض منافقین کی چہ میگوئیوں کا ذکر کرتے ئے یہ قول نقل کیا ہے کہ رسولؐ اللہ کے وفات پانے بعد عائشہؓ سے میں نکاح کرلوں گا ۔ (نعوذ باللہ) اس کی بدزبانیوں کا سدِّباب کرنے کے لئے یہ فیصلہ کیا گیا سول صلعم کی بیویاں مومنین کی "مائیں" ہیں ۔ ان کے ساتھ کا نکاح جائز نہیں ۔ مسئلہ کے اس پہلو کو اس لئے نمایاں بار رہا ہے کہ رسولؐ اللہ کی بیویوں کی تعداد چار تک محدود ، کی جاسکتی تھی ۔ اس لئے اس خاص معاملہ میں "سنّتِ ل" والی منطق پیش کرنا غلط ہے ۔ حالات کا تقاضہ تھا کہ چار بیویوں کی پابندی سے رسولؐ اللہ کو بالاتر ا جائے ۔

اِس بارے میں قطعی فیصلہ صحابہؓ کے طرزِ عمل سے ہوجاتا ہے ۔ کوئی مثال ایسی نہیں ملتی کہ کسی صحابی نے بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں رکھی ہوں ۔ یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ اگر چار سے زیادہ بیویوں کے جواز کی کوئی صورت بھی ہوتی تو اس سے ضرور فائدہ اُٹھایا جاتا ۔ کیونکہ سوسائٹی میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوگئی تھی ۔ ایک سے زیادہ بیویاں وقت اور حالات کا مطالبہ تھیں ۔ اگر چار تک کی تعداد جائز قرار نہیں دی جاتی تو پھر بدکاری میں اضافہ ہوتا ۔ پس اگر اِس بارے میں "سُنّتِ رسُولؐ" زیادہ بیویوں کی اجازت دیتی تو کافی تعداد میں صحابیوں کی بیویوں کی تعداد چار سے زیادہ ہوتی ۔

یہاں بخاری کی ایک حدیث کا تذکرہ ضروری ہے جس سے یہ غلط فہمی بعض لوگوں کو ہوئی ہے کہ اسلام زیادہ بیویوں کا حامی ہے ۔ یہ غلط فہمی اس لئے اور پیدا ہوتی ہے کہ کہ بخاری نے کتاب النّکاح میں یہ حدیث "کثرۃ النساء" کے باب میں شامل کی ہے ۔ اور شارح بخاری، ابنِ حجر عسقلانی نے اس غلط فہمی میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے ۔

حدیث یہ ہے :

عن سعید بن جبیر قال قال لی ابن عباس هل تزوجت قلت لا قال نتزوج قال خیر هذه الامة اکثرها نساء ۔ (بخاری ۔ کتاب النکاح)

سعید بن جبیر فرماتے ہیں، مجھ سے ابنِ عباس نے پوچھا کیا تم نے نکاح کرلیا ہے، میں نے جواب دیا کہ نہیں ۔ انہوں نے کہا کہ نکاح کر ڈالو اور کہا کہ اس اُمّت کی بہترین شخصیت کی زیادہ عورتیں تھیں ۔

صرف حضرت عائشہؓ صدّیقہ تھیں۔ آپ کے ساتھ بھی جو نکاح ہوا اُس میں حُسن و عشق کے اثرات کا کوئی سوال نہ تھا، بلکہ بعض خاص دینی محرکات ابو بکر رضی اللہ عنہ کی دختر نیک اختر سے نکاح کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ مکّی زندگی کے تبلیغی نظام میں حضرت ابوبکرؓ کا کردار اتنا نمایاں تھا کہ حضورؐ آپ کی درخواست کو رَد نہ کرسکے اور عائشہؓ کے ساتھ نکاح کرلیا۔ اس کے بعد مدنی زندگی میں آپؐ نے جن سے نکاح کیے اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

اُمّ سلمہؓ۔ حفصہؓ (بنتِ عمر بن الخطابؓ) زینبؓ (بنتِ خزیمہ) زینبؓ (بنتِ حجش) اُمّ حبیبہؓ۔ جویریہؓ۔ صفیہؓ میمونہؓ۔ ان میں سے حضورؐ کی وفات کے وقت (۹) حیات تھیں۔ ریحانہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ یہ لونڈی تھی۔ بعض کے نزدیک اسے آزاد کر کے نکاح کرلیا تھا۔ نکاح کی ترتیب میں بھی اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں جو ترتیب دی ہے اس سے مختلف ترتیب زاد المعاد میں ابنِ قیم نے دی ہے۔

دنیوی نقطۂ نظر سے یہ بیویاں آرام سے نہیں رہیں۔ چنانچہ ایک بار جب یہ دنیوی لحاظ سے بلند تر معیار کی زندگی کا مطالبہ کرنے لگیں تو حضور سرورِ کائناتؐ نے سمجھا دیا تھا کہ اگر تم اس دینی فلاح کی زندگی سے مطمئن نہیں ہو تو تمہیں آزاد کیا جا سکتا ہے۔ پھر جب سب آخرت کی فلاح کے لئے اس دُنیا کی زندگی میں تکالیف برداشت کرنے راضی ہوگئیں تو یہ تصفیہ ختم ہوا۔

بی بی عائشہؓ کا بیان ہے کہ کئی کئی روز تک چولھا نہیں جلتا تھا۔ مثال کے لئے آپ کی سب سے چہیتی بیوی کا ایک واقعہ ہے۔ یہ صحیح مُسلم کی حدیث پر مبنی ہے۔

انسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کا پڑوسی فارسی (ایرانی) تھا جو شوربہ عُمدہ پکاتا تھا۔ ایک روز اُس نے کھانا تیار کرلیا۔ اور حضورؐ کو دعوت دینے کے لئے حاضر ہوا۔ آپؐ نے حضرت عائشہؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "اور یہ بھی"؟ فارسی نے کہا: "نہیں"۔ سرورِ کائناتؐ نے فرمایا: "اگر تم عائشہؓ کو دعوت نہیں دیتے تو میں بھی نہیں جاؤں گا"۔ فارسی چلا گیا، کچھ دیر بعد پھر حاضر ہوا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا: "کیا عائشہؓ بھی چلیں"؟ فارسی نے پھر نہیں کہا۔ اور رسولؐ اللہ نے بھی انکار کر دیا کہ میں بھی نہیں جاتا۔ فارسی اِس بار بھی چلا گیا اور تیسری بار پھر حاضر ہوا اور رسولؐ اللہ کو دعوت دی۔ حضورؐ نے پھر پُوچھا، "کیا عائشہؓ بھی چلیں"؟ فارسی نے کہا: "ہاں"۔ حضورؐ اور حضرت عائشہ صدّیقہؓ فارسی کے گھر پہونچے۔

اِس حدیث میں فارسی کے عمل کی تشریح یہ ہے کہ فارسی کے پاس کھانے کو اتنا نہ تھا کہ بی بی عائشہؓ کو بھی دعوت دیتا۔ تیسری بار جب فارسی نے مزید کھانے کا انتظام کرلیا تو حضرت عائشہؓ صدّیقہ کے لئے بھی "ہاں" کہدیا۔ خود رسولؐ اللہ کے طرزِ عمل کی تشریح یہ ہے کہ اگرچہ دعوت قبول کرنا سُنّت تھا، مگر حضرت عائشہؓ بھی بھوکی تھیں اور یہ بات آپؐ کے لئے ناقابلِ برداشت تھی کہ خود جاکر پیٹ بھرلیں اور بیوی بھوکی بیٹھی رہی۔

اِس واقعہ سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپؐ کی بیویوں کی زندگی کافی تکلیف کی زندگی تھی۔ لہٰذا اگر حضورؐ نے چار سے زیادہ نکاح کیئے تو وہ سب نکاح حالات کے تقاضوں سے کیئے تھے، عیش و عشرت کا کوئی سوال نہ تھا۔

اُمّہاتُ المومنین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کا مرتبہ "اُمہاتُ المومنین" کا تھا۔ اگر بالفرض حضورؐ اپنی کسی بیوی کو طلاق دے دیتے تو اسلامی سوسائٹی میں ان کا نکاح کسی اور مرد سے نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ وہ ہر مسلمان کی "ماں" تھیں۔ یہ مرتبہ اس لئے قرار دیا گیا تھا کہ اوّل تو مرتبۂ رسالتؐ کی رفعت اس طرح ظاہر ہوتی تھی۔ دوسرے اسلام کو دشمنوں کی سازش سے بچانا بھی مقصود تھا۔ جب دشمنوں کی جنگ اور پروپیگنڈہ کی سرگرمیاں اسلام کو تباہ کرنے میں ناکام رہیں تو بعض منافقین نے حضورؐ کی گھریلو زندگی کے خلاف ایسی سازشیں کیں جن کے اثر سے اسلام بدنام ہوجاتے۔ اس منصوبے میں سرورِ کائنات کی بیویوں کے خلاف چہ میگوئیاں بھی ہوتی تھیں۔ بی بی عائشہؓ کے خلاف تہمت کا واقعہ اسی منصوبے کے تحت تھا۔ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں بعض منافقین کی چہ میگوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ قول نقل کیا ہے کہ رسولؐ اللہ کے وفات پانے کے بعد عائشہؓ سے میں نکاح کرلوں گا۔ (نعوذ باللہ) اس قسم کی بدزبانیوں کا سدِّباب کرنے کے لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ رسول صلعم کی بیویاں مومنین کی "مائیں" ہیں۔ ان کے ساتھ کسی کا نکاح جائز نہیں۔ مسئلہ کے اس پہلو کو اس لئے نمایاں کیا جارہا ہے کہ رسولؐ اللہ کی بیویوں کی تعداد چار تک محدود نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس لئے اس خاص معاملہ میں "سُنّتِ رسُولؐ" والی منطق پیش کرنا غلط ہے۔ حالات کا تقاضہ یہی تھا کہ چار بیویوں کی پابندی سے رسولؐ اللہ کو بالاتر رکھا جائے۔

اس بارے میں قطعی فیصلہ صحابہؓ کے طرزِ عمل سے ہوجاتا ہے۔ کوئی مثال ایسی نہیں ملتی کہ کسی صحابی نے بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں رکھی ہوں۔ یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ اگر چار سے زیادہ بیویوں کے جواز کی کوئی صورت بھی ہوتی تو اس سے ضرور فائدہ اُٹھایا جاتا۔ کیونکہ سوسائٹی میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوگئی تھی۔ ایک سے زیادہ بیویاں وقت اور حالات کا مطالبہ تھیں۔ اگر چار تک کی تعداد جائز قرار نہیں دی جاتی تو بھر بدکاری میں اضافہ ہوتا۔ پس اگر اس بارے میں "سُنّتِ رسُولؐ" زیادہ بیویوں کی اجازت دیتی تو کافی تعداد میں صحابیوں کی بیویوں کی تعداد چار سے زیادہ ہوتی۔

یہاں بخاری کی ایک حدیث کا تذکرہ ضروری ہے جس سے یہ غلط فہمی بعض لوگوں کو ہوئی ہے کہ اسلام زیادہ بیویوں کا حامی ہے۔ یہ غلط فہمی اس لئے اور پیدا ہوتی ہے کہ بخاری نے کتاب النکاح میں یہ حدیث "کثرۃ النساء" کے باب میں شامل کی ہے۔ اور شارح بخاری، ابنِ حجر عسقلانی نے اس غلط فہمی میں اور بھی اضافہ کردیا ہے۔

حدیث یہ ہے:

عن سعید بن جبیر قال قال لی ابن عباس هل تزوجت قلت لا قال نتزوج قال خیر هذه الامة اکثرها نساء۔ (بخاری۔ کتاب النکاح)

سعید بن جبیر فرماتے ہیں، مجھ سے ابنِ عباس نے پوچھا کیا تم نے نکاح کرلیا ہے، میں نے جواب دیا کہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ نکاح کر ڈالو اور کہا کہ اس اُمّت کی بہترین شخصیت کی زیادہ عورتیں تھیں۔

اِس حدیث میں "خیر ہٰذہ الامۃ اکثرہا نساء" میں کسی قدر ابہام ہے، جس کی وجہ سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ الفاظ میں اشارہ رسول اللہؐ کی طرف ہے۔ مگر بعض لوگوں نے یہ معنی لے لیئے کہ: "اس اُمّت کا وہ بہترین آدمی ہے جسکی زیادہ بیویاں ہوں"۔ کراچی میں جو ترجمہ مرزا حیرت دہلوی کے نام سے شائع ہوا ہے، اس کے زیریں نوٹ میں اس قسم کا ترجمہ دیا ہے۔ ایسے ترجمہ سے یہ غلط فہمی لازماً پیدا ہوتی ہے کہ جتنی بیویاں ہوں اُتنا ہی اچھا ہے۔

ابن عباسؓ کا مطلب صرف اِتنا ہے کہ "نکاح کرنا نہ کرنے سے بہتر ہے"۔ دلیل یہ دی ہے کہ جو، "خیرالامتہ" تھے، ان کی تو کئی بیویاں تھیں اور تمہاری حالت یہ ہے کہ ایک نکاح بھی نہیں کیا۔ حدیث میں زیادہ بیویوں کی ترغیب بالکل نہیں ہے۔

بیویوں کی تعداد کے بارے میں اسلام کا یہ تصوّر تو ہرگز نہیں ہے کہ متعدد بیویاں کی جائیں۔ لیکن چار بیویوں تک کی اجازت ضرور ہے اور اِس اجازت کے ساتھ "عدل" کی جو شرط لگائی گئی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عمومی طور سے صرف ایک ہی بیوی کا تصوّر ہے، لیکن حالات کے تقاضے پورے کرنے کے لئے لچک رکھ دی گئی ہے اور دو تین یا چار کی اجازت کا یہی مطلب ہے۔

جنگ میں مردوں کی تعداد کم ہو جانا، بیوی کا بیمار ہونا، اولاد نہ ہونا، کفالت و نگرانی سے کسی لڑکی کا محروم ہو جانا اور اسی قسم کے دیگر حالات کا تقاضہ ہو جاتا ہے کہ ایک بیوی کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح کر لیا جائے۔ بیشک بعض اوقات مرد اس مشروط اجازت کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ لیکن یہ ذمہ داری حکومت یا سوسائٹی پر عائد ہوتی ہے کہ تعداد ازدواج کے قانون کے ناجائز استعمال سے روکے یہ اُسی حالت میں ممکن ہو سکتا ہے جب کہ مُلک کا آئین اس ہو یا جماعتی تنظیم مضبوط ہو۔

یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ چار بیویوں تک کی اجازت کے باوجود ایک سے زیادہ بیویوں کا رواج اسلامی سوسائٹی میں بہت کم ہے اور اس اجازت کا ناجائز استعمال اور بھی کم ہے۔ مگر ناجائز استعمال ہے ضرور۔ یعنی بعض مثالیں ایسی ملتی ہیں جن میں ایک بیوی پر ظلم ہوتا ہے اور دوسری پر محبت نچھاور کرتے ہوئے اُسے امتیازی حقوق دیئے جاتے ہیں۔ لیکن کئی بیویوں کی اجازت کے قانون کے غلط استعمال کے باعث اس کی مخالفت نہیں کی جا سکتی۔ یُوں تو دُنیا کے اکثر قانونوں کی بنیادی افادیت کے باوجود ان کے غلط استعمال کے واقعات رونما ہوتے ہی رہتے ہیں۔

آیت میں فانکحوا ما طاب لکم میں امر کا جو صیغہ ہے وہ وجوب کے لئے نہیں ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ یتامٰی کے ساتھ بے انصافی کا خطرہ ہو تو ایک دو یا تین یا چار کے ساتھ نکاح کیا ہی جائے۔ امامِ شافعیؒ نے یہی رائے دی ہے کہ واجب نہیں ہے اور دلیل میں انہوں نے قرآن کی یہ آیت پیش کی ہے فمن لم یستطع منکم طولًا ان ینکح المحصنات ۔۔۔۔ ان تصبروا خیر لکم (جو مالی مجبوری کے باعث آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کر سکے، اگر صبر کرو تو تمہارے لئے اچھا ہے۔)

آیت میں اصل مسئلہ حقوقِ یتامٰی کی حفاظت کا ہے چار عورتوں سے نکاح کا مسئلہ ضمناً آ گیا ہے۔ لیکن عملی زندگی

ہیں اس ضمنی مسئلہ نے بڑی اہمیت اختیار کر لی ہے۔ غیر اسلامی ممالک کا تو ذکر ہی کیا ہے، بعض اُن ممالک میں بھی جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، چار بیویوں کی اجازت کو بہت زیادہ محدود کر دیا گیا ہے۔ ان محدود کرنے والوں نے عَدل سے فائدہ اُٹھایا ہے۔

بعض مفسّرین نے اِس بحث میں یہ پہلو پیدا کیا ہے کہ رسولؐ اللہ کی وفات کے وقت نو بیویاں تھیں، اور سُنّتِ رسولؐ کی متابعت کا حکم قرآن میں ہے۔ لہٰذا نو تک کی اجازت تسلیم کرنی چاہیئے۔ انہوں نے یہ دلیل بھی دی کہ چار نکاحوں کا ذکر اس آیت میں ایسے طریقے سے نہیں ہے کہ جس سے لازمًا یہ معنی پیدا کیئے جائیں کہ پانچویں عورت سے نکاح ممنوع ہے اس میں تو اتنا ہی ہے کہ اگر یتیموں کے ساتھ بے انصافی کا ڈر ہو تو اپنی پسند کی عورتوں میں سے دو یا تین یا چار کر لو، یہ تصریح تو نہیں ہے کہ چار سے زیادہ نہ کرو اور عجیب مگر دلچسپ پہلو یہ نکالا گیا کہ آیت میں جو اعداد ہیں یعنی ۲ اور تین اور چار تو ان کا مجموعہ بھی نو ہے، جو تعداد رسُولؐ کی بیویوں کی، وفات کے وقت تھی۔

ان مفسّرین کے مقابلہ میں وہ حدیث پیش کی گئی جس میں بتایا گیا ہے کہ غیلان جب اسلام لایا تو اس کی دس بیویاں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیلان سے فرمایا کہ ان میں سے چار رکھو باقی کو چھوڑ دو۔ اس طرح جب نوفل بن معاویہ اسلام لائے تو ان کی پانچ بیویاں تھیں، حضورؐ نے فرمایا کہ چار رکھو ایک جُدا کر دو۔ ایک دلیل یہ پیش کی گئی کہ فقہاء کا اجماع بھی اسی پر ہے کہ چار سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ ان دلیلوں کا جواب نو بیویوں کے حامی یہ دیتے ہیں کہ:

کسی حدیث سے قرآن کی وہ آیت منسوخ نہیں ہو جاتی جس میں اِتباعِ رسولؐ پر زور دیا ہے۔ اور نہ ہی اجماع سے آیت کا حکم منسوخ ہو سکتا ہے۔ مزید یہ کہ رسولؐ اللہ نے جو نئے اسلام لانے والوں کو چار سے زیادہ جو بیویاں تھیں انہیں الگ کرنے کا حکم دیا تو یہ ایک واقعہ کا اظہار ہے۔

ہو سکتا ہے کہ چار سے زیادہ جو بیویاں تھیں اُنھیں کسی اور سبب سے الگ کیا گیا ہو۔ مثلاً رضاعی بہنیں ہوں، یا نسب کے لحاظ سے ایسی رشتہ دار ہوں، جو بیویاں نہیں بنائی جا سکتیں۔

ان تمام باتوں کے باوجود فقہا کا اس پر اجماع ہے کہ چار سے زیادہ بیویاں ایک وقت میں نہیں ہو سکتیں، اور ان چار کو بھی جمع کرنے کے لئے عدل کی شرط ہے۔

بعض مُلکوں میں عدالتوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ عَدل کی شرط کے بارے میں احتساب کر سکیں، بلکہ کسی مُسلمان کو دوسرا نکاح کرنے سے قبل عدالت سے اجازت لینی چاہیئے۔

ایسی پابندی کو علماء نے
خلافِ شریعت
قرار دیا ہے۔

آج کے طلبہ

ایک بچے نے الجبرا کا ایک سوال حل تو کرلیا، جواب بھی صحیح تھا لیکن طریقہ اس نے ایسا استعمال کیا تھا کہ جو سوال ایک صفحہ میں حل کیا جاسکتا تھا اسے چار صفحے لگے۔ استاد نے اسے بلاکر پوچھا اگر تمہیں بمبئی سے دہلی جانا ہو تو کیا تم بمبئی سے مدراس وہاں سے کلکتہ اور پھر کلکتہ سے دہلی جاؤ گے۔ اور پھر کہنے لگے اس سوال کو تم نے اسی طرح حل کیا ہے، جاؤ دوبارہ حل کرکے لاؤ۔

بچے نے فوراً جواب دیا۔ میں اس طرح سفر تو نہیں کروں گا لیکن اگر چلا بھی گیا تو اپنی غلطی کا احساس ہونے پر تلافی کی خاطر بمبئی آنے کی حماقت کبھی نہیں کروں گا۔

کل کے ادیب

استاد جب طلباء کی کاہلی سے تنگ آگئے تو آخر انہوں نے بچوں سے کہا تم آخر کب تک کام کرکے نہیں لاؤ گے کسی بھی موضوع پر مضمون لکھنے کو کہا جائے تو تم لوگ اپنی لاعلمی کو آڑ بناکر لکھنے سے انکار کردیتے ہو اچھا آج گھر جاکر "کاہلی کیا ہے" اس عنوان پر مضمون لکھو۔ اس موضوع کو تم سے بہتر اور کون جان سکتا ہے۔

دوسرے دن انکی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے سب سے کاہل لڑکے کی کاپی سب سے پہلے موجود پائی۔ بہت خوش ہوئے کاپی کھول کر دیکھنے لگے پہلا صفحہ الٹا خالی دوسرا اور تیسرا صفحہ بھی خالی لیکن چوتھے صفحہ پر لکھا تھا "یہ کاہلی یہ ہے"۔

بنت حوا. مارچ ۲۷ء

ے جو بے میل رہے ہیں
ے وہی کھیل رہے ہیں

آزاد خیالوں کو بھی دیکھا
مکاں جن کے لئے جیل رہے ہیں

تر و تازہ و خوش رنگ و دل افروز
میں ہم لوگ اَمر بیل رہے ہیں

نتی کوئی زخموں کی، نہ داغوں کی کوئی حد
معصومیٔ فطرت کی سزا جھیل رہے ہیں

گندر پال

بے وطنی

مجھے یقین ہے کہ میں نے ان لوگوں سے اپنی پوری بات
، تو میرا دم نکل جائے گا۔ میں یہاں کئی سال سے رہ رہا ہوں
طہ بھی میرے ہی وطن کا ہے۔ اس خطہ میں میری پیدائش
، ہوئی تو کیا ہوا؟ ——

اے ہم وطنو! —

پر میرے وطن کے لوگوں کی زبان دگر ہے۔

خدارا میری بات کو دھیان سے سنو۔

لیکن یہ لوگ میری بات سننے کے بجائے میری گرامر
ملطیوں پر ہنس رہے ہیں۔ اور میری بات ان کے قہقہوں سے
ٹ کر میرے حلق میں پھنس کر رہ گئی ہے۔

میں اپنی بات نہ کہہ سکنے کی کرب سے دیوانہ ہو
ما ہوں، مگر میں نے اپنے آپ کو سمجھایا ہے، نہیں، ان
لوئی دوش نہیں، سیدھی سی بات ہے کہ پہلے یہاں
ربان سیکھو، پھر اپنی بات کو بخوبی کہہ دو۔

ٹھیک ہے! —— پر میرا پرانا کرب بدستور میرے وجود
، کھلا رہا ہے اور اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے مجھے اس
ت تک انتظار کئے جانا ہے جب تک میری زبان میں سفید بال
نظر آنے لگیں۔ میں نے سالوں کا فاصلہ دنوں میں طے کر لیا ہے
، شوق کی تکمیل کی خاطر اس مختصر سی مدت میں ہی بوڑھا ہو گیا ہوں
بچوں کے مانند خوش ہوں کہ اب اپنی بات کو فرفر کہہ دوں گا۔

اے ہم وطنو! ——

نہیں میرے ہم وطنوں کو اعتراض ہے کہ میں باہر کا آدمی ہوں۔ باہر کے کسی شخص کو حق حاصل نہیں کہ وہ اندر کی کوئی بات کرے۔

خدارا کوئی مجھے سن لو۔

جاؤ بابا، پریشان مت کرو۔

اور میں چلا آیا ہوں اور چونکہ مجھے سننے کو کوئی بھی تیار نہیں اسلئے میں لکھ لکھ کر بولنے کا عادی ہو گیا ہوں اور —— اور میرا المیہ دیکھیے، اس دوران میں کئی کتابیں لکھ چکا ہوں جنہیں یہ لوگ بڑے شوق سے پڑھتے ہیں پر —— پر اپنی ساری کتابوں میں ابھی تک میں وہ چھوٹی سی بات نہیں کہہ پایا ہوں جو پہلے پہل میرے ہم وطن سن لیتے تو میں جھٹ ہی اپنے ٹوٹے پھوٹے لہجہ میں کہہ دیتا —— وہ بات مجھے بھول ہی گئی ہے، یاد ہے پر بھول سی گئی ہے، یاد ہی نہیں آ رہی ہے۔

میرے ہم وطنو! — خدارا مجھے گلے لگا لو تاکہ میری یادداشت لوٹ آئے نہیں تو لکھ لکھ کر میں اور بھولتا جاؤں گا اور کرب میں مبتلا ہوتا جاؤنگا۔

دروازہ کھول دو ہم وطنو! مجھے اپنے گھر میں داخل ہو جانے دو۔ مجھے باہر سے اندر آ جانے دو —— آ جانے دو، ہم وطنو! مجھے اپنی اس بھولی بات کو کہنا ہے، اپنے منہ سے کہنا ہے، نہ کہہ پایا تو گھٹ گھٹ کر مر جاؤنگا۔ ساری عمر لکھتا رہونگا پر وہ بات میرے قلم کی گرفت میں نہ آئے گی! —

غزل

ادیب مالیگانوی

معنی کی لطافت سے جو کھیل رہے ہیں
الفاظ کی گڑیوں سے وہی کھیل رہے ہیں

دنیا نے اُن آزاد خیالوں کو بھی دیکھا
اپنے ہی مکاں جن کے لئے جیل رہے ہیں

شاداب، تر و تازہ و خوش رنگ و دل افروز
ہر دور میں ہم لوگ اَمر بیل رہے ہیں

گنتی کوئی زخموں کی، نہ داغوں کی کوئی حد
معصومیٔ فطرت کی سزا جھیل رہے ہیں

آج کے طلبہ

ایک بچے نے الجبرا کا ایک سوال حل تو کرلیا، جواب بھی صحیح تھا لیکن طریقہ اس نے ایسا استعمال کیا تھا کہ جو سوال ایک صفحہ میں حل کیا جاسکتا تھا اسے چار صفحے لگے۔ استاد نے اسے بلاکر پوچھا اگر تمہیں بمبئی سے دہلی جانا ہو تو کیا تم بمبئی سے مدراس وہاں سے کلکتہ اور پھر کلکتہ سے دہلی جاوٴ گے۔ اور پھر کہنے لگے اس سوال کو تم نے اسی طرح حل کیا ہے، جاوٴ دوبارہ حل کرکے لاوٴ۔

بچے نے فوراً جواب دیا۔ میں اس طرح سفر تو نہیں کروں گا لیکن اگر چلا بھی گیا تو اپنی غلطی کا احساس ہونے پر تلافی کی خاطر بمبئی آنے کی حماقت کبھی نہیں کروں گا۔

کل کے ادیب

استاد جب طلباء کی کاہلی سے تنگ آگئے تو آخر انہوں نے بچوں سے کہا تم آخر کب تک کام کرکے نہیں لاوٴ گے کسی بھی موضوع پر مضمون لکھنے کو کہا جائے تو تم لوگ اپنی لاعلمی کو آڑ بناکر لکھنے سے انکار کردیتے ہو اچھا آج گھر جاکر "کاہلی کیا ہے" اس عنوان پر مضمون لکھو۔ اس موضوع کو تم سے بہتر اور کون جان سکتا ہے۔

دوسرے دن انکی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے سب سے کاہل لڑکے کی کاپی سب سے پہلے موجود پائی۔ بہت خوش ہوئے کاپی کھول کر دیکھنے لگے پہلا صفحہ الٹا خالی دوسرا اور تیسرا صفحہ بھی خالی لیکن چوتھے صفحہ پر لکھا تھا "کاہلی یہ ہے"۔

جوگندر پال

بے وطنی

مجھے یقین ہے کہ میں نے ان لوگوں سے اپنی پوری بات کی تو میرا دم نکل جائے گا۔ میں یہاں کئی سال سے رہ رہا ہوں خطہ بھی میرے ہی وطن کا ہے۔ اس خطہ میں میری پیدائش ہیں ہوئی تو کیا ہوا؟ —

اے ہم وطنو! —

پر میرے وطن کے لوگوں کی زبان دگر ہے۔

خدارا میری بات کو دھیان سے سنو۔

لیکن یہ لوگ میری بات سننے کے بجائے میری گرامر غلطیوں پر ہنس رہے ہیں۔ اور میری بات ان کے قہقہوں سے ٹ کر میرے حلق میں پھنس کر رہ گئی ہے۔

میں اپنی بات نہ کہہ سکنے کی کرب سے دیوانہ ہو رہا ہوں، مگر میں نے اپنے آپ کو سمجھایا ہے۔ نہیں، ان کوئی دوش نہیں، سیدھی سی بات ہے کہ پہلے یہاں زبان سیکھو، پھر اپنی بات کو بخوبی کہہ دو۔

ٹھیک ہے! — پر میرا پرانا کرب بدستور میرے وجود گھلا رہا ہے اور اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے مجھے اس مدت تک انتظار کئے جانا ہے جب تک میری زبان میں سفید بال نظر آنے لگیں۔ میں نے سالوں کا فاصلہ دنوں میں طے کر لیا ہے اپنے شوق کی تکمیل کی خاطر اس مختصر سی مدت میں ہی بوڑھا ہو گیا ہوں بچوں کے مانند خوش ہوں کہ اب اپنی بات کو فرفر کہہ دوں گا۔

اے ہم وطنو! —

نہیں میرے ہم وطنوں کو اعتراض ہے کہ میں باہر کا آدمی ہوں۔ باہر کے کسی شخص کو حق حاصل نہیں کہ وہ اندر کی کوئی بات کرے۔

خدارا کوئی مجھے سن لو۔

جاؤ بابا، پریشان مت کرو۔

اور میں چلا آیا ہوں اور چونکہ مجھے سننے کو کوئی بھی تیار نہیں اسلئے میں لکھ لکھ کر بولنے کا عادی ہو گیا ہوں اور — اور میرا المیہ دیکھیے، اس دوران میں کئی کتابیں لکھ چکا ہوں جنہیں یہ لوگ بڑے شوق سے پڑھتے ہیں پر — پر اپنی ساری کتابوں میں ابھی تک میں وہ چھوٹی سی بات نہیں کہہ پایا ہوں جو پہلے پہل میرے ہم وطن سن لیتے تو میں جھٹ ہی اپنے ٹوٹے پھوٹے لہجہ میں کہہ دیتا — وہ بات مجھے بھول ہی گئی ہے، یاد ہے پر بھول سی گئی ہے، یاد ہی نہیں آ رہی ہے۔

میرے ہم وطنو! — خدارا مجھے گلے لگا لو تاکہ میری یادداشت لوٹ آئے نہیں تو لکھ لکھ کر میں اور بھولتا جاؤں گا اور کرب میں مبتلا ہوتا جاؤں گا۔

دروازہ کھول دو ہم وطنو! مجھے اپنے گھر میں داخل ہو جانے دو۔ مجھے باہر سے اندر آ جانے دو — آ جانے دو، ہم وطنو! مجھے اپنی اس بھولی ہوئی بات کو کہنا ہے، اپنے منہ سے کہنا ہے، نہ کہہ پایا تو گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گا ساری عمر لکھتا رہوں گا پر وہ بات میرے قلم کی گرفت میں نہ آئے گی!۔

مُصلح الامت عارف باللہ
حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ

"نَشْرُ النُّورِ فِیْ بَلْدَۃِ جَوْنْفُوْر"

المعروف بہ "مجالِس جونپور"

مردِ حقانی راستہ سے تو باخبر کرتا ہی ہے اپنے کلام کے ساتھ ساتھ نُور پھیلا دیتا ہے تاکہ راستہ بالکل صاف نظر آنے اور پھر اس پر چلنا آسان سے آسان تر ہو جائے۔ اس حقیقت کے پیش نظر مصلح الامت عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی ایک مجلس استفادہ کے لئے ہدیۂ ناظرین ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچائے۔ (ادارہ)

فرمایا کہ ۔ دین کی باتوں کو سننا چاہیئے اور مقصود و غیر مقصود میں فرق کرنا چاہیئے اور ان کے ساتھ طرح معاملہ کرنا چاہیئے کہ دین غالب رہے اور سب چیزیں تابع رہیں آج لوگ جو خراب ہوئے ہیں تو اسی لئے کہ دنیا داری آگئی ہے اور دینی اجتماع کے موقعہ پر بھی زیادہ تر توجہ کھانے پینے کے انتظامات پر رہتی ہے دین پیچھے رہ جاتا ہے حالانکہ اصل مقصود دین ہی ہے آپ لوگوں کو اس کو سمجھنا ہوگا نہیں تو چلا جاؤں گا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ نے ایک جگہ کا نام لے کر فرمایا (آپ کے یہاں کا نہیں بلکہ ایک دوسری جگہ کا جو آپ کے یہاں سے قریب ہے فرمایا) علماء نے یہاں خدمت زیادہ لی ہے اور کام کم کیا ہے اسی لئے کہتا ہوں کہ کام اب بھی ہوگا اگر کام کی طرح سے کروگے ورنہ اگر کھانے پینے ہی میں رہو گے تو یہ سب دنیا ہو جائے گی اور اس سے زیادہ کچھ نہیں جیسا کہ آج مدرسوں میں دیکھا جاتا ہے چندے کی ہما ہمی ہے طلبہ کے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا ہے لیکن یہ کہ کتنا دین سیکھ کر نکلتے ہیں اس کو آپ خود دیکھ لیجئے ہمارا ہی کھاتے ہیں اور ہمارے ہی مخالف ہیں۔ ہمارے شاگرد اور ہمیں سے مطالبہ۔

ایک صاحب نے مجھے بمبئی لکھا کہ آپ سے وہاں بہت کام ہو رہا ہے لہذا آپ وہاں ایک ادارہ قائم کر دیں میں نے کہا کہ ادارہ میں پڑھے گا کون اور جو ادارے قائم ہیں (انکا جو حشر ہو رہا ہے وہ سامنے ہے پھر ہم فتنہ کا ایک نیا سامان کیوں کریں اس لئے کہ ہم تو یہاں رہیں گے نہیں چلاؤ گے تمہیں لوگ تو جو نُور اور جگہ برسا رہے ہو یہاں بھی

برساؤ گے تو یہ خوب رہا ادارہ قائم کریں ہم اور فساد کرو تم، ایک بات کام کی یاد آگئی سُنو:۔

ایک دفعہ میں نے لوگوں سے کہا کہ تم لوگوں سے کچھ نہیں ہوگا سوائے ایک کام کے جب میں نے یہ کہا تو سب لوگ متوجہ ہو گئے کہ سارے کاموں کی تو ہم سے نفی کر دی ہے صرف ایک ہی چیز کا اثبات کیا ہے تو اس نفی کے بعد اثبات اور عام منفی سے ایک کا استثنا ہو گیا تو کوئی بڑا ہی کام ہو گا۔ اس لئے سننے کی طرف خوب متوجہ ہو گئے۔ پھر میں نے کہا جانتے ہو وہ کام کیا ہے۔ اختلاف۔ یعنی تم بس یہی کام کر سکتے ہو کہ آپس میں خوب اختلاف کرو۔ اور اس کی وجہ سے خوب جھگڑے فساد میں مبتلا ہو جاؤ جب یہ سنا تو بہت ہی شرمندہ ہوئے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ اور تم سے یہ بھی نہ ہو سکے گا۔ مطلب یہ تھا کہ دین کے مقابلہ میں یا میرے مقابلہ میں اگر فتنہ فساد کرنا چاہو گے تو وہ بھی نہ کر سکو گے اس لئے کہ ہم لوگوں کو خدا اور رسولؐ کی باتیں بتاتے ہیں اور تم اس میں تخریب کرنا چاہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو چلنے نہ دیں گے۔

ایک جگہ بڑے بڑے لوگ جمع تھے اور جن صاحب کے پاس جمع ہوئے تھے وہ بھی بڑے آدمی تھے بعض لوگوں نے اُن سے کہا کہ ہم لوگ بھی آپ ہی کے عقیدے کے ہیں اور جن اکابر کی آپ تعظیم کرتے ہیں ہم بھی تعظیم کرتے ہیں اکابر نے بھی کام کیا تھا ہم بھی کام کر رہے ہیں اس طور پر اپنے کو گویا اکابر کے برابر بتلا رہے تھے اسی سلسلے میں کچھ اختلاف کا بھی ذکر آ گیا۔ اس پر ان صاحب نے جن کے یہاں یہ سب لوگ جمع تھے اور وہ ذی اثر آدمی بھی تھے انہوں نے کہا کہ میں بھی آپ کا احترام کرتا ہوں آپ کی عظمت میرے قلب میں ہے اور یہ بھی کہا کہ بیشک آپ لوگ کام کر رہے ہیں مگر ان کے کام میں اور آپ لوگوں کے کام میں فرق ہے وہ یہ کہ آپ کا کام تخریبی ہے اور ان کا کام تعمیری ہے یہ سن کر سب لوگ ایسے شرمندہ ہوئے جیسے کوئی بارش میں بھیگ جائے۔

تو دیکھا آپ نے ایک کام تخریبی ہوتا ہے یہی حال آج مسلمانوں کا دیکھ رہا ہوں کہ تعمیری کام تو ان سے کچھ ہوتا نہیں بس تخریبی کام خوب آتا ہے اور ہم لوگ ان کو سمجھا بھی نہیں سکتے۔ حاضرین مجلس میں سے ایک صاحب کی جانب اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ صاحب کہتے تھے کہ ہماری طرف ایک عالم آئے لوگوں نے ان کا بڑا استقبال کیا ہاتھی گھوڑا سواری وغیرہ سب لے کر گئے اس پر وہ بہت خوش ہوئے اور اپنے یہاں جا کر ان لوگوں کی دینداری کی بہت تعریف کی کہ بہت دیندار لوگ ہیں علما کو بہت مانتے ہیں اسی لئے سے خوش ہو گئے اور دینداری کی سند دے دی حالانکہ لوگوں نے ہاتھی گھوڑا وغیرہ ان کی ملک نہیں کر دیا تھا بلکہ ایک دن کے لئے ادھر ادھر سے منگا لیا تھا۔ پھر اس کے بعد اسی بستی میں حضرت تھانویؒ تشریف لے گئے لوگوں نے یہ خیال کر کے کہ یہ تو ان سے بھی بڑے عالم ہیں ان سب چیزوں کا اور زیادہ اہتمام کیا۔ حضرت نے جب یہ ساز و سامان دیکھا تو ناراض ہوئے اور ان سب چیزوں پر نکیر فرمائی۔ پھر جب گھر پہونچے اور انواع و اقسام کے کھانے آئے تو صورت حال سمجھ گئے۔ فرمایا کہ میرا داعی کون ہے میں کس کا مہمان ہوں لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت گاؤں بھر کے مہمان ہیں۔ یہ سنکر حضرت خفا ہو گئے اور فرمایا کہ یہ سب کھانے اٹھاؤ یہاں سے، اور میں کس کا مہمان ہوں تم میں سے کوئی شخص بولے اور اپنے یہاں سے دال روٹی لا دے میں خوشی خوشی کھا لوں گا اور تم لوگوں نے جو طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ سب گاؤں والوں سے چندہ لیتے ہو اس میں بہت سی رقمیں یتیموں اور بیوہ عورتوں کی ہونگی اور دیگر مدات کی رقمیں اس میں شامل ہوں گی جن کا استعمال اس میں جائز نہیں۔

اس کے بعد جب وطن تشریف لے گئے تو اس واقعہ کو بیان فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نے وہاں یہ اصلاح کی اور یہ بھی فرماتے تھے کہ لوگ عالموں کو پالکی پر سوار کر کے پیچھے پیچھے دوڑتے

میں آدمی کو فرعون بنا دیں۔ اور فرمایا کہ مجھے تو پالکی کی سواری کے جواز میں ہی کلام ہے۔ آدمی آدمی کے کندھے پر سوار ہوتا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ اونٹ کی سواری ثابت ہے گھوڑے کی سواری ثابت ہے اسی کو حضرت فرماتے تھے کہ یہاں علماء نے خدمت زیادہ لی ہے اور کام کم کیا ہے اور کام کم کیا کرنا آپ نے دیکھا کہ جس چیز پر حضرت نکیر فرماتے تھے اسے دوسرے حضرات دینداری کی سند میں پیش کرتے تھے۔

اب میں یہاں آیا ہوں۔ کچھ کام کرنے کے لئے اور یہ دیکھ رہا ہوں کہ لوگ ادھر دوڑ رہے ہیں یا ادھر دوڑ رہے ہیں تو میں اتنا کچا نہیں کہ بس آپ کے اس اتنے فعل سے خوش ہو جاؤں گا اور سند دے دوں گا۔ یہ بھی کوئی دینداری کا معیار ہے؟ باقی میرے دل میں ایک درد ہے اس کو آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ تعظیم مفرط منع ہے اور یہ حد سے تجاوز ہے اسی میں علماء بگڑ جاتے ہیں۔ آج لوگ اصل دین کو پیش ہی نہیں کرتے اور پیش اس لئے نہیں کرتے کہ آتا نہیں۔ لوگوں کو دوسری چیزوں میں الجھا دیا ہے۔ صحیح دین نہیں پیش کرتے۔

بقیہ یادوں کا خزانہ

ڈاکٹر صاحب کسی کا کام تمام کرانا ہو تو مجھے بلا لیجئے گا میں آپ کے لئے سب کچھ کر سکتا ہوں۔ بس پورا چاقو بکرے اور نیوں .... ڈاکٹر صاحب ــــ وہ مریض برساتی ندی کی طرح بہے جا رہا تھا اور مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں اندھیرے غار میں گرتا جا رہا ہوں۔۔

ڈاکٹر کیدار ناتھ چوپل (آرتھوپیڈک سرجن)

ادرک
(غذا بھی)
(دوا بھی)

ادرک ایک جانی پہچانی مسالے کی چیز ہے سوکھی ادرک سونٹھ کہلاتی ہے۔ یہ مسالہ تو ہے ہی اور زبان کو لذت دینے کے ساتھ ساتھ بہت سے طبی فائدے بھی اس سے حاصل ہوتے ہیں۔ بلغمی امراض (کھانسی۔ دمہ۔ گٹھیا۔ پیٹ کا درد اپھارہ) اور قبض کی شکایت دور کرتی ہے

استعمال کے طریقے:۔ (۱) سردی کے موسم میں ادرک اور گڑ ملا کر کھانے سے جسم کی حرارت بڑھتی ہے۔ اور سردی کا احساس نہیں ہوتا۔

(۲) سردی کی وجہ سے اگر آواز بیٹھ جائے تو ادرک اور نمک کھانے سے کھل جاتی ہے۔ ادرک کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر نمک چھڑک کھانے سے قبض۔ بھوک کی کمی، اور گیس کی شکایت بھی دور ہوتی ہے۔

(۳) اگر وات اور گٹھیا کی وجہ سے جوڑوں اور جسم میں درد ہو تو ادرک کا تیل لگانے سے فائدہ ہوتا ہے (آدھا کیلو ادرک کے رس میں پاؤ کیلو تل کا تیل ڈال کر ہلکی آنچ پر اس وقت تک پکایا جاتا ہے جب تک کہ صرف تیل ہی باقی رہ جائے اس طرح تیل تیار ہونے پر بوتل میں بھر کر رکھ دیں اور وقت ضرورت استعمال کریں۔

چار خصلتیں

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار باتیں اور چار خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تم کو نصیب ہو جائیں تو پھر دنیا (اور اس کی نعمتوں) کے فوت ہو جانے اور ہاتھ نہ آنے میں کوئی مضائقہ اور گھاٹا نہیں۔ ۱۔ امانت کی حفاظت ۲۔ باتوں میں سچائی۔ ۳۔ حسن اخلاق۔ اور کھانے کی پرہیزگاری۔

ڈاکٹر سید زاہد حسینؒ

سرگزشت

قیامِ بغداد

ساتویں اور آخری قسط

حضرت سلمان فارسیؓ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کا شمار عشرۂ مبشرہ میں ہوتا ہے۔ یعنی اُن دس حضرات میں شمار ہوتا ہے جنھیں زندگی ہی میں جنّت کی بشارت دی گئی لیکن آج بہت کم لوگ ان سے پوری طرح واقفیت رکھتے ہیں۔ میری طالب علمی کے زمانے میں ایک ایسا واقعہ رُونما ہوا تھا جو ان کے حالات معلوم کرنے کا محرّک بنا۔ واقعہ یہ ہے کہ انجینیرنگ کالج کا میرا ایک ہم جماعت جو پارسی تھا، ایک شام گھر لوٹتے ہوئے مجھ سے کہنے لگا: "تمہارے پیغمبر محمدؐ تو سلمان فارسی سے تمام علم حاصل کیے تھے۔ اِس طرح تمہارا مذہب ہمارے مذہب کا مرہونِ منّت ہے۔" اس کے اِس انکشاف پر مجھے کچھ زیادہ تعجب نہیں ہوا۔ ہر قوم کے لوگ ایسی کئی باتیں گھڑ لیتے ہیں۔ مَیں نے اس سے پُوچھا: "کیا تمہاری کتابوں میں یہ بات لکھی ہے؟" اُس نے بتایا کہ اُن کی کتاب میں اس کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ: "جب حضرت محمدؐ فارس گئے تو ان کو سلمان فارسیؓ سے علم حاصل کرنے کی بڑی خواہش ہوئی، اس لئے ان کے محل پر بھکاری کی طرح پہنچے (نعوذباللہ من ذالک) لیکن پہلی بار سلمان فارسیؓ نے چلے جانے کو کہا، لیکن بعد میں انھیں علم سکھایا اور علم میں وہ آگے بڑھ گئے"۔ میں نے اس کی باتیں انتہائی ضبط سے سُن کر جواب دیا: "یہ حقیقت ہے کہ ہمارے رسولؐ کو پڑھنا لکھنا نہیں آتا تھا، لیکن یہ بات حقائق سے کوسوں دُور ہے کہ وہ اپنی زندگی میں فارس گئے تھے۔ مَیں صرف اتنا جانتا ہوں کہ سلمان فارسیؓ آنحضرت صلعم

کے قریبی صحابیوں میں سے ہیں ۔ اگر تمہارا دعویٰ صحیح ہے تو پھر یہ کیسے ہوا کہ وہ اسلام قبول کر لیئے ۔ بہتر ہو گا کہ تم کسی مستند تاریخ کی کتاب سے اپنی نالج (Knowledge) درست کرلو۔"
مجھے یاد ہے وہ بہت خفا ہوا تھا ۔ کیونکہ میں نے اس کی مذہبی کتاب پر غلط بیانی کا فتویٰ دے دیا تھا ۔

حضرت سلمان فارسیؓ کی کنیت ابوعبداللہ تھی ۔ آپؓ فارسی الاصل تھے اور " رامہرمز" کے رہنے والے تھے بعض نے کہا ہے کہ آپ مضافات اصفہان کے ایک گاؤں "جی" کے باشندے تھے ۔ آپ کا آبائی مذہب آتش پرستی تھا ۔ لڑکپن کے زمانے سے ہی اپنے مذہب میں گہری دلچسپی لینے لگے لیکن جس قدر وہ اپنے مذہب سے نزدیک ہوئے ان کی روح اسی قدر پیاسی ہو گئی ۔ آخرکار انھیں مکمل یقین ہو گیا کہ ان کا آبائی مذہب ان کو حقیقی خدا کی طرف راغب نہیں کرسکتا ۔ چنانچہ انھوں نے عیسائیت قبول کر کے گھر بار چھوڑ دیا ۔ اپنے نئے مذہب میں انہوں نے ایک عرصہ تک ریاضتیں اور مشقتیں کیں ۔ اور آخرکار انہوں نے بڑے پادری کے قریب ترین رفقاء میں اپنا مقام بنالیا ۔ جب اس پادری کا وقتِ آخر آیا تو وہ گرجا کے تہہ خانوں میں بند خزانوں کی کنجیاں اُن کے حوالے کر کے انھیں اپنا قائم مقام بنادیا ۔ لیکن پادری کا یہی عمل اُن کے ایمان کو متزلزل کر دیا ۔ چنانچہ انھوں نے جب دیکھا کہ مذہب کا پیشوا دین کے نام پر لوگوں سے دولت جمع کرتا رہا ہے تو انھیں یقین ہو گیا کہ ایسا دین مکمل نہیں ہوسکتا ۔ آپ نے تمام خزانے عوام کے حوالے کر دیئے اور وہاں سے بھی نکل پڑے ۔ کئی برسوں تک شہروں اور بیابانوں کی خاک چھانی ۔ آخر ایک راہب نے انھیں صلاح دی کہ آپ سرزمینِ عرب کی طرف جائیں ' اب وہ وقت قریب آچکا ہے کہ ایک نبی کو مبعوث ہونا چاہیئے جس کی بشارت آسمانی کتابوں میں دی گئی ہے ۔ انھوں نے اپنے سفر کی منزل سرزمینِ حجاز کو بنائی اور ان کے نئے سفر کا آغاز ہو گیا ۔
اکثر مقامات پر مہینوں بلکہ برسوں قیام کرتے اور محنت مزدوری سے جو رقم کماتے اُسی پر اپنا گزارا کرتے تھے ۔ ان کے اس سفر کے دوران ایک عرب قبیلے نے انھیں گرفتار کرلیا اور ایک غلام کی حیثیت سے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا ۔ اور آپ نے یہودیوں سے مکاتبت کر لی ۔ رسول اکرم صلعم نے اس مکاتبت کے ادا کرنے میں آپ کی مدد فرمائی اور آپ رسول اکرمؐ کے پاس آگئے ۔ کہا جاتا ہے کہ دس سے زیادہ آقاؤں کی غلامی کے بعد مدینہ منورہ آئے اور اسلام قبول کیا ۔ حضورؐ نے فرمایا سلمانؓ ہمارے اہلِ بیت میں سے ہیں اور فرمایا جنت ان کی مشتاق ہے ۔ اس بارے میں بخاری و مسلم کی ایک حدیث قابلِ ذکر ہے ۔
حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلعم کی خدمت میں حاضر تھے کہ سورۂ جمعہ نازل ہوئی ۔ اس کی آخری سورۃ پر جس کے معنی ہیں ' اس جماعت میں سے جس کی طرف خدا نے اپنے پیغمبر کو بھیجا ہے کچھ لوگ ہیں جو ابھی اصحاب کی جماعت سے آکر نہیں ملے ہیں ۔ اصحاب نے پوچھا ' یا رسول اللہؐ وہ کون لوگ ہیں ۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں ' اس وقت ہم لوگوں میں سلمان فارسیؓ بھی موجود تھے ۔ رسول اللہ صلعم نے اپنا ہاتھ سلمان فارسیؓ پر رکھ کر فرمایا ، اگر ایمان ثریا پر بھی ہوتا تو آج لوگوں میں سے (یعنی غیر عرب میں سے) کچھ لوگ پا لیتے ۔

حضرت سلمان فارسیؓ کی عمر کے بارے میں کئی روایات ہیں بعض کہتے ہیں کہ ان کی عمر دو سو پچاس برس تھی اور بعض کا قول ہے کہ تین سو پچاس برس ۔ مگر پہلی روایت زیادہ درست ہے

سلمان فارسیؓ بجز اپنی کمائی کے اور کچھ نہیں کھاتے تھے۔ کوئی ان کو کچھ دیتا تو وہ دوسروں کو دے دیتے۔ آپ نے ۳۵ھ میں مدائن میں انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہیں۔ اسی مقام کو آج سلمان پاک کہتے ہیں۔

قبل اس کے کہ سلمان پاک کی زیارت کا حال بیان کروں حضرت حذیفۃ الیمانیؓ کے مختصر حالات کا تذکرہ ضروری ہوگا۔ آپ کا نام نامی حسیل تھا۔ یمان لقب تھا اور کنیت عبداللہ عیلیٰ۔ آپ رسول اکرمؐ کے رازداروں میں سے تھے۔ بخاری شریف کی ایک طویل روایت ہے جو حضرت علقمہؓ سے منقول ہے۔ حضرت علقمہؓ کہتے ہیں، میں ملک شام میں آیا اور دو رکعت نماز پڑھ کر میں نے دعا کی کہ "اے اللہ مجھ کو کوئی نیک بخت ہم نشیں عطا فرما" پھر میں ایک جماعت میں پہنچا اور اُس کے پاس بیٹھ گیا۔ اچانک ایک بزرگ آئے اور میرے پہلو میں بیٹھ گئے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا ابوداؤدؓ ہیں۔ میں نے ان سے کہا، میں نے خدا سے دعا کی تھی کہ مجھے ایک صالح ہم نشیں عطا فرمائے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو میرے پاس بھیجدیا۔ ابوداؤدؓ نے مجھ سے پوچھا: تم کون ہو؟ اور میں نے کہا، میں کوفہ کا رہنے والا ہوں۔ ابوداؤدؓ نے کہا کیا تمہارے ہاں اُمِ عبد (عبداللہ بن مسعود) نہیں ہیں جو رسولؐ کی جوتیاں، تکیہ اور چھاگل اپنے پاس رکھتے تھے، اور کہا تمہارے پاس وہ شخص نہیں ہے جس کو خدا نے نبی اکرم صلعم کی زبان کے ذریعہ شیطان سے پناہ دلادی ہے۔ یعنی عمارؓ۔ اور کیا تم میں وہ شخص نہیں ہے جو رسول اللہ صلعم کے اسرار کا جاننے والا ہے اور اُس کے سوا کوئی دوسرا واقف نہیں ہے، یعنی حذیفہؓ۔ آپ کئی ایک حدیثوں کے مروی ہیں۔ حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابودرداءؓ اور تابعین کی ایک جماعت آپ سے روایت کرتی ہے۔ آپ نے ۳۵ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی مزار شریف مدائن میں حرم حضرت سلمان فارسیؓ کے پہلو میں بنے ایک چھوٹے سے مقبرے میں ہے۔

صحابیوں کی زندگی کے مختصر حالات سے واقف ہونے کے بعد، آیئے اب زیارت کو چلیں۔

باب الشرقی سے سلمان پاک کے لئے جو بسیں چلتی ہیں ان کا گزر سعدوں اسٹریٹ پر سے ہوتا تھا۔ ہمارے لئے وہاں جانا کوئی مشکل اور پیچیدہ معاملہ نہ تھا لیکن پہل نہ ہو سکی اور زیارتوں کو جانے کا موقع اس وقت آیا جب دوبارہ گرمیوں کا آغاز ہوا۔ دوپہر میں کافی گرمی پڑنے لگی تھی اور بس کا سفر تکلیف دہ ہو چکا تھا۔ لیکن اس کے باوجود جب پہل ہو چکی تو دوبار اور مواقع پیدا ہوگئے۔ مجھے وہاں جانے پر ہمیشہ ہی دلی سکون اور اطمینان نصیب ہوا۔

پہلی بار جب ہم اس مقصد سے نکلے تو میرے ایک دوست مع اپنی فیملی کے ہمارے ساتھ تھے۔ چونکہ سلمان پاک کی بسیں آدھے گھنٹے کے وقفے سے چلتی تھیں، ارادہ ہوا کہ ٹیکسی کرلی جائے۔ لیکن ٹیکسی ڈرائیور نے بتایا کہ دو ٹیکسیاں لینی ہوں گی اور ہر ٹیکسی ایک دینار لے گی۔ لہٰذا ہم نے ٹیکسی کا خیال دل سے نکال دیا۔ سفر کر چکے تو ہمیں یہ اندازہ ہوا کہ اُس ٹیکسی ڈرائیور کا مطالبہ غیرواجبی نہ تھا۔ لیکن کیا کیا جائے دودھ کا جلا چھاچ بھی پھونک کر پیتا ہے۔

دراصل یہ مقام بس سے کوئی پونے دو گھنٹے کی مسافت پر ہے۔ اس منزل کے لئے چار منطقوں کا ٹکٹ لینا پڑتا ہے اس راہ پر چلنے والی بسیں کچھ پرانی ہوتی تھیں، چنانچہ ان کی تعداد

قدرے سُست ہوا کرتی تھی)۔ اگر کسی کو بغداد سے دُور گئے بغیر گاؤں اور قصبے دیکھنا ہو تو سلمان پاک سے بہتر کوئی اور منزل نہیں ہوسکتی۔

بغداد میں کرسچین مشنریز نے ایک یونیورسٹی قائم کی تھی جسے الحکمہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ہمارے بغداد کے قیام کے دَوران اس یونیورسٹی کو قومی تحویل میں لے لیا گیا تھا۔ یہ یونیورسٹی شہر کے مضافات میں اسی راستہ پر ہے۔ جس زمانے میں اس راستے سے ہمارا گزر ہوا وہ یونیورسٹی بند تھی اور اس کے بیشتر اساتذہ جو امریکی تھی شہر چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ شہر کے حدود سے نکلتے ہی فوجی چھاؤنی کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ سڑک کے دونوں جانب فوجی بیرکس کا سلسلہ دُور تک چلا گیا ہے۔ چھاؤنی ختم ہوتے ہی ہرے بھرے کھیت لہلہاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بغداد کے ان کھیتوں میں اب عام طور پر ٹریکٹر استعمال ہوتے ہیں۔ البتہ کہیں کہیں اونٹ ہل جوتتے تھے بھی دکھائی دیتے ہیں۔

سلمان پاک کا علاقہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے اور زیادہ تر آبادی حرمین کے اطراف ہے۔ اسی راستے پر حرمین کے بازار سے کوئی پانچ سو میٹر کی دُوری پر ایک پُرانے قلعہ کے مُنہدم شدہ کھنڈرات ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ آثارِ قدیمہ بابل کی تہذیب کی آخری نشانی ہے جو اب تک زمین دوز نہیں ہوئی۔ واللہ عالم۔ چونکہ کھنڈرات کی اُونچی دیواروں میں شگاف پڑ چکے ہیں اور گرنے کے قریب ہیں، ان کو لوہے کا جنگلا لگا کر سہارا دیا گیا ہے۔ یہ مقام بس کا ٹرمینس ہے۔ جہاں سے بس پھر شہر کے لئے لَوٹتی ہے۔

جیسے کہ اُوپر بیان کر چکا ہوں، جس زمانے میں ہم زیارت کو گئے بہت شدید گرمی تھی۔ لیکن جب ہم وضو کر کے مرقدِ مبارک کی گنبد نما عمارت میں داخل ہوئے تو ہمیں بڑی راحت ملی۔ حرم شریف بہت ہی مختصر، سادہ اور تمام تکلفات سے عاری ہے۔ عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ لہٰذا ہم نے پہلے نماز ادا کی اور پھر سلام و تلاوتِ قرآن مجید کے بعد ہم پہلو میں بنے دوسرے مقبرے میں گئے۔ یہاں حضرت حذیفۃ الیمانی رض کی مُتبرک لحد ہے۔ یہاں اور دو مرقد ہیں لیکن ان کے بارے میں تمام باتیں خاص کر نام وغیرہ ذہن میں محفُوظ نہیں رہے۔ یہاں کے تمام مرقدوں پر صرف تعویذیں بنی ہوئی ہیں، جن پر سبز ریشمی کپڑا پڑا ہوا تھا، جہاں اور حرم اس قدر پُرشکوہ ہیں وہاں ان جلیل القدر صحابیوں کی طرف سے بے التفاتی یہی ظاہر کرتی ہے کہ ان سے بہت کم لوگ واقفیت رکھتے ہیں۔ گو میں اس امر کا قائل نہیں کہ حرموں کی ظاہری شان و شوکت سے اُن کی مرتبت کا اندازہ لگایا جائے، پھر بھی تمام حرمیں جہاں شاندار ہیں، وہیں ان مقابر کی طرف بھی توجہ دی جاتی تو بہتر تھا۔ (یہ ایک میری ذاتی خواہش اور خیال ہے جو ان مرقدوں کو دیکھنے کے بعد ذہن پر اُبھرا۔) مجھے بہرحال ان کی ظاہری حالت کے باوجود ایک گونا سکون اور دِلی راحت نصیب ہوئی اور مجھے زمین کا وہ ٹکڑا جنّت نشان محسوس ہوا۔

زیارتوں کے بعد ہم پیدل اس جگہ پہنچے جہاں سے بس پلٹتی ہے۔ یہ سڑک کچی تھی اور اس کی داہنی جانب میدان تھا جہاں فٹ بال میچ چل رہا تھا۔ ایسا معلوم پڑتا تھا کہ میچ فوج کی دو ٹکڑیوں میں تھا۔ سڑک کے کنارے اور میدان کے کئی کناروں پر ہجوم میچ دیکھنے میں ہمہ تن مصروف تھا۔ بابل کے کھنڈرات کے اطراف ایک عریض

حاطے میں ہرا بھرا باغیچہ لگایا گیا ہے۔ اِس احاطے کے ندر جانے کے لئے ۲۵ فِلس کا ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔ چونکہ مغرب سے قبل ہمیں گھر لَوٹنا تھا اِس لئے ہم لبن مِلتے ہی وہاں سے روانہ ہو گئے۔

واپسی پر جب ہم فوجی علاقے میں داخل ہوئے تو پہلی چوکی پر بس کو روک دیا گیا۔ ایک جوان بس میں داخل ہوا اور مسافروں کے شناختی کارڈ دیکھنے لگا۔ ہمارے لئے یہ چند گھڑیاں بڑی پریشان کُن تھیں کیونکہ ہم اپنے پاسپورٹ اور اقامے کے کتابچے ساتھ نہیں رکھے تھے۔ اس کی ضرورت کا احساس ہمیں بالکل ہی نہیں ہوا تھا۔ خیر جب وہ جوان، ہماری طرف متوجہ ہوکر بول اُٹھا: "دفتر"؟ تو بجائے بوکھلاہٹ کا اظہار کرنے کے خود بخود ہم سے اِس امر کا اظہار ہوگیا کہ ہم اس کی بات ہی نہیں سمجھ پائے۔ اصل میں وہ جوازِ سفر یعنی پاسپورٹ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ ہمارے دوست نے اِس کے جواب میں اپنا تعارف یُوں کرایا: "مدرس! مُدرّس فی الکُلیتہ العُلوم" اور میں نے بھی اپنی طرف سے کہدیا "وانا مدرس فی الکُلیتہ الہندستہ"۔ مگر اس کو اس سے کوئی غرض نہ تھی یا پھر اگر ہم مُدرس ہیں تو اپنا دفتر کیوں نہیں تبلاتے۔ چنانچہ وہ ایک لمحہ "دفتر دفتر" کی رَٹ لگایا اور پھر کچھ بڑبڑانے لگا۔ لیکن پیچھے سے کسی رحم دِل انسان نے اس سے کچھ کہا اور پھر وہ دوسروں کی طرف متوجہ ہوگیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ایک بڑی مُصیبت ٹل گئی۔ اس دِن ہماری بیویاں اور ہمارے بچّے واقعی ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوئے۔

اور سورۃ الفرقان کی اس آیت کے مصداق:

"رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ عینٍ"...

دُعا بن گئی۔ بالفاظ دیگر یہ لوگ ہمارے پاسپورٹ ثابت ہوئے۔ ورنہ ہمیں بس سے اُتار کر ہم سے پُوچھ گچھ کرنا اِن حالات میں معمولی بات تھی۔ لیکن یہی بات ہمارے لئے شاید بڑی رُوح فرسا حقیقت بن جاتی۔ بہرحال اس دِن مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے سرِ شام بغیر لائٹ کے سائیکل سواری کرنے کے جُرم میں پکڑا گیا ہوں۔ (حیدرآباد میں بغیر لائٹ کے سائیکل سواری جُرم ہے) اِس احساس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی لائٹ یعنی "اقامہ کا دفتر" ہمیشہ ساتھ رکھنے لگا۔ ہر زائر کو یہ احتیاط ہمیشہ برتنی چاہیئے کہ وہ خود کو حوالات کی تاریکی سے محفوظ رکھ سکے۔ ▲

قیصر بیگم نیازی

کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں

وہ جانِ حیات کون و مکاں وہ روحِ نجاتِ انسانی
وہ جس کی بلندی کے آگے افلاک ہوئے پانی پانی
وہ فقر کے پیکر جس کے قدم چھوتا ہے شکوہِ سلطانی
ان سے ہی مجھے نسبت ہے مگر کب ان کی حقیقت پہچانی
احساسِ گناہ کی پلکوں سے آنسو بنکر گر جاتی ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں لیکن کہتے شرماتی ہوں

خونی اندھیاروں کی آندھی ہر نور نگلتی جاتی ہے
انسان کی یہ فردوسِ زمیں دوزخ میں ڈھلتی جاتی ہے
اُمت اس کے شعلوں میں ہر گام پہ جلتی جاتی ہے
انساں پہ فرشتے روتے ہیں شیطان کی چلتی جاتی ہے
اسلام کی چیخیں سنتی ہوں خاموش گزر لی جاتی ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں لیکن کہتے شرماتی ہوں

اسلام کی یہ تاریخ الم طوفان اٹھے بھونچال آئے
وہ جن کی نظر تھی عرش رسا گرتے گرتے پاتال آئے
روحوں کی بصیرت سلب ہوئی دل کے شیشوں میں بال آئے
پیغامِ عمل دہراتے ہوئے تیرہ سو پریشاں سال آئے
محصورِ جہادِ ہستی میں قربانی سے گھبراتی ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں لیکن کہتے شرماتی ہوں

آباد ہوئیں عشرت گاہیں ویران مساجد روتی ہیں
طاری ہے فضا پر موسیقی پامال اذانیں ہوتی ہیں
بربادِ خزاں ہے حال اپنا ماضی کی بہاریں سوتی ہیں
پھولوں کی جگہ خار و خس ہیں شبنم کے شکستہ موتی ہیں
یہ وقتِ عمل کردار ہے شل دستِ دعا پھیلاتی ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں لیکن کہتے شرماتی ہوں

طائف میں مقدس خوں ٹپکا مکہ میں کہیں پتھر کھائے
بس ایک تڑپ تھی کیسی تڑپ انسان ہدایت پا جائے
ہر غم کو لگا کر سینے سے درماں کے طریقے سکھلائے
کیا قہر ہے یہ انسان! اسی محسن کو بھلا کر کھو جائے
خود کتنے گناہوں کے ہاتھوں دینی بنیاد ڈھاتی ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں لیکن کہتے شرماتی ہوں

باطل کی بھیانک سازش ہے شیطان کی ظالم گھاتوں میں
اسلام ہوا ٹکڑے ٹکڑے فرقوں میں ذاتوں میں
میں میٹھی نیندیں سوتی ہوں اس موت کی کالی راتوں میں
خود اپنے لہو کا پیمانہ رقصاں ہوں اٹھائے ہاتھوں میں
زہریلا خوں روح و دل کی شریانوں میں دوڑاتی ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں لیکن کہتے شرماتی ہوں

یہ برف کی خاموشی میں مگر اک سوز بھری آواز ہے کیا
مضرابِ عجم نے چھیڑ دیا پھر دینِ عرب کا ساز ہے کیا
باطل کے مقابل ابھرے ہیں پھر چند مسلماں راز ہے کیا
کیا ختم ہوئی طاغوتی شب صبحِ نو کا آغاز ہے کیا
سنتی ہوں کہیں سے بانگ جرس اٹھتے ہیں قدم رک جاتی ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں لیکن کہتے شرماتی ہوں

نوٹ:- شاعر کا نام معلوم نہیں لیکن کلام ہمارے حسب حال ہے اس میں تھوڑا سا تصرف کر کے مذکر کے صیغے کو مونث کر دیا گیا ہے۔

مشتاق صدیق مومن

ٹیپو سلطان کی نواسی

نورالنساء

۴ر مئی ۱۷۹۹ء کو مجاہد ملت ٹیپو سلطان کو شہید کر دیا گیا اور سرنگا پٹم کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی ــــــ ٹیپو سلطان شہید ہو گیا، لیکن جذبۂ حُبّ الوطنی، جانبازی اور سرفروشی کا جذبہ اپنے بعد آنے والی نسل کو وَدیعت کر گیا ــــ یہ جذبہ اس کے رشتہ داروں کی رگوں میں خُون بن کر گردش کرتا رہا۔ اور ۱۴۵ سال کے بعد خُون کا یہ بے چین قطرہ پھر تڑپا اور تاریخ کے صفحات پر بکھر گیا۔

۱۲ر ستمبر ۱۹۴۴ء کی ایک بوجھل اور اُداس شام کو ایک عورت نازیوں کے رُسوائے زمانہ کیمپ "ڈشاؤ" میں لائی گئی۔ اسے سزائے موت کا حکم سُنایا گیا، صرف اس لئے کہ اس نے حق وصداقت کی آواز بلند کی تھی ــــ آزادی کا مطالبہ کیا تھا۔ نازی اسے میڈیلین کے نام سے جانتے تھے۔ اگر وہ یہ کہہ دیتی کہ میرا اصلی نام نُورالنسأ ہے اور میرے والدین ہندوستانی ہیں تو شاید وہ موت کے مُنہ سے بچ جاتی۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ اس کی رگوں میں ٹیپو سلطان کا خون گردش کر رہا تھا۔ اُس نے ہنستے ہوئے موت کو گلے لگایا اور پھر یُوں ہوا کہ اسی شام اُسے گولی ماردی گئی ــــ اس کا بے جان جسم زمین پر گر گیا تھا ــــ بدن پر خون کی سُرخی چمک رہی تھی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ہَوا مہربان ماں کی طرح اس کی پیشانی کو چُوم رہی تھی ــــ اس کے لبوں پر مرنے کے بعد بھی مسکراہٹ تھی، جوان ــــ مقدّس ــــ پاکیزہ ــــ پہاڑوں کی بلندیوں پر گرتی ہوئی برف کی طرح!

اس کی موت کے پانچ سال بعد حکومت نے اِس کی بہادری کے صلے میں اسے خطابات عطا کیے۔ ۱۶ر جنوری ۱۹۴۶ء کو عارضی فرانسیسی حکومت کے صدر جنرل ڈیگال نے بھی بہادری کے تمغے اور خطابات عطا کیے اور تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایک

ہندوستانی لڑکی نے ہٹلر کے خلاف جواں مردی اور جاں بازی سے لڑتے ہوئے اپنی جان قربان کر دی لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم تھا کہ یہ سُلطان ٹیپو کی نواسی ہے اور اس کا تعلق سرزمینِ ہند کے ایک ایسے خاندان سے ہے، جس کے خون کی سُرخی آج بھی آزادی کی چمک میں اضافہ کر رہی ہے۔ نُور النساء کی پوری زندگی اسی جدوجہد اور عمل میں بکھری ہوئی ہے۔ اس کی زندگی کے حالات جاننے کے لئے ہمیں ماضی کی ڈھلانوں میں اُترنا ہوگا۔

سلطان ٹیپو کا ایک فرزند جو انگریزوں کے ظالم ہاتھوں سے بچ رہا تھا، ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگِ آزادی میں شہید ہوگیا۔ اس نے ایک بیٹی چھوڑی جسے سُلطان ٹیپو کے دو وفادار اور سچے سپاہی سُلطان خان شریف اور پیر خان شریف نے پناہ دی۔ دونوں اسے میسُور لے گئے جہاں موسیقی کے مانے ہوئے استاد مولا بخش سے اس کی شادی ہوگئی۔ اسی مولا بخش کی صاحبزادی خدیجہ بی بی کا بیاہ رحمت خان سے ہوا ــــ !!!

خدیجہ بی بی کے تین بیٹے تھے جن میں سب سے بڑے کا نام عنایت خان تھا جو بعد میں ایک موسیقار اور صوفی کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ تصوّف کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں عنایت خان نے اپنے پیرو مرشد سید ابو ہاشم کی ایما پر مشرق سے مغرب کا سفر کیا۔ مغرب میں ان کی ملاقات مس اورا رے بیکر سے ہوئی اور بالآخر فرانس میں ان کی شادی ہوگئی ــــ شادی کے بعد ان کی بیگم نے پردہ اختیار کر لیا!

یکم جنوری ۱۹۱۴ء کو ماسکو کے کریملین محل میں نور النساء کی پیدائش ہوئی اور اس پہلی لڑکی کا نام مبارک رکھا گیا پیرزادی نور النساء عنایت خان ــــ اس کی پیدائش کے چند ماہ بعد ہی پہلی جنگِ عظیم کی تباہ کاریاں شروع ہوگئیں۔ انسانی لہو پانی کی طرح بہنے لگا۔

نورؔ نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو تصوّف کے ماحول میں پایا۔ اور صوفی باپ کی بیٹی بھی تصوّف کے ماحول میں رنگ گئی۔ اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ اس نے گھر پر دُنیا کے تقریباً تمام مذاہب کا مطالعہ کیا۔

۵ رفروری ۱۹۲۴ء کو عنایت خان کا انتقال ہوگیا۔ ان کی بیوی نے شوہر کے غم میں اپنے آپ کو محدود کر لیا۔ گھر کی تمام تر ذمہ داری اور بہن خیر النساء اور بھائی ولایت خان اور ہدایت خان کی پرورش و پرداخت نور النساء کے حصّے میں آئی۔

گھر کی ذمہ داریوں کو سنبھالتے ہوئے نور النساء نے اپنی تعلیم جاری رکھی، اُردو زبان کا علم، موسیقی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اُس نے بچّوں کی نفسیات کا بھی مطالعہ کیا اور بچّوں کے لئے ایک اخبار جاری کیا۔ پہلے شمارے کے بعد ہی دوسری جنگِ عظیم شروع ہوگئی۔

جنگ کے سائے پھیلتے گئے اور اس کی لپیٹ میں نور النساء کا وطن فرانس بھی آگیا۔ جرمن فوجوں نے فرانس کو اپنا نشانہ بنالیا۔ فرانس جو نُور کے خوابوں کی سرزمین تھی، جس کی مٹی میں نورؔ نے بچپن گزارا تھا، جہاں بہت ساری یادیں زندہ دفن تھیں، اُسے اپنی رہائش گاہ 'فضل منزل' یاد آئی۔ جس منزل میں دُنیا کے سارے مذاہب کے نام پر شمعیں روشن کی جاتی تھیں، جہاں سارے مذاہب کے مُشترکہ ورثے پر تقریریں ہوتی تھیں۔ اس کے والد جھُوم جھُوم کر وینا پر ہندوستانی راگ بجاتے تھے۔ اسی منزل میں تو اس کے والد نے عالمگیر برادری اور اُخوّت کا لوگوں کو سبق دیا تھا۔

اور پھر نُور النساء کو ایسا محسوس ہوا جیسے جرمن فوجیں

اس کا دل، اس کی مُسکراہٹ اور اس کی زندگی چھین رہے ہیں۔ تبھی جرمن فوجوں کے خلاف اس کے دل میں نفرت کا لاوا کھولتا رہا۔ جس دن فرانس کے عُمر رسیدہ مارشل پیتاں نے فرانس کو ہٹلر کے لئے وقف کرنے کا فیصلہ کیا، نورالنساءؔ نے فرانس سے انگلستان کی طرف کوچ کیا۔ مگر نفرت کا جو لاوا فرانس میں اُبلا تھا، انگلستان میں جانے کے بعد بھی اس کی تیزی و تُندی میں کمی نہیں ہوئی، اُس کی زندگی کا ایک ہی فیصلہ تھا۔

" فسطائیت کے خلاف جدوجہد میں کس طرح حصّہ لیا جائے؟" تقدیر نے ساتھ دیا اور نورالنسا کو ہوائی بیڑے میں ملازمت مل گئی۔ ایک عہدہ کی ترقی کے لئے اس سے سوال کیا گیا:

" ہندوستانی قومی تحریک کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے"؟ نورالنساءؔ نے اطمینان وسکون کے ساتھ کھنکتے ہوئے لہجہ میں جواب دیا:

" میں ہندوستان کے اُن تمام رہنماؤں کی تائید کرنا اپنا قومی فرض سمجھتی ہوں جو اپنے وطن کے لئے تن من دھن سے آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں" اس سے پوچھا گیا: "تو اِس کا مطلب یہ ہوا کہ تم برطانیہ کی وفادار نہیں ہو"؟ نورالنساء نے جواب دیا: " میں ہمیشہ حق وصداقت کے لئے آواز بلند کروں گی، اِسی لئے مَیں جرمنی کے خلاف لڑنے کا عہد کر چکی ہوں ـــ فسطائیت کی شکستِ فاش کے بعد بھی اگر ہندوستان آزاد نہیں ہوا تو میں انگریزوں کے خلاف لڑوں گی"۔

اور نورالنسا کے اِس جملے نے اس کی راہوں میں کانٹے بھی بچھائے اور پھول بھی۔ اس کی ترقی کے دروازے بند ہوگئے۔ اسے مُشتبہ سمجھا جانے لگا۔ مگر دُور اندیش نظروں نے جان لیا کہ اِس عورت کا کردار فولاد کی طرح مضبوط ہے واقعی اس کے سینے میں عورت کا دل ہے، موم کی طرح نرم، پتھر کی طرح سخت، اس کے دل میں آزادی اور جنگ کی جوت جل رہی ہے۔ اور انھیں ایسی ہی عورت کی ضرورت تھی اور اسی لئے نورالنسا کو تھوڑے ہی عرصے کے بعد مقبوضہ فرانس میں خفیہ تحریک میں شامل ہوکر ہٹلر کی فوج اور گسٹاپو کے خلاف جنگ کرنے کے لئے منتخب کرلیا گیا۔

اسے ریڈیو آپریٹر کی تعلیم دی گئی تاکہ وہ فرانس پہنچکر وہاں کے حالات کے متعلق پیغامات بھیج سکے اور اسی لئے اس کا نام بدل دیا گیا، اس طرح نورالنساءؔ نُور سے میڈیلین بن گئی۔

آزادی اور حق وصداقت سے ظُلم کے خلاف برسرِ پیکار ہونے کا جو لاوا دلوں کی وادیوں میں کھول رہا تھا، وہ موقع پاکر پھٹ پڑا۔ ۱۶ر جون ۱۹۴۳ء کو ایک اندھیری رات میں اُسے پیراشوٹ کے ذریعے پیرس کے نزدیک اُتار دیا گیا، مگر پیرس کی سرزمین پر پہنچنے کے بعد نورالنساءؔ کو اندازہ ہوا کہ یہ کام اُس کی توقع سے زیادہ مشکل اور خطرناک ہے۔ شومئ قسمت سے جن لوگوں سے نُور کا رابطہ قائم ہوا اُن لوگوں کے ٹرانسمیٹر "گسٹاپو" کے ہاتھ پکڑے گئے۔ دوسری سب سے بڑی دشواری یہ ہوئی کہ گسٹاپو کے اراکین اپنی موٹروں میں آلے لگا کر گھومتے تھے جن سے اُنھیں معلوم ہوجاتا تھا کہ کس علاقے سے پیغام نشر کیا جا رہا ہے اور پھر نتیجہ معلوم؟

نورالنساءؔ کے پیرس پہنچنے کے کچھ ہی دنوں بعد برطانوی حکومت کے بھیجے ہوئے تمام لوگوں کا گروہ گرفتار ہوگیا اور نورالنساءؔ بالکل تنہا اپنے ہی وطن میں اجنبی بن کر رہ گئی۔ برطانوی حکومت کی طرف سے بھی اسے پیغام ملا کہ تمہارا

اب پیرس میں رہنا خطرناک اور بے کار ہے تم واپس لوٹ آؤ، تمہیں ایک خصوصی جہاز لینے کے لئے آجائے گا مگر نورالنسأ نے واپس جانے سے صاف طور سے انکار کر دیا۔ کیونکہ اُسے اپنے کام کی دُھن تھی، اپنے عظیم مقصد کو پُورا کرنا تھا۔

اور اس کی تکمیل کے لئے وہ اپنے سر سے کفن باندھ کر "فضل منزل" کے علاقے میں داخل ہوئی۔ فضل منزل، جہاں اُس نے اپنی زندگی کے بہترین سال گزارے تھے، جہاں اُس کے بچپن نے جوانی کا استقبال کیا تھا، وہ اپنے تمام پُرانے دوستوں اور بزرگوں کے گھر گئی۔ لوگوں نے اس کی راہوں میں آنکھیں بچھائیں، اس کا پُورا پورا ساتھ دیا اور تب نورالنسأ نے ان کے گھروں میں سے پیغامات بھجوانے شروع کر دیئے۔ وہ اپنے کام کے لئے ہر روز کسی نئے گھر کا انتخاب کرتی اور پھر پیرس کی خفیہ تحریک دوبارہ زندہ ہوگئی۔ اس کے پیغامات کی وجہ سے نازی فوجوں کو بہت نقصانات اُٹھانا پڑے۔ اب گسٹاپو کے لوگ ایک ایسی عورت کی تلاش میں جُٹ گئے جو فرانس سے خبریں باہر بھجواتی تھی۔ سپاہیوں اور جاسوسوں کی ایک بڑی تعداد شکاری کتوں کی طرح نورالنسأ کے پیچھے لگ گئی۔ مگر نورالنسأ خطرات سے بے پرواہ اپنے مشن میں مصروف رہی۔ آخر کار ایک عورت کی غدّاری کی وجہ سے اسے گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتاری کے بعد اس پر ظلم و ستم اور اذیتوں کی حد کر دی گئی۔ صرف اس لئے کہ وہ اپنے ساتھیوں کا پتہ بتا دے لیکن نورالنسأ کو اپنا مقصد عزیز تھا، اپنی عزّت عزیز تھی، سرفروشی کا جذبہ عزیز تھا، اس کے مُنہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا!

جس منزل پر اسے قید کیا گیا تھا، اس پر خفیہ تحریک کے دو ممبر اور مقید تھے۔ نورالنسأ نے ان سے رابطہ قائم کیا اور خفیہ خط و کتابت کے ذریعے فرار کا منصوبہ بنایا گیا۔ شب و روز کی محنت سے سلاخیں کاٹی گئیں۔ فرار کا وقت مقرر ہوا، کمبلوں کو کاٹ کر رسّیاں بنائی گئیں۔ تیسری منزل سے یہ لوگ پانچویں منزل کی چھت پر پہنچ گئے۔ چاروں طرف ہوا آزادی کا نغمہ گا رہی تھی۔ درختوں کے پتے تالیاں بجا کر ان کا استقبال کر رہے تھے۔ آزادی ان کے قدموں میں تھی۔ بس انھیں صرف اس پانچویں منزل کی چھت پر سے بازو کی بلڈنگ کی چھت پر پہنچنے کے بعد نیچے اُترنا تھا کہ اچانک ہوائی حملہ کا سائرن گُونج اُٹھا اور سرچ لائٹ کی تیز روشنی فضا میں لہرانے لگی۔ تینوں دُبک کر بیٹھ گئے۔ مگر اب ایک لمحہ کی دیر بھی موت کا پیغام بن سکتی تھی۔ اس لئے کہ بمباری کے بعد جیل میں لازمی طور پر سپاہی قیدیوں کو دیکھنے آتے کہ کہیں کوئی ہنگامہ نہ کر دے۔ اس خیال کے آتے ہی تینوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سائرن اپنی مکروہ آواز میں لگاتار چیخے جا رہا تھا۔ سرچ لائٹ بدستور گردش کر رہی تھی اور ایسے ماحول میں یہ لوگ دوسری بلڈنگ کی چھت پر آخر کار پہنچ ہی گئے۔ اور پھر اُن جانے گھر کی سیڑھیوں سے اُترتے ہوئے یہ لوگ گراؤنڈ فلور پر آ گئے اور جیسے ہی آزادی کا پہلا قدم زمین پر پڑا اُنہوں نے دیکھا کہ، سینکڑوں سپاہی ان کی طرف بندوق تانے کھڑے ہیں۔ چونکہ نورالنسأ نے اس سے پہلے بھی فرار ہونے کی کوشش کی تھی اس لئے اس کی ذات سے "ایک انتہائی خطرناک دشمن" کا تمغہ ٹانک کر اسے بیڑیوں سے جکڑ دیا گیا۔ چوبیس گھنٹے وہ بیڑیاں پہنے رہتی، حتیٰ کہ کھانے کے وقت بھی بیڑیوں کو الگ نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن اتنی سختیوں کے بعد بھی نازی اس کے جذبے کو ختم نہیں کر سکے۔ جیل میں بھی وہ قیدیوں کے دلوں میں ہمّت اور بہادری کی لَو کو بڑھاتی رہی، اپنی کوٹھری کو اُنگلیوں سے بجا کر وہ دوسرے قیدیوں کو پیغام نشر کرتی کہ:

"مستقل مزاج رہو، گھبراؤ مت، ہماری فتح قریب ہے۔"

نازی درندے ایک قیدی عورت کی اس آزادی کو برداشت نہیں کر سکے اور اسے دوسری جیل میں منتقل کرنے کے احکامات صادر کیے گئے۔

۱۲ ستمبر ۱۹۴۴ء کی ایک بوجھل اور اُداس شام کو اسے نازیوں کے رسوائے زمانہ کیمپ ڈشاؤ میں لایا گیا نازی اسے میڈیلین کے نام سے جانتے تھے۔ اگر وہ کہہ دیتی کہ میرا اصلی نام نور النساء ہے اور میرے والدین ہندوستانی ہیں تو شاید وہ موت کے منہ سے بچ جاتی۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ اس کی رگوں میں ٹیپو سلطان کا خون گردش کر رہا تھا۔ اس نے ہنستے ہوئے موت کو گلے لگا لیا اور پھر یوں ہوا کہ اُسی شام اُسے گولی مار دی گئی۔

اس کا بے جان جسم زمین پر گر گیا تھا۔ بدن پر خون کی سُرخی چمک رہی تھی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ہوا مہربان ماں کی طرح اس کی پیشانی چُوم رہی تھی اور اس کے لبوں پر مرنے کے بعد بھی مسکراہٹ تھی۔ جوان ـــــ مقدس اور ـــــ پاکیزہ ـــــ

پہاڑوں کی بلندیوں پر گرنے والی برف کی طرح!!!

ایک بچی اپنے والد کا بےچینی سے انتظار کر رہی تھی جو کسی کام سے دوسرے شہر گئے ہوئے تھے کہ اسی وقت ایک ٹیلیگرام موصول ہوا جسے پڑھ کر اس کی امی نے اسے بتایا تمہارے ابا جان نے لکھا ہے کہ "ٹرین چھوٹ گئی"۔ کل اسی وقت نکلوں گا۔

"لیکن امی۔ اگر ابا جان کل پھر اسی وقت نکلے تو ٹرین پھر چھوٹ جائے گی۔" بچی نے پریشان ہو کر کہا۔

عارف احمد جی

غزل

جنہیں اندھیروں سے پیار ہو گا وہ روشنی کو بُرا کہیں گے
بڑھے گا جب اور بھی تعصب تو آنکھ ہی کو بُرا کہیں گے

یہ اہلِ دُنیا تو خود غرض ہیں خوشامدانہ ہیں ان کی باتیں
بُرائی مطلب کی کر رہے ہیں یہ کل تجھی کو بُرا کہیں گے

ہزار ہرزہ سرائیوں سے خموش رہنا ہے خُوب لیکن
جو حق نوائی سے ہو گی مانع تو خامشی کو بُرا کہیں گے

عزیز ہیں ہم کو وہ اندھیرے جو آمدِ صُبح کی خبر دیں
مگر چھپا لیں گے جو وہ سُورج تو ہم اُنہی کو بُرا کہیں گے

فضیلت اپنی جگہ ہے لیکن کچھ آدمیت کے ہیں تقاضے
جو دوسروں کو حقیر سمجھے گا ہم اُسی کو بُرا کہیں گے

خود اپنے دامن کے داغ دھونے سے جبکہ فرصت نہیں ہے عارف
مجال اتنی کہاں ہے ہم کو کہ ہم کسی کو بُرا کہیں گے

ذکیہ عبید

ماں

وہ گیارہ نمبر بس سے اتری کھری کھری بھوری آنکھیں، لانبی لانبی پلکیں۔ بادامی رنگ اونچی ناک اور باریک گلابی ہونٹ۔ اس نے ایک ہاتھ کے سہارے ایک گلابی بنڈل سینے سے لگا رکھا تھا۔

فٹ پاتھ پر ایک دراز قد نوجوان کھڑا ہوا تھا۔ کالا پتلون، سفید قمیص اسکے گلے میں لٹکی ہوئی سرخ ٹائی سفید کتابی چہرے کو اور زیادہ نمایاں کر رہی تھی۔

لڑکی نے اس پر ایک بھرپور نظر ڈالی۔ اسکی بھوری آنکھیں چمک اٹھیں وہ ایک لمحہ ٹھٹکی پھر آگے بڑھ گئی۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ کسقدر رجانی پہچانی مسکراہٹ ہے۔ مجھے کتنے غور سے دیکھ رہی تھی لیکن اس شکل کی لڑکی میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ اسکول میں؟ نہیں۔ کالج میں؟ نہیں۔ پھر یہ کون تھی۔ وہ مسافروں کے ہجوم سے نکل آیا۔ لڑکی نے ایک پیر فٹ پاتھ سے نیچے رکھ دیا تھا اور رک گئی تھی جیسے کسی کا انتظار کر رہی ہو۔ اس نے اس کی طرف دیکھا مسکرائی اور آگے بڑھ گئی۔ اب وہ سڑک کراس کر چکی تھی۔ اور ہلکے ہلکے قدموں سے دوسرے فٹ پاتھ پر چل رہی تھی بجلی کے کھمبے کے نیچے آ کر لڑکی نے پھر اس کی طرف دیکھا۔

نوجوان نے سوچا یہ بھی بلانے کا ایک ڈھب ہے اب اسکے لئے رکنا مشکل تھا وہ سڑک کراس کر کے لڑکی کے پیچھے ہو لیا وہ اسی طرح چلتی رہی ایک بڑے ہوٹل کے پاس پہنچکر لڑکی نے پھر سامنے والے فٹ پاتھ پر نظر کی۔ وہ زیر لب مسکرایا اسی کی تلاش ہو رہی ہے اب اسمیں اور لڑکی میں صرف دس قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا وہ ڈر رہا تھا کہ اسمیں کوئی چال نہو لیکن لڑکی کی معصوم صورت نے فوراً ہی یہ خیال دل سے نکال دیا اور وہ اسکے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اتنے قریب قدموں کی چاپ سنکر لڑکی نے مڑ کر دیکھا اور اس نے یہ محسوس کیا کہ وہ مطمئن ہو گئی ہے وہ بھی چلتی رہی اور وہ بھی چلتا رہا کئی سڑکیں آئیں گزر گئیں کئی فٹ پاتھ آئے گزر گئے اب تنگ گلیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا وہ اسی طرح چلی جا رہی تھی یکایک بنڈل میں حرکت ہوئی اور اس نے دیکھا کہ اسمیں ایک ننھا سا بچہ کلبلا رہا ہے۔

کیا یہ بچہ اسی کا ہے؟ اسکا نہیں ہے تو اسکے پاس کیوں ہے؟ یہ کون ہے کہاں جا رہی ہے اسکے دماغ میں ایک دم بہت سے خیالات آئے۔ اس نے واپس لوٹنا چاہا لیکن وہ بہت دور آ چکا تھا اس عرصے میں اس لڑکی نے ایک مرتبہ بھی اسکی طرف مڑ کر نہیں دیکھا تھا وہ غیر ارادی طور پر اسکے ساتھ ساتھ چلتا رہا یہانتک کہ وہ ایک دروازے پر رک گئی۔ بچے کو آہستگی سے کاندھے سے لگاتے ہوئے وہ زینے پر چڑھنے لگی۔ محترمہ، سنیئے۔ نوجوان نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔ آپ مجھے اس طرح کیوں گھور رہی تھیں جی، جی نہیں تو۔ لڑکی نے گھبرا کر جوابدیا۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ...... کہ میرا ننھا بھی کبھی آپ کی طرح جوان ہوگا۔ اس کی بھوری آنکھوں میں وہی چمک عود کر آئی تھی۔

وہ جوان اس طرح بوکھلا کر پیچھے ہٹا جیسے ایک گھنٹے سے اپنی ہی ماں کا پیچھا کر رہا تھا۔

زہرہ جمال

"غیر"

عجیب شے ہے جائداد بھی...... اور پھر لاکھوں کی شہزادی بیگم کو اپنے جوان اکلوتے بیٹے کی موت کا اسقدر صدمہ نہیں تھا جلتنی اس بات کی فکر کی ان کے بیٹے نے ایک غیر خاندان میں شادی کر لی تھی اور اب جبکہ وہ حادثہ کا شکار ہو گیا ہے اس کی لاکھوں کی جائداد کا وارث وہ ہو گا جو چند ماہ بعد ماہ بانو کے بطن سے پیدا ہو گا۔ جائداد شہزادی بیگم اور ان کے بھائیوں کے ہاتھ سے نکل کر ماہ بانو کے خاندان میں چلی جائے گی۔

لوگ ان کے پاس پرسے کو آتے وہ سمجھاتے۔ "آپ تو خوش قسمت ہیں کہ چند ماہ بعد دلھن کی گود ہری بھری ہو گی اور وارث پیدا ہو جائے گا۔"

اب تو صبر کیجئے اور مرحوم کی اس امانت کو پالنے پوسنے کے لئے ایک بار پھر تیار ہو جائیے جس طرح افسر میاں کو پالا پوسا تھا، خدا خود غم غلط کر دے گا۔ آپ محسوس کریں گی کہ افسر میاں دوبارہ آپ کو مل گئے ہیں۔

لوگوں کے جاتے ہی شہزادی بیگم کی بہن اور بھاوجیں افسوس کرنے لگیں۔ "ہاں! کیا پتہ بہو کیا کرتی ہیں ایسا نہ ہو کہ بچہ کو لے کر مایکے میں جا بیٹھیں یا ادھر شادی کر لیں۔ خاندان کی لاکھوں کی جائداد ان کے رشتے دار ہتھیا لیں۔ وہ سب جو غیر تھے بھلا کیسے جائداد کے حقدار ہو سکتے تھے۔

پھر کیا کیا جائے۔ اتنی بڑی جائداد کا خیال آتے ہی شہزادی بیگم کی ہمت جیسے سلب ہو جاتی......

وہ سوچتیں ایک اجنبی خاندان کی بہو سے پیدا ہونے والا بچہ ان کے سارے خاندان کو جائداد سے محروم کر دے گا ورنہ یہ جائداد ان کے اپنوں میں رہتی۔ وہ چاہتی تھیں کہ اپنی بہن حشمت بیگم کی لڑکی کو بہو بنا کر لائیں مگر افسر میاں نے ایک نہ مانی اپنی پسند سے شادی کر لی۔ شہزادی بیگم نے اپنی بہن کو سمجھا بجھا کر لڑکی کی شادی اپنے بھائی کے لڑکے سلیم احمد سے کر وا دی تھی۔ سلیم احمد اب ان کے لئے افسر میاں کے جانشین تھے۔ کیونکہ ان کی ماں افسر میاں کے ابا کی حقیقی بہن بھی تھیں

وہ سوچنے لگیں اگر بہو کے لڑکا ہوا اور بچہ ہونے کے بعد اگر ان کے دل میں بھی مامتا جاگ اٹھی تو جائداد بہو کے خاندان سے کون بچا سکے گا بہتر ہے کہ بچہ پیدا ہی نہ ہو۔ پھر بہو منحوس تھی بچہ بھی بڑا منحوس ہے۔ پیٹ میں اترتے ہی باپ کو ہڑپ کر گیا۔ ابھی آیا بھی نہیں تو کہتی ہیں ان کے دل میں یہ خیال اس قدر رچ گیا تھا کہ وہ بیٹے کی اچانک موت کا ذمہ دار بہو اور ہونے والے بچے کو یہ سمجھتی تھیں۔

دنیا والوں کے سامنے آنسو پونچھ پونچھ کر بہو سے

ہمدردی کریں۔

ہائے اس کی معصوم جوانی خاک میں مل گئی۔ یہ دن سفید کپڑے پہن کر بیٹھنے کے تھے۔ اور در پردہ اپنی اچھی آپا کے ساتھ مل کر منصوبے بناتیں کہ بچہ . . . . . بس ایسا کہ سانپ مرے لاٹھی بھی نہ ٹوٹے . . . .

اچھی آپا نے کہا "ننھی تم مجھ پر چھوڑ دو پھر دیکھو۔"

اور پھر اچھی آپا پر چھوڑ دیا۔

اچھی آپا صبح اٹھ کر ناشتہ تیار کرتیں اور سیدھی بہو کے کمرے میں جاتیں۔ بہو لاکھ منع کرتی مگر خالص گھی کا حلوہ زبردستی کھلاتیں۔ کمزور نہ ہو جائے۔ بہو کے ہاتھ تک خود دھلاتیں۔ مگر اسے چلنے پھرنے نہ دیتیں۔ دوپہر کے کھانے میں بھنا ہوا مرغ کباب کوفتے بریانی غرض کوئی نا کوئی مرغن چرغن غذا ہوتی دل بھر خشک میوہ کھلایا جاتا۔ بہو کا بدن دیکھتے دیکھتے دہرا ہو گیا تھا گال پکنے سیبوں کی طرح ٹپکے پڑتے۔ بہو کی ماں نے کئی بار لکھا کہ وہ ان کے پاس آکر زچگی کرے۔ مگر بیٹی اپنی ساسوں کی دلار پیار کے وہ نقشے باندھتی کہ بیچاری سوچتیں "اللہ ایسا سسرال سب کو دے ورنہ رانڈ ہو کر عورت کو واپس باپ بھائی کی دہلیز پر آنا پڑتا ہے۔ خود انہوں نے دو بچوں سمیت بھائی کے گھر رنڈاپا گزارا تھا۔ بھابی کے قہر و عتاب طنز و تشنیع کا سامنا کرتے کرتے دل چھلنی ہو گیا تھا۔ ساری عمر بھائی بھاوج اور بچوں کی خدمت کرتے گزاری تھی پھر بھی احسان بدستور تھا۔ ایسی صورت میں بیٹی کو بلانے کو لکھتیں تو مگر دل میں یہی شکرانہ بھیجتیں کہ سسرال ہی میں رہے تو اچھا ہے۔"

محلے پڑوس کی عورتیں آتیں بہو کو ہمیشہ لیٹے بیٹھے دیکھتیں تو کہتیں۔ "بیٹی چلا پھرا کرو کام کاج کیا کرو۔" بہو جب کھڑی ہوتی کچھ کرنے کو ساس بڑھ کر ہاتھ سے چھین لیتیں۔ غالباً ساس آرام کرسی پر لٹا کر پاؤں دبانے لگتیں۔ اے ہے بکنے دو ان جسم جلیوں کو جلتی ہیں۔ ڈرتی ہیں کہ ہماری بہوئیں یہ لاڈ پیار دیکھ کر رشک کریں گی۔ اور یہ کہیں گی کہ یہ آرام ہمیں شوہر ہوتے نصیب نہیں ہیں۔" ماہ بانو مطمئن ہو جاتیں۔

اسے بڑا فخر و غرور سا محسوس ہوتا۔ اس کی دونوں ساسیں اسے کس قدر چاہتی ہیں، آخر ان کی امانت ان کی خوشیاں تمام وہ اپنی کوکھ میں سمیٹے ہے۔ کلی کھلے گی پھول مہکے گا۔ اور ان کی کھوئی ہوئی بہار انہیں مل جائے گی۔ وہ سوچا کرتی تھی بس وہ بچہ ہوتے ہی وہ تو اسے اماں جی کو سونپ دے گی۔ خود پڑھائی شروع کرے گی تاکہ پہاڑ سی عمر گزرنے کا سہارا ہو سکے۔ کام کاج میں عمر گزر جائے۔ اس کے شوہر نے لاکھوں کی جائداد نوکر چاکر موٹر سبھی چھوڑا ہے لیکن آہ . . . . . . وہ تو بس مصروفیت چاہتی ہے ایسی مصروفیت کہ وہ خود کو بھلا دے۔ افسر جیسے چاہنے والے شوہر کو کھو کر جینا اسے کب گوارا ہوتا اگر افسر اپنی یہ امانت اسے نہ سونپ دیتا۔ اسے محسوس ہوتا کہ جیسے اماں جی کو افسر کا نعم البدل دے کر وہ خود یہ بھول جائے گی کہ وہ اس کا بیٹا ہے۔ ہاں اماں جی کہتی ہیں ویسا ہی ہوگا انھیں کے ہاتھ سے دودھ پیئے گا بچہ . . . . . انہیں کے کمرے میں سوئے گا . . . . انہیں کی گود میں پلے گا۔ وہ ذرا حق نہ جتائے گی . . . . . آخر اماں جی کے غمزدہ دل کا مرہم وہی تو ہوگا۔ جوان بیٹے کا نعم البدل . . . . اسے اپنی ساس خدا کی رحمت کا فرشتہ معلوم ہوتی تھیں۔

ماہ بانو کے دن قریب آ گئے تو اماں جی نے کہا "بہو تم اپنی امی کو بلا بھیجو۔ پہلا موقع ہے۔ ان کا ہونا اچھا ہے۔ کوئی اونچ نیچ ہو جاتی ہے تو ایسے میں سسرال والے بدنام ہوتے ہیں۔ بیٹی تم ماں کو بلا لو۔"

ماہ بانو کے لکھنے پر ماں آ گئیں مگر آتے ہی انہوں نے سر پیٹ لیا۔ "بیٹی تم یہ . . . . . . یہ کیا کھا رہی ہو یہ مرغن غذائیں۔

جی امی۔ میں تو اتنے مہینے سے اسی طرح کھاتی ہوں دیکھیئے نا کتنی چربی چڑھ گئی ہے۔" وہ ہنس پڑی۔

مگر بیٹی، ایسے دنوں میں تو . . . . . ہلکی غذا لینی چاہیئے۔

"ماہ لو ہنس پڑی۔ دل میں سوچنے لگی، ماں بےچاری، ماموں ممانی کے یہاں روکھی سوکھی کھانے کی اس قدر عادی ہوگئی ہیں کہ ان کھانوں سے گھبرانے لگی ہیں۔

"ماں نے تقاضا کیا۔ ماہ بانو چہل قدمی کرو۔ یہ کیا ہے بیٹی صبح سے شام تک قیدی کی طرح بیٹھی رہتی ہو۔"

"امی . . . . . میں تو اب عادی ہوگئی ہوں۔ اچھا نہیں لگتا چلنا پھرنا . . . . ."

ماں کے چہرے پر عجیب سے خطرات اپنی پرچھائیاں ڈال رہے تھے وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی "اللہ رحم کرے، نو مہینے اس طرح گزارے ہیں تو . . . . . .

آخر وہ گھڑی بھی آگئی جس کا انتظار تھا۔ بچہ پیدا تو ہوگیا مگر . . . . مردہ !!

ماہ لو پتھر کی طرح بےحس و بےجان بنی رہ گئی۔

ماہ لو کی ماں سر پیٹ پیٹ کر رونے لگیں۔ میں تو اسی دن سمجھ گئی تھی "بچہ ٹھس نہ جائے"۔ بھلا عاملہ کی غذا اور ڈھنگ یہ ہوتے ہیں جو اس نے اختیار کیئے ہیں۔

ساس ٹھنڈی سانس بھر کر کہہ رہی تھیں جس طرح بیٹے کو صبر کرلیا پوتے کو بھی صبر کرلیں گے جس کی امانت تھی اس نے لے لی۔"

لوگ افسوس کر رہے ہیں خاندان کی بدنصیبی پر کہ وارث پیدا ہوا اور مردہ . . . . ماں کی کم نصیبی پر . . . . . .

اب بھلا سسرال والے کیوں بہو کو رکھیں گے۔ بدزبان کی جاٹ۔ آرام طلبی نہ چھوڑی بچہ سے ہاتھ دھویا۔" عورتیں کہہ رہی تھیں۔ انہوں نے تو پہلے ہی بہو کے رنگ ڈھنگ دیکھے تھے۔ جو زیادہ سیانی تھیں کہہ رہی تھیں۔ ہمیں تو شروع ہی سے دال میں کالا نظر آرہا تھا۔

آخر چھلہ کرکے ہی بہو اپنی ماں کے ساتھ ماموں کے گھر چلی گئی . . . . .

ساس نے جاتے جاتے کہہ دیا، "بی بی کہاں تک بٹھائے رکھوگی۔ تم تو خود دیکھ کر عقد ثانی کردینا۔"

اور لاکھوں کی جائداد اماں جان کے بھتیجوں بھانجوں کا حق بن کر رہ گئی۔

اچھی آپا بولیں "دیکھا نھی۔ سانپ مرے اور نہ لاٹھی نہ ٹوٹے۔"

شہزادی بیگم چپ رہیں کیونکہ انہیں کل رات عجیب خواب نظر آیا تھا۔ افسر کا نوزائیدہ پالنے میں لیٹا ہے اور وہ ایک بہت بڑا سانپ کہیں سے اٹھا لائی ہیں اور اس کا افسر کے آگے کردیا . . . . . سانپ نے بل کھایا اور افسر کو ڈس لیا۔ وہ نیلا پڑ کر ختم ہوگیا۔ پھر افسر کے ابا آتے ہیں اور غصہ اور نفرت سے منہ پھیر کر کہتے ہیں۔ "یہ کیا کیا آپ نے بیگم صاحبہ" وہ افسر کو آواز دیتے ہیں۔ افسر دوڑا ہوا آتا ہے بچے کو دیکھ کر دیوانہ ہوجاتا ہے اور اسے اٹھا کر چلا جاتا ہے . . . . . وہ دوڑتی ہیں افسر افسر کہتی ہوئی اور منہ کے بل گر پڑتی ہیں۔ افسر کے ابا انہیں حقارت سے دیکھتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔ اسی سمت جہاں افسر گیا تھا وہ اسی طرح پڑی رہتی ہیں۔"

اب ان کا ضمیر ان سے کہہ رہا تھا۔ "بیگم صاحبہ تم نے لاکھوں کی جائداد کے لئے اپنے پوتے کو قتل کروا دیا۔ . . . . . تمہارے شوہر اور بیٹے کا نام مٹ گیا . . . . . .

دوسرے نسلاً بعد نسلاً عیش کریں گے۔ مگر تمہیں کیا ملا۔"

وہ پچھتا رہی تھیں مگر اچھی آپا سے کیا کہتیں اب جائداد کا مالک ان کا داماد تھا۔ ان کا داماد ان کی بھاوج افسر کی پھوپھی تھیں۔ باپ کے بعد جائداد بہن کی اولاد کو ملی۔ اور کچھ دوسرے عزیزوں کو . . . . اب شہزادی بیگم خود ان کے رحم و کرم پر تھیں مگر آج انہیں یہ سب اپنا خون نہیں غیر نظر آرہے تھے۔"

خواجہ عبدالغفور آئی۔ اے۔ ایس۔

مزاح کی حِس

اِنسان کو حیوان ناطق کہتے ہیں لیکن کتّوں کا مختلف انداز میں بھونکنا۔ گھوڑوں کا ہنہنانا۔ بلی کا میاؤں میاؤں کرنا۔ چڑیوں کا چہچہانا۔ مرغوں کا بانگ دینا۔ طوطے اور مینا کا انسانی بولی میں باتیں کرنا۔ الغرض کہ جملہ حیوانوں کا کسی نہ کسی انداز میں آوازیں نکالنا ان کی اپنی بولی ہی تو ہے۔ بالخصوص خوشی کے موقعہ تو ہر جانور اس قسم کی آوازیں نکالتا ہے کہ جس سے اس کے اندرونی جذبہ کا اظہار ہوتا ہے۔ انسان اور حیوان دونوں ہی اپنے خوشی کے تاثرات بڑی عمدگی سے ظاہر کرتے ہیں۔ دودھ پیتا بچہ بھی تو اپنی مسکراہٹ سے پیٹ بھرنے کا اعلان کرتا ہے اور پھر سنِ شعور کو پہنچنے تک ہنستا ہی رہتا ہے۔ اس کے بعد انسان کو ہنسی کے محرکات کی ضرورت ہوتی ہے جس کے لئے نت نئے طریقے ایجاد اور استعمال کئے جاتے رہے ہیں۔ بادشاہوں کو ہنسنے کے لئے درباری مسخرے اور مصاحبوں کی ضرورت رہا کی۔
عوام الناس کے لیئے بھانڈ۔ نٹ۔ ڈوم۔ کنجر۔ بھٹّی۔ لاؤنی یا ڈُا اور مرہٹی تماشہ۔ مرفہ الحال لوگوں کے لئے سرکس کے مسخرے۔ نائٹ کلب کی رقاصائیں۔ نقال۔ جیب سوانگ بھرنے والے

پڑھے لکھے شستہ مذاق لوگوں کے لئے بذلہ سنجی۔ ظرافت قولِ محال۔ ریختی۔ واسوخت۔ ہزل لطیفہ گوئی۔ حاضر جوابی۔ حاضر دماغی۔ برجستہ گوئی۔ مذاق۔ چیستاں۔ پہیلیاں معمہ گوئی۔ محاکات مکاتبات۔ چٹکلے، رمز و کنایہ۔ تجنیس پیروڈی، تحریف نگاری۔ کردار کی تخلیق۔ کارٹون۔ خاکے۔

غیر مہذب لوگوں کے لیے ہجو استہزار، فقرہ بازی ضلع جگت۔ پھبتی۔ گالی گلوچ۔ پھکڑ بازی۔ کلّہ درازی۔ رکیک سبک۔ پوچ۔ مخول۔ بھنڈی۔ زٹیٹ۔ لغو گوئی اور اسی طرح کے دل آزاری کے مشغلے

بہت زیادہ مالدار، عیاشی پسندوں کے لئے عشقیات جنسیات لذتیت۔ عریانیت۔ ننگ دھڑنگ تماشے۔ برہنہ کلب۔ فحش کلامی۔ چرکینیات وغیرہ۔

ان سب محرکات کے سوا مہذب سوسائٹی میں اجڈ گنوار گاودی قسم کے لوگوں کی موجودگی ہی ہنسنے کا سامان مہیا کر دیتا ہے۔

نادانستہ طور پر غلط تلفظ۔ غلط املا۔ الفاظ کے الٹ پھیر بچوں کی معصوم باتیں بھی ہنسی بکھیر دیتی ہیں۔
تضاد۔ ہم آہنگی کا فقدان۔ تواتر۔ توارد۔ بے ترتیبی۔ صورت دانہ مجتمع الضدین۔ تنقیص وتعریض۔ حماقت نعلّی۔ لاف گزاف۔ مبالغہ بھی سننے اور دیکھنے والوں کے

لئے تفنن کا باعث ہوجاتے ہیں۔

الغرض تنوع طبع کے لئے مزاح کے بے حساب اصناف اور اقسام ہیں اور اسی طرح ہنسی کے لاتعداد محرکات ہیں۔ شئے لطیف کی ضرورت اور مزاح کی حس کا وجود لازمی ہیں۔ ان کا فقدان نہ ہو تو زندگی میں ہر طرف ہنسنے ہنسانے کے سامان ملتے ہیں۔

پھولوں کی مہک اور دیگر خوشبوؤں کے لئے جس طرح قوت شامہ اور رنگوں کے لئے حسن و نکھار کے لئے بصارت موسیقی اور سازوں کا ترنم قوت سامعہ ضروری ہیں اسی طرح مزاح کی حس کے بغیر کوئی بھی متذکرہ بالا موجبات اور محرکات سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا۔ پھول تو دنیا تمام میں ایک سے ہوتے ہیں لیکن ہر انسان پھول کی نئی قسم سے ہی لطف اندوز ہونے ارادہ کر کے دیکھے بھالے پھولوں سے منہ نہیں موڑ سکتا اسی طرح لطیفے چٹکلے ہمیشہ نئے نئے نہیں بنتے لیکن پھولوں کی ترتیب جس طرح گلدستہ کو ایک نیا نکھار بخشتی ہے اسی طرح لطیفے یا مزاحیہ حکایتیں بھی نئے انداز میں پیش کئے جانے پر نیا لطف بخشتے ہیں۔ اس سے حظ اٹھانے کی حس ہو تو سب کچھ ہے۔

یہ دل کی مستی ہے جس نے مچائی ہے ہلچل
نشہ شراب میں ہوتی تو ناچتی بوتل

اب ان ہی انواع و اقسام کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں "جو شگوفہ زار" کا اقتباس ہیں۔

بچوں کی زبان سے : ایک صاحب ہوٹل کے کاؤنٹر پر کھڑے بحث کر رہے تھے کہ انہیں کمرہ ضرور ملنا چاہیئے۔ انہوں نے اپنے رزرویشن کے لئے بہت پہلے لکھا تھا اور کچھ اظہار خفگی اور ناراضگی کرتے ہوئے لیکچر دے رہے تھے کہ ہوٹل والے برابر توجہ سے کام نہیں کرتے۔ رزرویشن کلرک ان کی حجت سے مرعوب ہو کر کسی اور کے رزرو کئے ہوئے کمرے کو انہیں دینا ہی چاہتا تھا کہ ایک ننھا سا لڑکا باہر موٹر سے اتر کر اندر آیا اور باپ سے پوچھنے لگا "تو کیا ابا آپ کی ترکیب چل گئی؟ اور انکا سارا راز فاش ہوگیا۔

صورت واقعہ : قزلباش کار سرکاری دلی پہونچے اور ایک ہوٹل میں جا کر پوچھا کہ کوئی کمرہ مل سکیگا۔ مالک ہوٹل نے کہا ہاں ایک کمرہ تو ہے اور ان سے نام پوچھا تو انہوں نے بتایا۔ گنیش بہاری قزلباش داس ترا لکھنوی۔ ہوٹل والے نے فوراً اپنا رجسٹر بند کر دیا اور کہا "معاف کیجئے اتنے سارے لوگ ایک کمرے میں نہیں رہ سکینگے۔

میاں بیوی کے چٹکلے :-

رمیش شکایت کر رہے تھے کہ ان کی بیوی نے کچھ دن پہلے ان سے دو ہزار روپے مانگے تھے۔ پچھلے مہینے ایک ہزار کی فرمائش کی دو ہفتے پہلے پھر ایک ہزار مانگ رہی تھی اور پرسوں تو اس نے بہت ہی تنگ کیا۔ پانچ سو مانگتی تھی اور آج پھر کہتی تھی کہ ایک ہزار چاہیئے۔

ہم نے ہمدردی سے پوچھا" بڑی فضول خرچ معلوم ہوتی ہیں آپ کی بیگم صاحبہ۔ مگر وہ کرتی کیا ہیں اتنا سارا روپیہ آپ سے مانگ کر؟"

رمز و کنایہ : ایک آرٹسٹ اپنی بنائی ہوئی تصویر بطور کار خیر عطیہ دینا چاہتے تھے کسی نے مشورہ دیا کہ وہ اندھوں کے اسکول کو بخش دیں۔

کسی آرٹسٹ کی تصویروں کی نمائش ہو رہی تھی ایک صاحب نے ان سے کہا" آپ کی تصویروں پر نظر پڑتی ہے تو ہم سوچ بچار میں پڑ جاتے ہیں" آرٹسٹ نے پوچھا۔

تو کیا آپ ان رنگوں کی آمیزش اور خوبصورتی کے متعلق سوچنے لگتے ہیں؟" انہوں نے جواب دیا

" جی نہیں ہم تو یہ سوچتے ہیں کہ آپ نے یہ تصویریں کیوں بنائیں "

احساس برتری : اپنی لاڈلی بیٹی کو اسکول میں شریک کرا کر ماں نے استانی سے کہا" میری لڑکی ناز و نعم سے پلی ہے اور بہت حساس ہے۔ اس کے ساتھ کبھی سختی سے برتاؤ نہ کیجئے وہ کبھی شرارت کرے تو اس کی کسی اور ہم جماعت کو ڈانٹ دیا کیجئے۔"

مطائبات : نرملا کے گھر کے قریب ایک بڑھیا پھول بیچا کرتی تھی

(باقی صفحہ ۵۸ پر)

"شادی"

کردار کی تربیت کا ایک عظیم اسکول

شادی کردار کی تربیت کا ایک عظیم اسکول ہے۔ اس اسکول میں داخل ہو کر آپ بنیادی فرض سے سبکدوش ہوتے ہیں اور اپنی شخصیت کی نشو و نما کرتے ہیں، اور اسے اور زیادہ پر وقار بناتے ہیں، وہ ابتدائی فرض ہے اور میرے نقطۂ نظر سے اپنے شریک حیات کو حتی الامکان خوش رکھنے کی ایک طویل جدوجہد ــــ شادی امداد باہمی قسم کا ایک ادارہ ہے۔ اب سوال یہ ابھرتا ہے کہ شادی کو کامیاب بنانے کے بنیادی عناصر کیا ہیں؟

مجموعی طور پر اس سلسلے میں تین باتیں مد نظر رکھنا از حد ضروری ہیں۔ یہ وہ تین اہم اور کبھی نہ بجھنے والے چراغ ہیں جن سے زندگی کی رہ گزر منور ہوتی ہے۔

سب سے افضل اور برتر یہ کہ محبت کی بنیاد، سستی قسم کی جذباتیت اور رومان پسندی کے بجائے حقیقت پسندی پر ہونی چاہیئے، اور اسی لئے اکثر شادیوں کی ناکامی کا سبب دونوں ساتھیوں یا ایک ساتھی کا محبت کے بارے میں بچگانہ رویہ ہوتا ہے جس کے باعث شوہر بیوی سے یا بیوی شوہر سے ایسے ایسے مطالبات اور فرمائشیں کرنے لگتی ہے جنھیں شوہر پورا نہیں کر سکتا۔ اور آخر میں ہوتا یہ ہے کہ ناچاقی اور الجھنوں کی خلیج بڑھنے لگتی ہے اور ایک قسم کا کھچاؤ سا رہنے لگتا ہے جو کہ تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ ہوتا ہے باتیں بڑھنے لگتی ہیں اور ایسی فضا اور ایسا ماحول پیدا ہو جاتا ہے جو کہ شادی کی شہ رگ کے لئے ایک زہریلے نشتر سے کم نہیں ہوتا کچھ اس قسم کے لوگ ہوتے ہیں جو شادی کو زندگی کی ایک منزل اور زندگی کا مطمع نظر سمجھ بیٹھتے ہیں اور اس کے بعد یوں سکون سے بیٹھ جاتے ہیں جیسے وہ زندگی کی معراج پر پہنچ گئے ہوں اور اب زندگی میں کچھ کرنے کے لئے باقی ہی نہیں رہا ہے یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو لاشعوری طور پر بچپن میں پریوں کی کہانی سے متاثر ہوئے ہوتے ہیں جن میں کوئی شہزادہ جان جوکھوں میں ڈال کر اژدہوں اور دیوؤں سے مقابلہ کر کے کاسے کوسوں کا خطرناک سفر طے کر کے اپنی چہیتی شہزادی کو حاصل کر لیتا ہے اور پھر باقی زندگی کے دن دونوں ہنسی خوشی بسر کرنے لگتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ باہمی محبت کے بغیر خوشی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یاد رہے کہ عمل، جد و جہد اور زندگی سے اپنا حق حاصل کئے بغیر خوشی سے حقیقی معنوں میں لطف اندوز کبھی نہیں ہوا جا سکتا۔ شادی کے بعد ہی تو اصل زندگی شروع ہوتی ہے جس میں خوشی ہوتی ہے دکھ ہوتا ہے کئی ان چاہے سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں کئی قسم کے نشیب و فراز ہوتے ہیں۔ اور ایسے مرحلے میں ہمت نہ ہارنا۔ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھتے جانا ہی کامیاب اور پر مسرت ازدواجی زندگی

کا پنہاں راز ہے۔

شادی کا مقصد ایک ایسی بنیاد مہیا کرنا ہے جس کی مضبوطی کے سہارے زندگی آگے بڑھتی ہے یہ بنیاد ازدواجی زندگی میں گندھے ہوئے دو ساتھیوں کے باہمی تعاون سے استوار ہوتی ہے یہ بنیاد فقط دوسرے سے زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے ہی کے لئے نہیں رکھی جاتی بلکہ دوسرے کو بہت کچھ دینے کے لیئے بھی رکھی جاتی ہے۔

محبت کا جو جذبہ ہے وہ دوسرے انسانی جذبات سے کوئی الگ تھلگ چیز نہیں ہے مگر اس جذبے اور احساس کو ہمارے بوچھے درجے کے ادیبوں اور گھٹیا فلموں نے کافی رسوا کیا ہے۔ انسانی محبت پر ہی تمام انسانی تعلقات کی کامیابی کا انحصار ہے اگر ہم اس صالح نظریے کو نظر انداز کر دیں اور رومانی قسم کے ناولوں کی طرح سب سے کٹ کٹا کر اپنے مقدر کے شہزادے یا شہزادی کو تلاش کرنے لگیں تو ناکام شادیوں کی تعداد دن بدن بڑھتی ہی جائے گی۔

رومان پسندی کو حقیقت پسندی کے آگے ہتھیار ڈالنے ہی پڑیں گے شادی کی وادی میں قدم رکھتے ہوئے ہماری آنکھیں کھلی ہونی چاہئیں اور ہمیں اس کی ذمہ داریوں اور فوائد کا پورا پورا احساس ہونا چاہیئے اندھی اور جذباتی محبت کبھی سود مند ثابت نہیں ہوتی۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے سے حد سے زیادہ بے تکلف نہیں ہونا چاہیئے حد سے بڑھی ہوئی ہر بات خطرناک ثابت ہوتی ہے آپس کی بے تکلفی کو نہ بڑھائیں کہ وہ آپ کے اندر ایک دوسرے کے خلاف نفرت کا احساس پیدا کرنے لگے شادی کا جذبہ امنگ اور خیال اور اسرار ہمیشہ زندہ اور تازہ رہنا چاہیئے۔ اور وقت جو مہمان کی طرح آتا ہے اور چوروں کی طرح بھاگ جاتا ہے کبھی اتنی اجازت نہ دیں کہ وہ شادی کے احساسات کو فرسودہ کر دے اور آپ ازدواجی زندگی کو عامیانہ اور گھسی پٹی چیز سمجھنے لگیں۔ اور اسی لئے حقیقی اور کامیاب شادی وہی ہوتی ہے جو سالہا سال گزر جانے کے بعد بھی روز اول کی طرح ہی دکھائی دے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب دونوں ساتھی ایک دوسرے کا احترام کریں۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ شادی ایک ایسی مہم ہے جس میں مدد کی ضرورت ہے، مقابلے کی نہیں —— کامیاب اور پُر مسرت بیاہتا جوڑوں کو دیکھ کر سب سے پہلے جو خیال اور تصور ذہن میں ابھرتا ہے وہ ہے تعاون کا، ازدواجی زندگی میں آپس میں تعاون کرنے والے لوگ زندگی کے دوسرے شعبوں میں دوسرے لوگوں سے بھی تعاون کرتے ہیں وہ اپنے افسروں یا ماتحتوں سے بہت کم جھگڑتے ہیں اور کاروبار میں دوسرے لوگوں کے جائز منشا کے خلاف نہیں جاتے اس کے برعکس جو لوگ ازدواجی زندگی میں ایک دوسرے سے تعاون کرنے میں دقت محسوس کرتے ہیں ایسے لوگ ازدواجی زندگی کو تباہ کرنے کے علاوہ عام ملنے جلنے والوں سے بھی اپنے تعلقات خوشگوار نہیں رکھ سکتے۔ اور یہ نتائج اندازے سے نہیں اخذ کیئے گئے ہیں بلکہ ان کی بنیاد حقیقی زندگی کے تجربات اور سینکڑوں کامیاب اور ناکامیاب شادیوں کے مشاہدات پر ہے۔

اگر شادی کو مشترکہ تعاون کا ادارہ سمجھا جائے تو اس کے نتائج بڑے حوصلہ افزا ہوتے ہیں کامیاب شادی انسان کی شخصیت کو مزید بارعب اور دلکش بنا دیتی ہے معاشرے میں ایسا انسان زیادہ باعزت نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ کامیاب جوڑے ایک دوسرے کی خدمت کرنے کے علاوہ خاندان کی بھی بہت بڑی خدمت کرتے ہیں ان کی اولاد بھی احساس کمتری کی نحوست سے پاک ہوتی ہے۔ وہ احساس کمتری جو دوسرے بچوں میں عموماً دیکھنے میں آتی ہے۔ بچے زندگی میں نمایاں کامیابی حاصل کرتے ہیں دنیا کو قابل رہائش جگہ بناتے ہیں۔ اس کے برعکس ناکام شادیوں سے پیدا ہوتے والے بچے عموماً انہیں مریضانہ ذہنیت کا شکار ہوتے ہیں۔

جوان کے والدین میں نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔

شادی ایک دم کامیاب نہیں بنائی جا سکتی اس کے لئے وقت اور ذہنی پختگی کی اشد ضرورت ہوتی ہے دونوں ساتھی ایک دوسرے کے دوش بدوش زندگی گزارنے کے ساتھ ساتھ اپنی اپنی جگہ زندگی سے کئی ایک باتیں سیکھتے رہتے ہیں یہ تجربے ان کے لئے مفید ثابت ہوتے ہیں اور زندگی میں کام آتے ہیں۔

بہت سی شادیوں کی ناکامی کی اہم وجہ دونوں ساتھیوں میں سے ایک کے اندر احساس کمتری کی موجودگی ہوتی ہے احساس کمتری کا شکار شخص دوسرے شخص کی عزت نفس کو تباہ کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ اس میں طرح طرح کے نقص نکالتا ہے۔ لیکن کسی شخص کو یہ بتانے سے کہ وہ کسی قدر برا ہے اس کی اصلاح ہرگز نہیں ہو سکتی یہ تو دوسرے شخص کے اندر احساس کمتری پیدا کرنے کی کوشش ہے۔ شادی میں تو صحیح ہمت افزائی اور ستائش کی ضرورت ہے۔ ستائش کے چند جملے جادو صفت اثر رکھتے ہیں۔ اگر آپ کا رفیق ستائش کا مستحق ہے تو اسے اس کا حق دینے میں ہرگز بخل سے کام نہ لیں۔ ستائش کے چند جملے زبان سے نکالنے سے آپ کا کچھ نہیں بگڑے گا لیکن جس کے حق میں یہ جملے کہے جائیں گے اس پر ان کا بڑا تعمیری اثر ہو گا۔

تیسری اور آخری بات یہ ہے کہ بچپن کی پر مسرت زندگی شادی کو کامیاب بنانے میں بہت مددگار ہوتی ہے — لوگ شادی کو ایک نئی زندگی کا آغاز سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمیں عادت و اطوار کے سلسلے میں والدین سے جو کچھ ورثے میں مل چکا ہوتا ہے ہم اسے اپنی ازدواجی زندگی میں داخل کئے بغیر نہیں رہ سکتے کئی ایک ناکام شادیوں میں ایک یا دونوں ہی ساتھی ایسے پائے گئے ہیں جن کا بچپن بڑا ناگوار گزرا تھا بعض حالت میں بچے اپنے والدین کی غلطیاں دہراتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اس قسم کے اعادے سے ہمیں بچنا چاہیئے۔ اس کے بجائے ہمیں ایسا طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے جو شادی کے بعد تعمیری صلاحیتوں کے لئے ہو۔ ہمیں ان غلطیوں کا خیال رکھنا چاہیئے جن کے مرتکب ہمارے والدین ہوئے تھے۔ اور انہیں ازدواجی زندگی میں دہرانے سے حتی الامکان گریز کریں۔ کیونکہ دانشمند شخص وہی ہے جو کہ دوسروں کی غلطیوں کو خود دہرانے کی بجائے ان سے گریز کرے

محبت کے بارے میں۔ حقیقت پسندانہ رویہ، ایک دوسرے سے تعاون کرنا، بچپن کی پر مسرت زندگی، شادی کی عظیم مہم پر روانہ ہونے سے پہلے یہ زاد سفر بہت مفید ثابت ہوتا ہے یہ چیزیں شادی کے مسئلے کا نہایت کامیاب حل ہیں۔

(انگریزی مضمون کا اُردو عکس)

”اَوراقِ پارینہ“

اس عنوان کے تحت ہر ماہ ان ادیبوں اور شاعروں کی جو آج ہم میں نہیں ہیں۔ تخلیقات شائع کی جائیں گی اُردو ادب جنھیں فراموش نہیں کر سکتا مگر جنھیں اُردو والوں نے بھلا دیا ہے۔

اس ضمن میں یہ بات اہم ہے کہ تخلیقات کا انتخاب ”بنتِ حوا“ کے مزاج کے مطابق ہو — اگر ”بنتِ حوا“ کے قارئین اس سلسلے میں مضامین ارسال کریں گے تو انہیں ”بنتِ حوا“ کے صفحات کی زینت بناتے میں ہمیں خوشی ہو گی۔

براہ کرم کتابوں یا رسالوں کا حوالہ دینا نہ بھولیں۔

”مسلم پرسنل لا“ پر اپنا فرض سمجھ کر بہنیں اپنی قیمتی ادبی اور معلوماتی مضامین سے قارئین بنتِ حوا کو مستفید فرمائیں۔

(ادارہ)

شاذ تمکنتؔ

شاذ تمکنت کا خط
جاں نثار اختؔر کے نام

محترم اختر بھائی ۔ آداب

" گھر آنگن" کا تحفہ ملے ہوئے کئی دن ہوتے ہیں ۔ مَیں نے نہ جانے کتنی بار یہ رُباعیاں پڑھ ڈالی ہیں ۔ اب بھی جب یہ سطریں لکھ رہا ہوں " گھر آنگن" میرے سامنے دَھری ہے ۔ آپ اپنے پورے شاعرانہ جمال کے ساتھ یاد آرہے ہیں ، بکھرے بکھرے ال ، گفتگو کے وقت آنکھوں کی نرما ہٹیں جن میں محبت اور سادگی کے ساتھ ساتھ شفقت و سپُردگی کی لَویں نیلی نیلی روشنیاں بھیرتی نظر آتی ہیں ، آواز کا مدھم پَن جس میں اپنائیت کا جادُو بول رہا ہے ۔ میں آپ کی شاعری کب سے پڑھ رہا ہوں' یاد نہیں آتا ، پ کا نام کب سُنا تھا یہ بھی یاد نہیں آتا ' مَیں نے شروع ہی سے یہ بات محسوس کی ہے کہ آپ یکسر " شاعرِ جمال" ہیں ۔ ترقی پسند شاعری کی مرہ بازی کے عروج کے دَور میں آپ نے نہ جانے کتنی نظمیں لکھیں جو اپنی امیجری کے اعتبار سے بہت خوب تھیں ۔ لیکن مجھے اُن نظموں میں نفرادیت کی لَے کم ہی محسوس ہوئی ہے ۔ میں سوچتا تھا کہ یہ شاعر جس کے پاس تجربات اور مشاہدات کی دولت کے ساتھ ساتھ اظہار کی بے پناہ قوت بھی موجود ہے' کیوں وہ بات نہیں کہتا جو اُس کے دِل میں ہے' وہ شاعر جو پتّی پتّی کے رگ و پَے میں خُون دوڑا سکتا ہے اور جس کا مزاج لطافت کے خمیر سے اُٹھا ہے اُن موضوعات کو کیوں چھُوئے جو اُس کے مزاج کا حِصہ نہیں بن سکتے ! اگر کوئی مجھ سے آپ کے بارے میں پُوچھے کہ میں مختصر ترین لفظوں میں آپ کا تعارف کراؤں تو میں کہوں گا کہ مَیں جاں نثار اختر کو " خورد بینی شاعر" کہوں گا ۔ وہ جلوے جو ایک دُنیا تو کُجا اچھے اچھے شاعروں کی نظر سے اُچٹ جاتے ہیں آپ کی نظر اُنہیں شعر میں سمو لیتی ہے ۔ خاص طور پر نسوانی حُسن کے ہزار شیوہ انداز کا اظہار جس طرح آپ کے پاس مِلتا ہے' وہ بہت کم شاعروں کے حِصّے میں آیا ہے ۔ میرؔ، مومنؔ، قائمؔ، مصحفیؔ، حسرتؔ اور فراقؔ کے پاس بھی یہ جلوے نظر آجاتے ہیں جنھیں دیکھ کر آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ جاتی ہیں کہ اب تک ہمیں

اِن جلوؤں کا احساس تھا نہ ادراک ۔ جی چاہتا ہے کہ یہاں "خاکِ دل" "خاموش آواز" اور اس کے بعد "آخری ملاقات" کے عنوانات گنواتا چلوں، جہاں سے آپ کا فن نت نئی چوٹوں اور بلندیوں سے رُوشناس ہوتا ہے ۔ آخری دو نظمیں اپنی اپنی بحروں کے اعتبار سے بھی مشّاقی اور چابک دستی کا مطالبہ کرتی تھیں، اِن نظموں کو آپ نے اِس طرح "بُنا" ہے کہ جب قاری نظم ختم کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو رنگ و بُو اور درد و کیف کے حصار میں پاتا ہے اور کچھ ایسی آسُودگی اور سکون محسوس کرتا ہے جیسے اُس نے نیک کام کیا ہے جس سے ضمیر، روشنئ خُنک سے ہم آغوش ہے ۔

"گھر آنگن" کی رُباعیاں آپ کی اِسی "خورد بینی" کا نمونہ ہیں ۔ مَیں کرشن چندر سے گلہ مند ہوں کہ انہوں نے وہ ساری باتیں اپنے دیباچہ میں لکھ دی ہیں جو میرے دِل میں تھیں، پھر بھی دو ایک باتیں عرض کرتا چلوں ــــــ "گھر آنگن" کی رُباعیاں اُڑتی ہوئی رنتلیاں ہیں، یہ ترتلیاں سب کی نگاہوں کے آگے رقصاں رہتی ہیں لیکن یہ تتلیاں جنھیں کوئی چھُولے تو رنگ چھُوٹنے لگیں ۔ آپ نے اِن پرّاں کیف آگیں لمحوں کو پکڑ لیا ہے، اِس طرح کہ ان کے رنگ نہ چھُوٹیں بلکہ چمک چمک اُٹھیں ۔ فراق نے "رُوپ" میں ایسی ہی کوشش کی ہے اور کوشش بِلا شُبہ کامیاب اور وجد آفریں ہے لیکن آپ نے دو قدم آگے کمند پھینکی ہے ۔ فراق نے ہندوستانی عورت کا جو نقشہ کھینچا ہے اس میں تقدّس ہے، پاکیزگی ہے، لطافت ہے، لیکن دوستی، یاری، برابری کا احساس نہیں ملتا ۔ دورِ جدید کی متاہل زندگی کے وہ واقعات جو روز مرّہ پیش آتے ہیں، جن میں بے تکلفی اور اپنائیت کا احساس کار فرما ہے، آپ کی رُباعیوں کا خاص مزاج ہے ۔ مثلاً

کہتی ہے کہ اِتنا نہ کرو تم اصرار
گر جاؤں گی خود اپنی نظر سے اِک بار
ایسی ہی تمہیں ضد ہے تو، اِس پیالے میں
میرے لئے صرف چھوڑ دینا اِک پیار

آہٹ مرے قدموں کی جو سُن پائی ہے
اِک بجلی سی تن بدن میں لہرائی ہے
دوڑی ہے ہر اِک بات کی سُدھ بسرا کے
روٹی جلتی، توے پہ چھوڑ آئی ہے

نظروں سے بری خود کو بچالے کیسے
کھُلتے ہوئے سینے کو چھُپالے کیسے
آٹے میں سنے ہوئے ہیں دونوں ہی تو ہاتھ
آنچل جو سنبھالے تو سنبھالے کیسے

ہر ایک گھڑی شاق گذرتی ہوگی
سو طرح کے وہم کرکے مرتی ہوگی
گھر جانے کی جلدی تو نہیں مجھ کو مگر
وہ چائے پہ انتظار کرتی ہوگی

"رُوپ" اور "گھر آنگن" میں ایک قدرِ مُشترک بھی ہے، وہ ہے میاں بیوی کا جنسی رشتہ، جسے فراق نے یُوں کہا ہے

" اور سیج پہ بسیوا رس کی پتلی " لیکن آپ نے براہِ راست اِس قسم کی بات نہیں کی ہے بلکہ یُوں کہا ہے جس میں رُومان کا پہلو بھی آگیا ہے ؎

کہتے ہیں کوئی تجھ سے اُلجھانا سیکھے
باہوں میں سمٹنے کا بہانا سیکھے
ہر رات نئی دُلہن کا ہونا ہے گُماں
سیج تجھ سے کوئی بدن چُرانا سیکھے

وہ پیار میں کیا کیا نہیں کہتے ہیں مجھے
رکھ چھوڑے ہیں کتنے ہی انہوں نے مرے نام
سُن لے جو کوئی تو اُن کا کیا جائے گا
بے شرمی کا لوگ مجھ کو دیں گے الزام

پلکیں مری پلکوں پہ جُھکاتے رہنا
اُدھروں سے یُونہی اُدھر ہلاتے رہنا
دھرتی کی بُجھائے پیاس جب تک ساگر
ساجن مری پیاس تم بُجھاتے رہنا

شکنیں ساڑی کی لاکھ ہاتھوں سے مٹائے
چٹکی ہوئی چوڑیوں کو آنچل سے چُھپائے
آئی ہے نکل کے تنگ باہوں سے ابھی
بھیگے ہوئے ہونٹوں سے کہاں تک جُھٹلائے

آپ شائد میری اس بات پر مُسکرائیں، لیکن میں ایسا سمجھتا ہوں کہ " گھر آنگن " کی شاعری پڑھ کر بہت سے شوہر اپنی بیویوں سے محبّت کرنا سیکھ لیں گے۔

" گھر آنگن " کی عورت پر شائد بعض جدید نقادوں کو یہ اعتراض ہو کہ اِن رباعیوں کی عورت آج کے دَور کی عورت نظر نہیں آتی جو کلب، بال رُوم، تھیئٹر وغیرہ میں نظر آتی ہے، دراصل اس قسم کا اعتراض کرنے والے اپنے مُلک کی معاشرت سے ناواقف رہے ہیں، شراب اور سگریٹ پینے والی عورت، نچی تراش کے نیم عُریاں ملبُوس، خواب ناک روشنیوں میں مغربی دُھنوں پر تھرکنے والے جسموں کا ہماری تہذیب سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ اور اگر کل یہی تہذیب حاوی ہو جائے تو وہ بہرحال مانگے تانگے کی چیز ہوگی۔ جس کا ہندوستانی عورت سے کوئی تعلق نہ ہوگا جس کے ساتھ لوک لاج کے بندھن ہیں۔

آیئے، جی چاہتا ہے کہ " گھر آنگن " کی وہ رُباعیاں آپ کو سُناؤں جو مجھے خاص طور پر پسند آئیں جن کی تشریح و تفسیر ایسی ہی ہے جیسے خوشبُو کی جُستجو میں کوئی پھُول کی پتّی پتّی بکھیر دے، لہٰذا مُشک کی طرح اِن رُباعیوں کو آپ کے آگے پیش کرتا ہوں ؎

شانوں پہ مہکتا ہُوا زُلفوں کا دُھواں
مُکھڑے پہ کھِلی ہوئی چنبیلی کا سماں
گُلنار جو ساڑی ہے تو نیلی چولی،
تجھ پہ تو اساوری کا ہوتا ہے گُماں

پانی کبھی دے رہی ہے پھلواری میں
کپڑے کبھی رکھ رہی ہے الماری میں
تو کتنی گھریلو سی نظر آتی ہے
لپٹی ہوئی ہاتھ کی دُھلی ساری میں

کب پورے ہوں جانے ترے ارماں ترے خواب
کب جانے کٹے یہ تنگ دستی کا عذاب
کب آئے نہ جانے وہ فراغت کی گھڑی
لکھنا نہ پڑے جب تجھے پیسوں کا حساب

اک بار خلا میں ذہن کھو جاتا ہے
جاگا ہوا ہر خیال سو جاتا ہے
تو مجھ سے ذرا بھی تُرش ہو جائے اگر
ہر کام سے جی اُچاٹ ہو جاتا ہے

اب تک وہی بچنے کی سمٹنے کی ادا
ہر رات مناتا ہے مرا پیار تجھے
سمجھا تھا تجھے جیت چکا ہوں لیکن،
لگتا ہے کہ جیتنا ہے ہر بار تجھے

وہ کون سے رنگ کا دوپٹہ اوڑھے
چندری تو کبھی کی ہو چکی ہے چوری
ساجن سے کھڑی پوچھ رہی ہے کب سے
سینہ کو ہتھیلیوں سے ڈھانپے گوری

کہتی ہے کہ وحشت کی بھی حد ہوتی ہے
کپڑوں کا بھی تم ہوش بھلا دیتے ہو
جب دیکھو گریبان کھلا رہتا ہے
کیا جانے بٹن کہاں گرا دیتے ہو

اِدھر آپ کی شاعری نے جو کروٹ لی ہے وہ غضب کی کشش رکھتی ہے، خصوصاً آپ کی تازہ غزلیں ۔ غزل کمبخت بھی کیا چیز ہے، وہی مطلع، وہی مقطع، وہی طاق اشعار، وہی ردیف و قافیہ، مگر جب دل کی بات ڈوب کر کہی جائے تو یہ صنف شاعر کی کنیز بن جاتی ہے ۔ آپ کی نئی غزلیں بے پناہ ہیں، وہ نہ کلاسک کی یاد دلاتی ہیں جیسے فیض کی غزلیں اور نہ جگر یاد آتے ہیں اور نہ ہی فراق کی طرف دھیان جاتا ہے، آپ کی نئی غزل پڑھ کر آپ ہی یاد آتے ہیں ۔ "لگے ہے مجھے"۔ "ہر کرم چھوڑ آیا تھا"۔ "پیاس لگے"۔ "بہادی جائے"۔ "رات گئے"۔ "غزالوں کی طرح"۔ "کھڑکیاں ہم سے"۔ "چولی میں کیسے گھنے اُجالے"۔ "زمانے کے لئے ہیں"۔ "وعدہ خلافی نہیں ہے یہ"۔ کتنی غزلیں گنواؤں ع

"کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست" ▲ نیازمند، شاذ تمکنت

الحاج رضی الدین معظم
بی کام ایل ایل بی (عثمانیہ)

حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہا

عورتوں میں عزتِ نفس، خودداری، صدق وعفاف اور شوقِ جہاد پیدا کرنے والی عورت

حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہا انصار کے ممتاز ومعروف قبیلہ بنو اسلم کی خاتون تھیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت سہیل بن عمر سرزمین حجاز مقدس کے مشہور تاجر اور قبیلہ اسلم کے سردار تھے۔ بعد ہجرت مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ ان کا قبیلہ مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلہ پر رہتا تھا۔ مگر یہ خود مدینہ طیبہ میں رہا کرتی تھیں۔

حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہا نہایت سنجیدہ حسین جمیل لئیق و فائق تھیں جو باتیں ایک سراپا جمال عورت میں ہونی چاہئیں وہ سب کی سب بدرجہ کمال موجود تھیں۔ نہایت مخمورہ پر کیف آنکھیں، سرخ و سفید رنگ دلکش چہرہ اور نازک طبع سلیم ذہن رسا فکر بلیغ اور عقل نکتہ سنج تھی اور اس لحاظ سے قبیلہ بنو اسلم میں ان سے اعلیٰ اور ممتاز کوئی اور عورت نہ تھی۔ شعر وسخن سے بھی بے حد دلچسپی رکھتی تھیں اور ان کے اشعار درد آلود ہوتے تھے حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ پیدائش یکم شعبان ہے۔

تبلیغ اسلام:۔ حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہا کو اشاعت اسلام سے بے پناہ دلچسپی تھی ان کا یہ معمول تھا کہ مہینہ میں دو مرتبہ مختلف قبائل کی خواتین کے پاس جایا کرتی تھیں اور ان کے سامنے اسلام کے فضائل و محاسن بیان کرتی تھیں ان کی تقریر و وعظ نہایت اثر انگیز وجد آفریں ہوتا تھا جب وہ محفل خواتین میں وعظ کے لئے تشریف فرما ہوتی تھیں تو ایک عجیب اثر طاری ہو جاتا۔ اور جب تک وعظ ختم نہ ہو جاتا تھا، عورتیں ہمہ تن متوجہ رہتی تھیں۔ اس کمالِ خطابت کے ساتھ ان کا طرز عمل ہر ادنیٰ و اعلیٰ کے ساتھ بے انتہا والہانہ محبت رہا تھی۔ جب آپ کو یہ معلوم ہوتا کہ فلاں قبیلہ کی عورت بیمار ہے اور اس کا کوئی ہمدرد نہیں ہے تو وہ بیقرار دیتا بانہ اس کے یہاں پہونچ جاتیں۔ اور جب تک اسے آرام نہ ہوتا روزانہ بلا ناغہ اس کے لئے کھانا وغیرہ بھیجتیں اور اس کی تیمارداری کا فرض انجام دیتی تھیں۔ ان کی یہ ہمدردی مسلم عورتوں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ وہ ہر قوم کی غریب عورت کی خدمت اپنا فرض سمجھتی تھیں۔ اور ان کی اس ہمدردی کی وجہ سے تمام قبائل کی عورتیں ان کی بے انتہا عزت و احترام کرتی تھیں

حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت عبد اللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان فرماتی ہیں کہ حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ خلیق جمیل لئیق فائق

ممتاز ہمدردانہ جفاکش کسی عورت کو نہیں دیکھا۔ وہ بے انتہا ذہین تیز طبیعت اور انکسار پسند تھیں۔ انھیں اشاعت اسلام کے لئے ایسا عشق تھا ان کی سعیٔ حسنہ سے تقریباً ایک سو بارہ عورتیں مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ وہ اگرچہ ایک دولت مند باپ کی صاحبزادی تھیں مگر ان کے مزاج میں نخوت وغرور کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ آپ کا حافظہ اس قدر تیز تھا کہ کسی بات کو غور سے سننا اور حفظ ہو جانا یہ دونوں باتیں آپ کے واسطے ایک تھیں۔

عقدِ مسعود:- حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت جریر بن عبداللہ کے ساتھ عمل میں آئی جو یمن کے شاہی خاندان کے ایک فرد اور قبیلہ بنو عامر کے سردار تھے۔ حضرت جریرؓ قبول اسلام کے لئے حضور مصلح المعظم رسول معظم ممتاز الدنیا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا "کیسے آنا ہوا؟" حضرت جریرؓ نے عرض کیا "قبول اسلام کے لئے حاضر ہوا ہوں۔" حضور ممتاز الدنیا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بیٹھنے کے لئے اپنی چادر بچھا دی اور صحابۂ کرام سے فرمایا "جب تمہارے پاس کسی قوم کا سردار آئے تو اس کی مناسب تعظیم کرو۔" اس کے بعد حضرت جریرؓ نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا اور عرض کیا میں مقدس مذہب دین اسلام پر بیعت کرتا ہوں، میں ہمیشہ اسلام کا وفادار رہوں گا
(اصابہ جلد اول صفحہ ۲۴۲)

حضرت عبداللہ بن عمر بیان فرماتے ہیں کہ حضرت جریرؓ نہایت ذہین تیز طبیعت جری اور بیباک تھے حق جل جلالہٗ نے ان کے پہلو میں ایک ایسا دل عطا کیا تھا جو عدل وانصاف رحم وکرم اور جرأت وشجاعت سے معمور تھا۔۔۔ انہی فضائل ومحاسن کی وجہ سے حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہا کو ان سے بے پناہ محبت تھی اگر وہ کبھی بیمار ہو جاتے تو حضرت ناجیہ نصف بیمار ہو جاتی تھیں اور ہر وقت پریشان رہتی تھیں۔ حضرت جریرؓ کسی قدر تیز مزاج تھے لیکن حضرت ناجیہ نے اپنی مخلصانہ خدمات اور اپنی روشن خیالی سے ان کے دل کو فتح کر لیا تھا اور وہ ہر بات میں ان کی رضامندی کو سامنے رکھتے تھے (طبقات ابن سعد جلد اوّل صفحہ ۲۵۸)

مجاہدانہ خدمات:- حضرت ناجیہ اسلام کی ایک جانباز سرفروش خاتون تھیں اکثر وبیشتر معرکہ آرائیوں میں انہوں نے اسلام کی پرجوش خدمات انجام دیں ان کا یہ معمول تھا کہ جب حق وباطل کی جنگ شروع ہوئی تو بے باکانہ میدان جنگ میں پہونچ جاتیں۔ اور زخمیوں کی مرہم پٹی اور مجاہدین اسلام کے کھانے کا انتظام خود اپنے ذمہ لے لیتیں۔

جنگ یرموک ایک ایسی عظیم تاریخی جنگ ہے جس میں پہلی بار حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہا کی تلوار بے نیام ہوئی اور اس معرکہ میں انہوں نے حیرت آفریں انداز میں داد شجاعت حاصل کی۔ اس جنگ کے آغاز میں مسلمانوں کے دو عظیم سپہ سالار شہید ہو گئے تھے۔ حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جریرؓ نے یہ صورت حال دیکھ کر پوری قوت کے ساتھ حملہ کیا نہایت خونریز جنگ ہوئی تھی۔ دشمن کی فوج جب پیچھے ہٹتے ہٹتے سپہ سالار کے پاس پہونچی سپہ سالار سواری سے اتر پڑا اس نے پورے استقلال کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کیا اس کے ساتھ دوسرے افسران فوج بھی آگے بڑھے اور کامل شدت کے ساتھ لڑائی شروع ہو گئی۔ چند منٹ کے بعد حامیان باطل کا ایک اور امدادی دستہ بھی پہونچ گیا۔ اب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اس نازک اور خطرناک موقعہ پر حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہا نے مجاہدین کو مشورہ دیا کہ میمنہ کی جانب سے دشمن کے قلب پر متفقہ حملہ کرو۔ مجاہدین نے اس مشورہ پر عمل کیا اور اس تدبیر کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ دشمن کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور وہ نہایت بے ترتیبی کے ساتھ پیچھے ہٹتے گئے اس پسپائی کے موقعہ پر حضرت ناجیہ نے دشمن کے سپہ سالار پر نہایت سرفروشانہ حملہ کیا۔ اور پہلے ہی وار میں اس کا خاتمہ کر دیا۔ پھر دشمن زیادہ دیر تک میدان میں نہ ٹھہر سکا اور پریشان ہو کر بے تحاشہ بھاگا۔

جنگ یرموک کی فتح کے بعد

روح پرور تقریر: حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہا مع اپنے شوہر کے مدائن پہنچے وہاں آپ نے ایرانی خواتین کے ایک عظیم الشان اجتماع میں ایک روح پرور تقریر فرمائی جس کی شرح یہ ہے:۔

ہر طرح کی تعریف خدائے قدوس
کے لئے ہے جو واحد و یکتا ہے۔
ارض و سما کا مالک ہے اس کا
کوئی شریک نہیں اور اس کے
سوا کوئی معبود نہیں۔ جب کوئی
گنا ہگار آدمی اس کے آگے
توبہ کے لئے سر جھکاتا ہے
تو وہ قدوس حق نواز اس کے
گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور
اس پر اپنی رحمت کے دروازے
کھول دیتا ہے۔

اما بعد! محترم بہنو! آج میں آپ کو اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ حالات سنانا چاہتی ہوں امید ہے کہ آپ اطمینان کے ساتھ میرے بیان کو سنیں گی۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے تشریف لانے سے پہلے اعراق، شام، اور ایران وعرب میں جہالت کی گھٹائیں چھا رہی تھیں اور ہر طرف ظلم وستم کی حکمرانی تھی انسانیت کے حقوق پامال ہو گئے تھے۔ عورتوں کا درجہ جانوروں سے بھی بدتر تھا وہ کبھی "شیطان" سمجھی جاتی تھیں تو کبھی "پتھر" اخلاقی قوانین درہم برہم ہو گئے تھے۔ اور برے کاموں سے کوئی شرمندہ نہ ہوتا تھا۔ ان حالات میں حضور آقائے نامدار رسول معظم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی پاک اور مقدس تعلیمات سے ظلم وستم اور کذب و فریب کا خاتمہ کیا اور جاہل وحشیوں کو انسان کامل بنایا۔ طبقہ نسواں کی مظلومیت حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ حضور مصلح اعظم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو خاک ذلت سے اٹھا کر آسمان عظمت پر پہونچایا۔

محترم بہنو!

میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ تم غلط راستہ چھوڑ کر صحیح راستہ اختیار کرو۔ تاریکی سے نکل کر روشنی میں آ جاؤ۔ اللہ بھی تمہارا مددگار ہوگا۔

حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہا کی ان تبلیغی مساعی سے بہت سی عورتیں و مرد مشرف بہ اسلام سے بہرہ اندوز ہوئے۔

راہی ستاروی

میری ادیبہ بیگم!

میری بیگم ادیبہ ہیں۔ میں اُن کے متعلق ان کی تصنیف یا مضامین پر اظہارِ رائے کروں، یہ اُنھیں قطعی پسند نہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ مجھ میں مضمون نگار ہونے کے Talents نہیں ہیں۔ اور مجھ جیسی شخصیت اس میدان میں اُتر کر باعثِ ننگِ ادب ثابت ہوگی۔ میں اُن کی ہر بات کا قائل ہوں۔ کیونکہ وہ ہندوستان کی مشہور ادیبہ اور کہاں میں ... ایک مُبتدی مضمون نگار!

لیکن اِس بار اِس مظلوم دِل نے اُن کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا ہے کہ اُن کے نجی حالات قارئین کے سامنے پیش کر کے دادِ تحسین حاصل کروں۔ پھر میری بیگم کے متعلق مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے۔

ایک دِن جب وہ حسبِ معمول کھانے کا آرڈر دے کر پریس چلی گئیں تو میں نے مشین کی طرح ہاتھ پاؤں ہلا کر کھانا تیار کیا۔ آج جلدی کی تاکید نہ تھی۔ کیونکہ بیگم صرف دال چاول، کلونجی اور ٹماٹر کی چٹنی بنانے کا فرمان جاری کر گئی تھیں۔ اُن کے آنے سے قبل رسوئی تیار کر کے تمام چیزوں کو چکھ کر بھی دیکھ لیا تھا کہ سب کی لذّت بیگم کی پسندِ خاطر ہے یا نہیں۔ اس اطمینان کے بعد رسوئی گھر میں کاغذ قلم لے کر بیٹھ گیا، اُن کے متعلق کچھ لکھنے کے لیے۔

یہ میں ہی جانتا ہوں کہ بیگم کو مُوڈ کب آتا ہے ——— کھانے کی میز پر ٹھیک نصف کھانا کھا چکنے کے بعد ——— وہ نظریں جما کر مُسکاتی ہوئی کہیں گی، ڈیر انعام دار! ——— اور میں فوراً کاغذ پنسل لے کر اُن کے سامنے باادب کھڑے ہو کر اُن کا فرمان تحریر کرنے کے لئے مُستعِد رہتا ہوں ـــ

شادی کے بعد کچھ دنوں تک تو بڑی پریشانی رہی کہ کاغذ قلم
کے لیئے دَوڑنا پڑتا ۔ اور بعض اوقات تلاش کے باوجود کاغذ
قلم نہ مِلتا تو بیگم مُوڈ آوٹ ہو جاتیں اور مجھے بھی اپنے آپ پر
غُصّہ آتا ۔ مگر اب میز پر ہی نوٹ بُک اور قلم لیئے بس اشارے
کا مُنتظر رہتا ہوں ۔ بیگم کے لیئے چاول کی دو پلیٹ ہوتی ہیں ایک
پلیٹ یعنی نصف کھا چکنے کے بعد بقیہ دوسری پلیٹ سے پروستا
ہوں ۔ اگر ایسا نہ کروں تو یقین کیجیئے کہ اُن کے مُوڈ کے ساتھ
صحت بھی بگڑ جائے اور ساتھ ہی میری پریشانیوں میں اضافہ ۔

ابتدا میں اتنی دیر (بیگم کے کھانے تک) کھڑے ہونا
گراں گزُرتا تھا ۔ لیکن ہولے ہولے عادت پڑ گئی ۔ بیگم کا قول
ہے کہ ' جب آپ سامنے ہوتے ہیں تو مجھ پر الہام ہوتا ہے
اور لکھتے وقت اُن کی میز کے سامنے چُغد کی طرح بیٹھ کر
جمائیاں لیتے لیتے نشِست پوری کرتا ہوں ۔ واقعی وہ مجھ
سے بے انتہا محبّت کرتی ہیں ' جیسے بحیرۂ عرب بمبئی کے
ساحل سے ' اور ریلوگیٹ کا لائٹ ہاؤس اُس کی موجوں سے !
وہ میری ہر نظر کا اپنے موٹے موٹے رَس بھرے ہونٹوں کی مسکراہٹ
سے استقبال کیا کرتی ہیں ۔ میری محبّت کا ثبوت اس بات
سے بھی مِلتا ہے کہ انہوں نے زیرِ طبع تصنیف " نیا تصوّر نئے
انسان " میرے نام معنون کی ہیں ، جس کے سرورق پر تحریر
ہے : " اپنے عزیز شوہر کے قدموں میں "۔

اشاعت کے بعد ایک نُسخہ میرے ہاتھ میں دیتے
ہوئے بولیں : " لیجئے آپ ہی کی خدمت میں پیش کیا ہے اسے"۔
اور مَیں خاموش کھڑا مُسکراتا رہا جیسے بچّہ مٹھائی پانے کے
بعد ۔۔۔ ایسے موقعہ پر شکریہ کے دو لفظ بھی ادا کرنے
کی نہ سُوجھی ۔ اُن کا مُسکراتا ہوا چہرہ دیکھ کر جی چاہا کہ اُنھیں
سینے سے لپٹا کر گود میں اُٹھا لوں ۔ مگر میری جرأت کو میرے
لاغر جسم نے خطرہ کا الارم بجا کر خبردار کر دیا کہ جنابِ مَن '
بیگم کا وزن مجھ سے ڈیڑھ مَن زیادہ ہے ۔

رہن سہن کا معیار بڑا اُونچا ہے بیگم کا ــــ چھوٹی موٹی
باتوں پر فوری متوجہ ہو کر اُلجھ جاتی ہیں ۔ سویرے گُلدانوں میں
تازہ پھُول نظر نہ آئیں تو ناراض ہو جاتی ہیں ۔ گندے سلیپر
یا چادر دیکھنا پسند نہیں کرتیں ۔ بسترِ استراحت سے اُٹھنے سے
قبل دو بار گرم گرم کافی پینے کی عادی ہیں ۔ صُبح اُٹھتے ہی بجُز
میرے کسی کی صورت دیکھنا گوارا نہیں ۔ نوکرانی کو مشکوک نظر سے
دیکھتے ہوئے ہمیشہ سخت سُست کہنا اُن کے معمول میں داخل
ہے ۔ اس لیئے کوئی ملازمہ ماہ دو ماہ سے زیادہ رُکتی نہیں '
اور مجھے زیادہ پریشان ہونا پڑتا ہے ۔ یہ سب کرتے کرتے
میں عاجز آ گیا ہوں ۔ کبھی کبھی جی میں آتا ہے کہ اکیلے کہیں بھاگ
جاؤں ۔ مگر میرا دِل مجھے تسلّی دیتا ہے کہ آخر " میں ایک ادیبہ
کا شوہر ہوں "۔

" قدرت کی تخلیق ، کائنات کا منشا اور مادّی ترقی یافتہ
زمانے میں سائنس اور جراحت کے نئے عمل " اِس تضاد میں
بیگم کے خیالات بہت ہی بلند اور عام عقلِ انسانی سے بالاتر
ہیں جو کہ انہوں نے اپنی تصنیف " نیا تصوّر نئے انسان " میں
منضبط کیئے ہیں اور اُن کے جواز میں جو تاویلات پیش کی ہیں اگر
وہ قابلِ قبول نہیں تو قابلِ تفریق بھی نہیں ہیں ۔ لیکن ذہن '
فکر رسا کی گرفت کر لیتے ہیں ۔ آل انڈیا ویمنس فیڈریشن
نے انھیں عصرانہ پیش کیا ۔ کئی ادبی اداروں نے اُن کے اعجاز
میں استقبالیہ پروگرام کیئے ۔ بزمِ نسواں مہاراشٹر کی شاخوں
نے کئی جگہ اجلاسِ تہنیت مُنعقد کیئے ۔

وہ کہتی ہیں کہ زمانے کے ساتھ ساتھ عورت اور مرد میں ترقی لازمی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو دُنیا کی ترقی معکوس ہو جاتے۔ نجی زندگی میں بھی ہمارے فرائض کا معیار بلند ہونے کی خاطر عورت کو مَرد کا مَرد کو عورت کا رُوپ قبول کرنا ہوگا۔ آج عملِ جراحت بھی اُس سمت جانے کے لئے ہماری معاونت کر رہا ہے اور ان مواقع سے مُستفید نہ ہونا کُفرانِ نعمت کے مترادف ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے اوّل ظاہرہ دکھاوے یعنی مخلوط شکل وصورت کو اہمیت دینا ضروری ہے۔ نیز اپنے خیالات بدلنے ہوں گے تاکہ زَن ومَرد کی شکل وشباہت میں یکسانیت پیدا ہو۔ عملِ جراحت کے ذریعہ تبدیلِ جنس کرانے سے پیشتر لباس وغیرہ پہننے کا طریقہ سیکھنے اور اس کا عادی بننا چاہیئے تاکہ تبدیلِ جنس کے بعد عورتوں کو مردانہ لباس اور مردوں کو زنانہ پوشاک پہننے میں خلافِ فطرت شرم وحیا محسوس نہ ہو۔ اور وہ اس کے متحمّل بَن جائیں، ورنہ ہمارا داخلی وخارجی توازن بگڑ جائے گا۔ جیسے ڈرامہ "لیڈی لیلیٰ مجنوں" میں مجنوں کا پارٹ ادا کرنے والی اداکارہ کا ـــــ ٹھیک اس کے برعکس اُس مرد کی حالت کیا ہوگی جو زنانہ لباس پہن کر نقلی بالوں کا خول چڑھائے "زنانہ مشاعرے" میں جائے۔ اِس لئے اس فرق کو مٹا کر اِشتراکیت کے لئے ایک دوسرے کے داخلی و خارجی تاثرات میں ہم آہنگی پیدا کرنا لازمی جُزو ہے، جس سے فریقین میں احساسِ کمتری واحساسِ برتری کا سدِّ باب ہو اور اجنبیت کے خاتمے کے ساتھ کوئی مشکوک پہلو باقی نہ رہے۔

خاندانی منصوبہ بندی کے متعلق اپنی رائے کا اظہار یُوں کرتی ہیں کہ اولاد کی فراوانی عورت کی صحت، عُمر اور حُسن کو تباہ کر دیتی ہے اور زندگی کی حقیقی مسرّتوں سے محروم ہونے کے علاوہ شوہر کی محبت کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔ عملِ جراحت سے صنفِ نازک کی عصمت پر مشکوک نظر رکھنے والے مردوں کی بھی کثرت ہے۔ مگر وہ خود ہی اس مذموم فعل کے مرتکب ہیں۔ جس کا انھیں وہم وگمان تک نہیں ہوتا۔

انھیں اس بات کا بھی ازحد افسوس ہے کہ مردُ عصمت کے اتہام سے بَری ہیں۔ لہٰذا انھیں بھی اپنی عصمت کی حفاظت کا پابند کرنے کے لئے سماج کو مجبور کرنا چاہیئے۔ سماج نے انھیں گُناہ کرنے کی جو آزادی دے رکھی ہے اُسے باطل قرار دینا عورتوں کا پیدائشی حق ہے۔ آل انڈیا ویمنس فیڈریشن اُن کی ان تجویزوں کی تائید میں آل انڈیا پیمانے پر تحریک چلانے کی قرارداد منظور کر چکی ہے۔

آپ فرماتی ہیں کہ قدرت نے اپنی مخلوقِ حیوانی کو ایک ہی وضع بخشی ہے جس سے ان میں یگانگت پائی جاتی ہے تو پھر مخلوقِ انسانی ہی مختلف لباس میں کیوں۔ خواہ مَرد ہو یا عورت سب کا ایک ہی لباس ہونا چاہیئے۔ اس سلسلے میں اپنی ادیبہ بہنوں سے صلاح مشورے کے بعد ہاؤس آف فیشن کی خدمات حاصل کی گئی ہیں تاکہ بلاتفریقِ مذہب ہر مکتبِ خیال کے دونوں جنسوں کو قبولِ خاطر اور ہم آہنگی پیدا کرنے والے لباس مُروّج کیئے جائیں۔

اپنی تصنیف کا اختتام کرتے ہوئے فرماتی ہیں، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ قدرت نے مجھے اپنے خیالات اور تصوّرات کے عین مطابق باعصمت اور فرماں بردار شوہر عطا کیا، جن کی قُربت باعثِ الہام اور تسکینِ رُوح ہوتی ہے۔ مجھے ناز ہے اُن کی محبّت وشفقت پر کہ اگر ایک طرف امریکہ کی صدارت رکھی جائے اور دوسری طرف میرے شوہر کو رکھ دیا جائے تو مجھے اپنے (۴)

(۴) ادب نواز شوہر کے انتخاب میں ہرگز پس وپیش یا تامّل نہ ہوگا۔ ▲

سوبھاگیہ وتی نلینی ڈیلولے
ترجمہ: مہر دہلوی

کشمیر میں عورت کی زندگی

"یہ وادیٔ کشمیر ہے جنّت کا نظّارہ"

کشمیر کو ہندوستان کا باغ یا جنت کہا جاتا ہے۔ اس گلشن میں قطرت کے حسن کا ہر نظارہ دلوں کو راحت اور نگاہوں کو تازگی بخشتا ہے۔ اسی طرح کشمیری عورت بھی اس حسین خطہ کے بالکل شایان شان ہوتی ہے۔ کشمیری عورتیں عموماً درمیانی قد اور چھریرے جسم کی ہوتی ہیں ان میں موٹاپا کم پایا جاتا ہے۔ ستواں ناک، آبدار موتی جیسی آنکھیں کشادہ پیشانی اور بھرے بھرے رخسار۔ ان کا گورا رنگ یورپین عورتوں سا سرخی مائل نہیں۔ چینی یا جاپانی عورتوں کی طرح زردی مائل بھی نہیں۔ ان کے گورے پن میں زعفرانی رنگ جھلکتا ہے۔ جو خاص کشمیری حسن کی علامت ہے۔ کوئی سیاہ فام عورت کشمیر میں بہ صد تلاش نہ ملیگی۔

کشمیری عورتوں کا عام لباس شلوار، اور جبہ یا قمیص ہوتا ہے۔ قمیص کی آستینیں کافی ڈھیلی اور لمبی ہوتی ہیں۔ ان آستینوں پر بیل بوٹے بنائے جاتے ہیں۔ لمبی آستینوں کی وجہ ہاتھوں کے نیچے چھپے رہتے ہیں۔ اور سخت سردی میں ان کی حفاظت ہوتی ہے۔ سر سے ترنگا یعنی رومال باندھتی ہیں جس سے نہ صرف چہرہ کھلا نظر آتا ہے۔ ترنگا کے کونے چوٹی کی طرح پیٹھ پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔

مسلم عورتیں بھی سر پر رومال باندھتی ہیں لیکن ذرا علیحدہ طریقہ سے ان کی پیرہن ہندو عورتوں کی قمیص سے کچھ کم لمبی ہوتی ہے۔ شلوار دونوں کی یکساں ہوتی ہے۔ اب کشمیری عورتوں میں بھی ساڑی باندھنے کا رواج ہوگیا ہے جس پر جاکٹ یا کوٹ پہنتی ہیں۔ مسلمان عورتیں برقعہ کی سخت پابند ہیں۔

موسم گرما میں کشمیری عورتیں سبزیاں سکھا کر رکھتی ہیں جو موسم سرما میں کام میں لائی جاتی ہیں جہلم کے کنارے بسنے والی عورتیں بمٹاٹر وغیرہ کاٹ کر سکھا لیتی ہیں۔

کوکن میں ناریل کا پانی، مدراس میں کافی، پنجاب میں لسی، اسی طرح کشمیر میں قہوہ مشہور ہے۔ جس میں دارچینی الائچی شکر۔ اور بادام کا سفوف ملاتے ہیں۔ چائے کے پتے تازہ اور مسلم ہی استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے اس چائے کا ذائقہ نرالا ہوتا ہے۔ غریب لوگ نمکین چائے پیتے ہیں۔

کشمیری عورتیں سر سے پیر تک زیورات سے لدی رہتی ہیں۔ یہ زیورات اپنی اپنی حیثیت کے مطابق سونے، جواہر چاندی، پیتل اور سیسے وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں بنگل، گوکس وغیرہ چوڑیوں کی قسمیں ہیں۔ گلے میں حلقہ بند، لقروال، تیلر وغیرہ پہنتی ہیں۔ ناک پر چکی

ہوتی ہے۔ قمیص میں چاندی سونے کے بٹن ہوتے ہیں۔ سر
کے بالوں میں چاندی کے نقش دار کانٹے اوڑھنی میں ساڑی پن
ہیرے جواہر جڑی انگوٹھیاں غرض سترہ سو ساٹھ اقسام کے زیورات
سے سجی رہتی ہیں۔ ان عورتوں کے کان متعدد جگہ چھدے ہوئے
ہوتے ہیں۔ کانوں میں دوہری بالیاں، کئی قسم کے کرن پھول
ہوتے ہیں۔ سہاگ کی علامت کے طور پر بھی یہ مخصوص کرن
پھول استعمال ہوتے ہیں۔ کشمیری عورتیں بچی سے بوڑھی تک
بالوں کی دو چوٹیاں بنا کر گجرے سے سجا کر پیٹھ پر لٹکا دیتی
ہیں۔ کشمیری عورتوں سا سنگار شاید ہی کہیں نظر آئے۔ اس
سجاوٹ سے ان کے ذاتی حسن پر چار چاند لگ جاتے ہیں۔

کشمیر میں گلاب کے پھول کی ہر طرف کثرت ہے۔
گھر میں گلاب آنگن میں گلاب، کھیتوں میں گلاب، اور
کھیتوں کے منڈیروں پر گلاب ہی گلاب نظر آتے ہیں۔
مردوں کے کوٹ اور عورتوں کے بالوں میں گلاب کی کلیاں
اپنی بہار دکھاتی رہتی ہیں۔ اور خواتین کے گلابی گورے
گالوں پر تو وہ ہر وقت کھلے رہتے ہیں کشمیر پھولوں کی جنت
ہے اور وہ پھول بے حد خوشنما ہوتے ہیں۔ ان میں کنکر
پھول ہمارے یہاں کے گل بکاولی کی طرح ہوتے ہیں۔ جو بالکل
چھوٹے اور دودھ جیسے سفید ہوتے ہیں۔ اور ان میں بڑی روح
پرور مہک ہوتی ہے۔ بعض عورتیں کنکر پھولوں کی لڑیاں اپنے
بالوں میں باندھ لیتی ہیں۔ اور بعض ان کے گچھے لگاتی ہیں۔
جو بڑے دلکش نظر آتے ہیں۔

بھارت کے مختلف تہواروں کی طرح یہاں بھی
تہوار منائے جاتے ہیں۔ جس میں عورتوں کو زیادہ انہماک سے
حصہ لیتے ہوئے پایا گیا ہے۔ وہ گاتی ہیں۔ رقص کرتی ہیں اور
اپنے جوش مسرت کا اظہار کرتی ہیں کشمیری عورتیں اپنی
دستکاریوں میں ید طولیٰ رکھتی ہیں۔ ٹوکریاں چٹائیاں چلمنیں
بنتی ہیں۔ شالوں دوشالوں اور مختلف قسم کے کپڑوں پر
کشیدہ کاری کرتی ہیں۔ بھرت کام میں ان کو بڑی مہارت
حاصل ہے۔

لکڑیاں کاٹنا کشمیر کا ایک مخصوص پیشہ ہے کشمیری مرد
لکڑی کاٹ کر اس کے "طراخے" بیڑے بنا کر ندی میں تیراتے
ہیں۔ اس قسم کے طراخے (بیڑے) چلانے والی عورت جہلم
میں نظر آتی ہے۔

دھان کے کھیت میں پودے لگانے کا کام کشمیری
عورتیں انجام دیتی ہیں۔ دھان کوٹنا، چاول پالش کرنا وغیرہ
کام بھی وہی کرتی ہیں۔ محنت کے کام گانے گنگناتے تال بجاتے
ہوئے وہ تکان ہلکی کرتی ہیں۔ سبزیاں پھل پھول توڑ لانا اور پھر
فروخت کرنا، کھیت مزدوری کرنا۔ جانوروں کے گھاس کاٹنا
اور گرہستی کے کام وہی کرتی ہیں۔ گل کاری۔ گل کاری کشیدہ
کاری بھرت بنائی وغیرہ انکے مرغوب مشغلے ہیں۔

کشمیر کو بھارت کا باغ کہتے ہیں۔ جنت ارضی کہتے ہیں،
یہاں فطرت نے بھی زنِ کشمیر پر اچھی حسن کی بارش کر دی ہے۔
جس سے وہ اس زمین کی حور معلوم ہوتی ہیں (یہ تصنع نہیں حقیقت ہے)
اسے قدرت نے آرٹ کا تحفہ بھی دیا ہے لیکن اسے اپنی زندگی محنت
ومشقت میں گزارنی پڑتی ہے۔ اس کے آرٹ اور فنکارانہ کمال کے
قصیدے دنیا گاتی ہے اور اس کے بنائے ہوئے سامان راحت اور
زیبائش و آرائش کی چیزوں کی تعریفیں کرتی ہے اور وہ خود اپنے
شوہر کے ساتھ محنت ومشقت میں ہر دکھ اٹھا کر مسکراتی ہے ہنس
مکھ رہنا خندہ پیشانی سے پیش آنا یہ کشمیری عورت کا اصول
فطرت یا فطری جذبہ ہے۔ اس کے مزاج میں خوش مذاقی
بھری ہوتی ہے۔ اس لئے وہ ہر تکلیف پر مسکراتی ہے تاہم
اس کے تبسم میں اس کے محنت کش جیون کے کرب کی
جھلک ضرور ہوتی ہے کہ

بظاہر ہنس لیا جاتا ہے دل خنداں نہیں ہوتا

(مراٹھی سے ترجمہ)

بدیع الزماں خاور

بمبئی میں اُردو

ایک جائزہ

مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سنٹر بمبئی کے ناظمِ اعلیٰ ڈاکٹر عبدالستار دلوی رتناگری ضلع کے باشندہ ہیں۔ ان کی رفیقۂ حیات ڈاکٹر میمونہ دلوی ایک ممتاز ادیبہ اور بمبئی یونیورسٹی میں اُردو کی پروفیسر ہیں۔ ان کا آبائی تعلق ضلع رتناگری سے ہے اور اس اعتبار سے رتناگری کی سرزمین کو یہ فخر حاصل ہے کہ اردو کو ایک ہی مضمون میں پی ایچ ڈی کرنے والا "واحد جوڑا" اسی نے عطا کیا ہے۔

میمونہ دلوی نے بھی اپنے شوہر کی طرح بمبئی یونیورسٹی سے اردو میں پی۔ ایچ۔ ڈی کیا تھا۔ بمبئی میں اردو انکی تحقیق کا موضوع تھا۔ اس مضمون پر لکھا ہوا ان کا طویل مقالہ، کتابی صورت میں اسی نام سے شائع ہو چکا ہے جو اس وقت میرے سامنے ہے۔

یہ کتاب جیسا کہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہوتا ہے بمبئی کی اردو کا ایک تاریخی جائزہ ہے اس میں مصنفہ نے بمبئی میں اردو کے ۱۹۱۴ء تک کے تدریجی ارتقاء کا خاکہ پوری شرح و تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس کتاب کی ترتیب کے سلسلے میں انہوں نے جو محنت کی ہے اس کا اندازہ اس بات سے آسانی کے ساتھ لگایا جا سکتا ہے کہ ۴۳۲ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا مواد فراہم کرنے کے لئے انہوں نے سو سے زیادہ مطبوعات مخطوطات اور رسالہ جات سے استفادہ کیا ہے۔ کوئی سند حاصل کرنے کے لئے عام طور پر اتنی کڑی محنت کرنے کی مثال مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ اس دور میں جبکہ لوگ بڑی تن آسانی کے ساتھ ڈگریاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، محترمہ میمونہ دلوی کی یہ عرق ریزی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس طویل اور بسیط مقالے کی ترتیب کے وقت ان کا محض یہ ارادہ نہیں تھا کہ وہ کسی طرح پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند حاصل کر لیں۔

یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے اس کتاب سے پہلے بمبئی کی اردو پر نہ کوئی باقاعدہ تحقیق ہوئی تھی اور نہ اس موضوع پر کوئی مستقل اور مستند تصنیف منظرِ عام پر آئی تھی۔ اس لئے ہمیں یہ مان لینے میں کوئی عار نہیں ہونا چاہیئے کہ محترمہ میمونہ دلوی وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے اس کمی کو پوری شدت اور صداقت کے ساتھ محسوس کیا اور اس کی تلافی کو اپنا مقصد قرار دیکر عملی قدم اٹھایا۔

زیرِ نظر کتاب کی اشاعت سے مصنفہ کو اپنے مقصد میں تکمیل میں نصف کامیابی حاصل ہوئی ہے اور یہ نصف کامیابی اس اعتبار سے بڑی شاندار ہے کہ اس نے خود ان کو "ڈاکٹر" بنانے کے ساتھ ساتھ، تحقیق کے میدان میں ایک گراں قدر باب کا اضافہ کر دیا ہے۔

محترمہ میمونہ دلوی نے زیرِ نظر مقالہ مشہور محقق ڈاکٹر سید ظہیر الدین

مدنی کی نگرانی میں تیار کیا ہے اور اس کی تیاری کے دوران ان کو پروفیسر نجیب اشرف ندوی (مرحوم) ڈاکٹر عالی جعفری اور مولانا شہاب مالیرکوٹلوی جیسی برگزیدہ علمی اور ادبی شخصیتوں کے مشورے بھی حاصل ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ مصنفہ کے مطالعہ کی بنیادوں کے استحکام، اور ان کی معلوم کی ہوئی معلومات کی صحت میں کسی قسم کی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔ ہمیں سمجھنا کہ انہوں نے اپنی کتاب میں جو تحقیقی حقائق پیش کئے ہیں۔ انھیں کسی وقت غلط قرار دیا جا سکے گا۔ یہ اور بات ہے کہ آئندہ کوئی محقق ان حقائق کی توضیح کرے۔

"بمبئی میں اردو" کے چھ ابواب قائم کئے گئے ہیں اور اس طویل تحقیقی مقالہ کے مواد کو کتابی شکل دیتے وقت پچیس سے زیادہ ضمنی عنوانات کے تحت چھوٹے چھوٹے مضامین کے روپ میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس تقسیم کی خوبی یہ ہے کہ ہر بات دوسرے سے مربوط بھی ہے اور متنوع بھی۔ پہلے باب کے شروع میں کچھ صفحات پر پھیلے ہوئے ایک مضمون میں بمبئی کی وجہ تسمیہ کی وضاحت کرنے کے ساتھ ساتھ ۱۸۴۲ء کا مرتبہ جزائر بمبئی کا ایک نقشہ بھی شائع کیا گیا ہے۔ اس باب کے دوسرے مضمون میں ہندو دور حکومت سے برٹش حکومت تک بمبئی کی سیاسی تاریخ کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے بمبئی کی قدیم آبادی کے سلسلے میں مختلف برادریوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مصنفہ نے اس باب کے آخری مضمون میں بمبئی میں اردو کے سرپرست خاندانوں کے حالات قلمبند کرتے ہوئے محمد ابراہیم مقبہ سے عطیہ بیگم فیضی تک کی تمام اہم شخصیتوں کا ذکر تاریخی تسلسل کے ساتھ کیا ہے۔

چونکہ بمبئی میں ۱۷۹۳ء سے پہلے کے ادبی کارناموں کا اب تک کوئی پتہ نہیں چل سکا ہے۔ اس لئے مصنفہ نے اردو کے پہلے دور کو ۱۷۹۳ء سے شروع کرتے ہوئے کتاب کے دوسرے باب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے پہلے حصے میں (۱۷۹۳ء سے ۱۸۵۷ء تک) اکیس شاعروں اور تیرہ نثر نگاروں کا تذکرہ ہے۔

مصنفہ نے ہر شاعر اور ہر نثر نگار کے مختصر حالات اور اہم تصانیف کے ذکر کے علاوہ جہاں جہاں ممکن ہو سکا ہے اس کے کلام یا نثر کا نمونہ دینے کی بھی کوشش کی ہے۔ اس باب کے دوسرے حصے میں (۱۸۵۷ء کے بعد سے ۱۹۱۴ء تک) دور دوم کے ستر شعراء اور تیرہ نثر نگاروں کا تذکرہ ہے۔ دور دوم کے شعری اور نثری نمونے زیادہ تعداد میں دستیاب ہو سکے ہیں اس لئے اس دور کے فنکاروں کا انتخاب بھی معقول اور متوازن پیمانے پر شامل کتاب ہوا ہے۔ اس دوسرے باب کے دونوں حصوں کے آخر میں دیئے گئے مصنفہ کے تبصرے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ پہلے حصے میں پیش کی گئی ادبی خدمات پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے ان خدمات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے انہوں نے اس دور میں دوسرے صوبوں کی ادبی خدمات پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے اور بمبئی کے اس دور کے منظوم و منثور کارناموں پر اظہار خیال کرتے ہوئے ان کی اہمیت اور افادیت سے بحث کی ہے اور ۱۸۵۷ء تک کے بمبئی کے اردو کے ادب پر دکنی الفاظ و محاورات کے اثر کو واضح کیا ہے اس باب کے دوسرے حصے پر مصنفہ نے آٹھ صفحات کا جو تبصرہ لکھا ہے اس میں انہوں نے سر سید، حالی اور آزاد کی تحریکات کے زیر اثر بمبئی کے شعراء اور ادیبوں کے رجحانات میں تبدیلی کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔

کتاب کا تیسرا باب بمبئی کی اردو صحافت سے متعلق ہے اس میں "کشف الاخبار" سے "دستبنو" تک تمام اہم اہم اخباروں کا تفصیلی جائزہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ممتاز صحافیوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے یہ جائزہ پچاس سے زیادہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس باب کے تحت مصنفہ نے بمبئی کی اردو صحافت کے عنوان سے ایک، اور تنقیدی مضمون میں بمبئی کے اخباروں کی انفرادی خصوصیت واضح کی ہیں۔ ان کے سرپرستوں اور مرتبوں کا دیانت داری کے ساتھ ذکر کیا ہے اور بمبئی میں

یہ جائزہ پچاس سے زیادہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس کے تحت مصنفہ نے بمبئی کی اردو صحافت کے عنوان سے ایک اور تنقیدی مضمون میں بمبئی کے اخباروں کی انفرادی خصوصیات واضح کی ہیں ان کے سرپرستوں اور مربیوں کا دیانت داری کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اور بمبئی میں اردو صحافت کا معیار متعین کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

اس باب کے آخر میں ۱۹۱۲ء تک بمبئی سے شائع ہونے والے لگ بھگ سو اخباروں کی فہرست ان کے سنہ اجراء، اڈیٹر، کے نام اور مطبع کی تفصیلات کے ساتھ پیش کی گئی ہے اور بمبئی کے قدیم مطابع کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ان کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

کتاب کے چوتھے باب میں بمبئی کی علمی اور ادبی تحریکوں پر تبصرہ کرتے ہوئے، سات ضمنی عنوانات کے تحت یہاں کے قدیم گلدستوں رسالوں، انتخابی مجموعوں، علمی ادبی اور تعلیمی اداروں نیز کتب خانوں کا نہایت تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب کا پانچواں باب اردو ڈرامے کے لئے مخصوص ہے۔ اس باب میں مصنفہ نے اردو ڈرامے کے آغاز پر تحقیقی اور تنقیدی نظر ڈالی ہے اور مستند اور معتبر حوالوں کے ساتھ بمبئی میں تھیٹر اور ڈرامے کی تعمیر کا جائزہ لیتے ہوئے یہاں کی متعدد مشہور و مقبول کمپنیوں اور ان کے ذریعہ دکھائے گئے اردو ڈراموں اور ان سے متعلقہ افراد کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اس باب کے آخر میں بمبئی کے تقریباً ڈیڑھ درجن اہم اردو ڈرامہ نگاروں کے حالات و کارنامے بھی بیان کئے ہیں۔

کتاب کا چھٹا اور آخری باب کتابیات اور اشاریہ کے علاوہ لوک گیتوں سے متعلق ہے۔ مصنفہ نے اس باب کے شروع میں، عوامی زندگی اور معاشرت میں لوک گیتوں کی اہمیت کو بڑے دلچسپ انداز میں واضح کرتے ہوئے شادی بیاہ اور دوسرے موقعوں پر گائے جانے والے بمبئی کے کچھ لوک گیت جمع کئے ہیں اور ان گیتوں کے پس منظر پر روشنی ڈالی ہے۔

کتاب کے شروع سے آخر تک مصنفہ کا انداز بیان نہایت شگفتہ ہے۔ نہ صرف محققین اور ادب کے طالب علموں کے لئے بلکہ عام قاری کے لئے بھی اس میں دلچسپی کا سامان موجود ہے۔ اس کتاب کے توسط سے مصنفہ نے تحقیق و تلاش کے میدان میں اپنا کمال دکھانے کے ساتھ ساتھ اپنے تنقیدی شعور کا بھی کافی ثبوت بہم پہونچایا ہے۔ اپنے موضوع پر اولین اور اہم ترین کتاب ہونے کی وجہ سے کوئی کتب خانہ اس محروم نہ رہنا چاہیئے۔ علمی اور ادبی حلقوں میں اس کتاب کی جس قدر بھی پذیرائی کی جائے، کم ہے۔

گجرات، دکن، بہار اور بنگال کی اردو خدمات پر تحقیقی مقالے پہلے ہی لکھے جا چکے ہیں۔ بمبئی میں اردو پر ڈاکٹر میمونہ دلوی کا یہ مقالہ اس نوعیت کے ادب میں ایک یادگار اضافہ ہے۔ مہاراشٹر میں بمبئی کو ہمیشہ اردو کے ایک مرکز کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ ہماری موجودہ ادبی شخصیتوں کی غالباً سب سے بڑی تعداد بھی اسی شہر میں رہتی ہے۔

محترمہ میمونہ دلوی "بمبئی میں اردو" کا دوسرا حصہ بھی ترتیب دے رہی ہیں جس میں وہ بمبئی کی اردو کا ۱۹۱۲ء کے بعد کا تاریخی جائزہ پیش کریں گی۔ مجھے یقین ہے کہ اس حصہ دوم کے منظر عام پر آنے کے بعد بمبئی میں اردو کی تاریخ کی تکمیل مصنفہ کا ایک ایسا کارنامہ ہوگا، جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔

بقیہ خوبصورت حادثہ

ثریا کو دیکھا بیساختہ کہہ اٹھے۔ ارے یہ تو ثریا خانم ہیں۔
ضیاء الحسن نے بتایا کہ ثریا خانم ہی مس جمیلہ ہیں۔
مسٹر جمیل یہ سنکر بت بنے کھڑے رہ گئے انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خواب دیکھ رہے ہوں۔ یہ ایک حادثہ تھا لیکن کتنا خوبصورت۔

کیف کاکوروی

مرزا صاحب

مرزا صاحب کا ذکر آتے ہی یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کا تعارف کس طرح کیا جائے۔ پہلے ان کا جغرافیہ بیان کیا جائے یا تاریخ؟ داڑھی مونچھیں صاف رنگ گورا۔ پیشانی پر دو تین متوازی شکنیں جن کو اس گلوب کے عرض البلد کہنا بیجا نہ تھا۔ دہانوں کے دونوں کناروں سے دو جھریاں ٹھوڑی تک آئی ہوئیں جن میں اکثر پان کی پیک بہتی رہتی اور جغرافیہ کے جاننے والوں کے لئے طول البلد کی یاد دلایا کرتی تھیں۔ یہ تو ہو گیا ان کا جغرافیہ اور جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ؎

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو

مرزا صاحب خوش قسمتی سے اپنے آپ کو ہر فن مولا سمجھتے تھے۔ ادب، سائنس، آرٹ، علم طب اور آسیب و عملیات کے آپ ماہر ہیں ایسا ان کا خیال تھا اور اس خیال کو شب و روز اپنے دوست احباب اور ملنے جلنے والوں پر ظاہر کیا کرتے تھے۔ ان کا قلم بھی چلتا تھا۔ اور ان کی زبان بھی چلتی تھی گویا لفاظی انکی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ مرزا صاحب ہمارے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھے۔ ان کی موجودگی اور ان کی باتیں اور ان کے انداز محفل کو گل و گلزار بنا دیتے تھے۔ دو چیزوں سے مرزا صاحب کو اللہ واسطے کا بیر تھا ایک تو پان کی مذمت وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے اور دوسرے بناسپتی گھی کی تعریف سننا ان کے بس کی بات نہیں تھی، خیر!

ایسے ہی ایک دن کی بات ہے کہ ہم لوگ سیر و تفریح کا پروگرام بنا رہے تھے۔ تاکہ امتحان کے بعد کی بوریت کو ختم کیا جا سکے۔ کہ اچانک مرزا صاحب تشریف لے آئے۔ ان کی آمد ہمیں بہت کھلی۔ اس لئے کہ مرزا صاحب صرف بولنے کے عادی ہیں سننے کے نہیں۔ اور یہ بیماری اب بہت تیزی سے پھیلتی جا رہی ہے۔ . . . میرے دوست نے ان کو چھیڑنے کے لئے کہا کہ۔ ارے مرزا صاحب آئیے تشریف لائیے۔ مجھے آپ ہی کا انتظار تھا۔ بھئی مرزا صاحب ایک ڈاکٹر کا بیان شائع ہوا ہے کہ ۷۵ فیصدی دودھ سے پلنے والے جانوروں کے جسم میں دق کے جراثیم ہیں اس لئے اصلی گھی کھانے والوں کے لئے دق کا بہت خطرہ ہے۔

آتی ہے . . . . . مرزا صاحب ایکدم اکھڑ گئے۔

"اجی کیا بکواس ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ بناسپتی گھی ایک قسم کا زہر ہے۔ فالج، لقوہ، دق، سل، ملیریا، انفلوئنزا، اندھاپن، دماغی کمزوری، بھول چوک، غصہ، بدمزاجی، جنگ، نفرت، سب اسی بناسپتی گھی کی وجہ سے دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ بھئی عجیب غیر شاعرانہ حرکت ہے اس کے فروغ۔ ڈاکٹر کچھ نہیں کہتے اور اصلی گھی کے خلاف . . . . . مرزا صاحب بڑبڑاتے رہے۔

"بھئی واہ مرزا صاحب واہ مزا آ گیا بھئی آپ تو جدید شاعری کے امام نکلے، واقعی آپ نثر میں شاعری کرتے ہیں۔

بھئی میرے خیال سے ان مصرعوں کا بھی ہونا ضروری ہے۔ "اس سہمل" کے بغیر آپ کی شاعری ادھوری رہے گی کہ

کئی سال سے جو بارش ہو رہی ہے کم۔

وجہ یہ ہے کہ لوگ بناسپتی گھی میں ہیں گم۔

ایک دوست نے لقمہ دیا۔ مرزا صاحب کا پارہ ایکدم شوٹ اپ کر گیا۔ جی ہاں یہ ایک حقیقت ہے۔ اس کو کون جھٹلا سکتا ہے؟ بھئی بناسپتی گھی کھانے سے لوگوں میں طاقت کم ہو گئی ہے۔ اور اس طاقت کی فقدان کی وجہ سے لوگ محنت کم کرتے ہیں۔ نباتات کم اگاتے ہیں۔ اور اسی نباتات کم اگانے کی وجہ سے بارش کم ہوتی ہے۔

"اس کا مطلب یہ ہوا مرزا صاحب کہ آپ کی دلیل اس شعر کے مصداق ہے کہ

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا
ناحق خون پروانوں کا ہو گا

بہرکیف بحث اسی طرح چلتی رہی اور ہوا یوں کہ بادل نخواستہ پک نک کے پروگرام میں مرزا صاحب کو شامل کرنا پڑا۔ عجیب اتفاق تھا کہ جس جگہ ہمیں پک نک کے لئے جانا تھا اسی جگہ سے کسی شخص کے یہاں مرزا صاحب اصلی گھی کے خریدار تھے۔

دوسرے روز پروگرام کے تحت ہم لوگ جھیل پر پہنچ گئے۔ درختوں کے نیچے ہری ہری گھاس پر بیٹھ کر ناشتہ کیا۔ مرزا صاحب ہز ماسٹرز وائس کے ریکارڈ کی طرح بولتے جا رہے تھے اور کھاتے جا رہے تھے اور عجیب سی شکل ان کی بن گئی تھی۔ داستان شروع تو ہوئی مرزا صاحب کی عشقیہ کہانیوں سے جو جوانی سے بڑھاپے کی سرحد تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس کے بعد مرزا صاحب اپنے کارہائے نمایاں بیان کرتے رہے۔ اور تان آ کر ٹوٹی آخر اسی بناسپتی گھی پر کہ صحت کا عام معیار محض اس بناسپتی گھی سے گرتا جا رہا ہے۔ ہمارا دوست ستیش جو کہ سائنس کا لیکچرار تھا مرزا صاحب کی ان باتوں کے خلاف الجھا ہو رہا تھا اس نے نہایت سنجیدگی سے صحت عامہ کے حق میں دلائل پیش کرنے شروع کر دیئے کہ "ہندوستان میں سب سے پہلے ۱۸۸۱ء میں صحت عامہ کے اعداد و شمار جمع کئے گئے ان اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ پچھلے ۲۵ سال سے اندھاپن، بہراپن، دق غرض ان امراض میں مبتلا ہونے والوں کی تعداد کا جو اوسط فی ہزار تھا وہ کم ہوتا جا رہا ہے۔ مصنوعی گھی کو رائج ہوئے بیس بائیس برس ہوئے ہیں یہ اگر صحت عامہ کے لئے اتنا مضر ہوتا تو یقیناً عوام کی صحت کا معیار پچھلی چوتھائی صدی میں بہتر ہونے کے بجائے گر گیا ہوتا۔ اور پھر مولانا آج اصلیت ہے کہاں، آج تو زہر میں بھی ملاوٹ ہوتی ہے۔ باتوں میں ملاوٹ ہوتی ہے۔ ہمارے چہرے ملاوٹ کے نقاب میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ محبت، نفرت، وفا، دوستی، خلوص سب میں ملاوٹ ہے آپ کہاں کہاں اصلی شئے تلاش کریں گے، ستیش نے مرزا صاحب سے بحث کرتے ہوئے کہا۔

بھئی مجھے تو آپ کسی گھی کی کمپنی کے ایجنٹ معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کو حقیقت کا کیا علم اور پھر مرزا صاحب کچھ سوچ کر بڑبڑائے۔

"جواب جاہلاں باشد خموشی . . ."

واپسی پر مولانا نے اصلی گھی خرید لیا اب ستیش اور مولانا میں

پھر بحث شروع ہو گئی۔ ستیش بضد تھا کہ وہ ثابت کر کے رہیگا کہ یہ نقلی گھی ہے۔ اور ہوا بھی یہی دوسرے روز ستیش نے ہمارے سامنے ثابت کر دیا کہ اس گھی میں جو مرزا صاحب کے خیال کے مطابق جو اصلی ہے۔ وہ سراسر نقلی ہے مرزا صاحب سراپا حیرت بنے اس مصرعے کی تفسیر بنے ہوئے تھے کہ

"یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے ....

مرزا صاحب زمانہ بدل گیا ہے۔ آج تو نقلی دل تک لگا دیئے جاتے ہیں۔ آپ اصلی اور نقلی گھی کا تو چکر چھوڑیئے اپنے گرد بچھائے ہوئے محدودیت کے جال سے نکلئے۔ آنکھیں کھول کر دیکھئے دنیا کہاں جا رہی ہے اور آپ کدھر جا رہے ہیں زمانے کے ساتھ قدم ملا کر چلئے ورنہ پیچھے رہ جائیں گے۔ لوگ بڑے ظالم ہوتے ہیں۔

"مجھے معلوم ہے برخوردار سب معلوم ہے کیا تم سمجھتے ہو کہ میں نے زندگی کے یہ دن یوں ہی گزارے ہیں۔ سب جانتا ہوں، سب سمجھتا ہوں مگر جان بوجھ کر دھوکا کھا رہا ہوں جب اصلیت اس دنیا سے رخصت ہوتی جا رہی ہے۔ چاہے وہ نفرت کی ہو محبت کی ہو، ذرّ کی ہو، خلوص کی ہو، تو پھر اس اصلیت کا تصور کرنے میں کیا ہرج ہے۔ خواب دیکھنے پر تو کوئی پابندی نہیں ہے نا؟ میں تو اپنی حماقتوں، اپنی باتوں، اپنی حرکات سے صرف آپ لوگوں کو بہلاتا ہوں کہ جینے کا یہ بھی ایک انداز ہے۔ اس میں میں خود بھی بہل جاتا ہوں۔ بھئی — ہماری تو یہ حالت ہے کہ

یہ تو انسانوں کے ٹوٹے ہوئے دل ہیں ساقی
ہم سے ٹوٹے ہوئے ساغر نہیں دیکھے جاتے

مرزا صاحب بولتے رہے اور ہمیں احساس ہوا جیسے ہم مرزا صاحب سے آج تک دور تھے آج ان کے بالکل قریب پہنچ گئے ••

بیان بابت ملکیت و دیگر تفصیلات

بابت ماہنامہ "بنتِ حوّا"

نام اخبار : "بنتِ حوّا"

مقامِ اشاعت : ۲۶۔ کمرشیل چیمبرس کارنر آف محمد علی روڈ۔ یوسف مہر علی روڈ۔ بمبئی ۳

وقفۂ اشاعت : ماہانہ۔ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو

زبان :- اُردو

نام پرنٹر : مسز مفیدہ خان

قومیت : ہندوستانی

پتہ : ۲۶۔ کمرشیل چیمبرس۔ کارنر آف محمد علی روڈ۔ و۔ یوسف مہر علی روڈ۔ بمبئی ۳

نام پبلشر :- مفیدہ خان

قومیت : ہندوستانی

پتہ : ۲۶۔ کمرشیل چیمبرس۔ کارنر آف محمد علی روڈ۔ و۔ یوسف مہر علی روڈ۔ بمبئی ۳

نام ایڈیٹر :- مسز مفیدہ خان

قومیت : ہندوستانی

۲۶۔ کمرشیل چیمبرس کارنر آف محمد علی روڈ۔ و یوسف مہر علی روڈ۔ بمبئی ۳

پرچے کے مالک کا نام : بنتِ حوّا پبلیکیشنز

مالک :- مسز مفیدہ خان

اقرار نامہ : میں مسز مفیدہ خان مالک، پرنٹر، پبلشر بنتِ حوّا اقرار کرتی ہوں کہ مندرجہ بالا معلومات میرے علم و اطلاع کی حد تک صحیح ہیں۔

دستخط :- مفیدہ خان مالک، پرنٹر، پبلشر

۱ مارچ ۱۹۷۲ء

بچّے میں خود اعتمادی

کچھ دِن پہلے فریدہ کی ماں نے مجھ سے شکایت کی:

"میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میری بچّی بڑھ کیوں نہیں رہی ہے؟ اُس کی عُمر کے دوسرے بچّے جو ۱۱، ۱۲ سال کے ہیں آپس میں بڑے مزے سے کھیلتے ہیں لیکن وہ خاموش تماشائی بنی بیٹھی رہتی ہے۔ بچّے اُسے دھکّے بھی دیتے ہیں تو وہ کچھ نہیں کہتی۔ میری عَین خواہش ہے کہ اُس میں کچھ خود اعتمادی پیدا ہو اور وہ اپنے طور پر کچھ کرسکے۔"

فریدہ کی ماں کی پریشانی حق بجانب ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہمارے بچے آج کی ترقی پسند دُنیا میں پیدا ہوتے ہیں لیکن اُنھیں خود اعتمادی کی قدیم نعمت کی آج بھی ضرورت ہے۔

ماں کو اپنی اولاد کی خبرگیری بچپن ہی سے کرنی چاہئے، بچّوں کے ساتھ پیار محبّت اور تعاون کرکے ہم اپنے بچّوں کو اُن کے فرائض سے بخوبی آگاہ کرسکتے ہیں۔ یہ فرائض وہ ہوتے ہیں جو آگے چل کر ذمہ داریاں بن جاتے ھیں۔ بچّے کو سب سے پہلے صاف ستھرا رہنے اور ہر چیز کو اُس کی مناسب جگہ رکھنے کی تربیت دینی چاہیئے۔

بچّوں کی نفسیات کے ایک ماہر ڈاکٹر بنجامن اسپوک کا کہنا ہے کہ کھیل کے بعد کھلونوں کو اُن کی جگہ رکھنا بھی بچّوں کی تربیت کا ایک اہم عنصر ہے۔ اُنہیں یہ بات اس طرح سکھائی جانی چاہیئے، جیسے یہ بھی کھیل کا ایک حصّہ ہے۔ اگر ہم اس بات کا خیال رکھیں تو بچّہ بہت جَلد سلیقہ اور نفاست سیکھ جائے گا اور ایسا کرنے سے خوش بھی ہوگا۔

اگر آپ اُس میں یہ جذبہ بچپن ہی سے پیدا کردیں تو آپ دیکھیں گے کہ اُس کی زندگی میں بڑا نظم وضبط پیدا ہو جائے گا اور اُس کی زندگی بڑی آسانی اور

خوش اسلوبی سے گزرے گی۔

پھر اُس میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کیجئے۔ بزدل سے بزدل اور شرمیلے سے شرمیلا بچہ بھی تھوڑی ذمہ داری کو ہنسی خوشی سے قبول کرے گا۔ ایسی ہزاروں چھوٹی موٹی باتیں ہیں جنھیں انجام دینے سے اُسے خوشی ہوگی۔ وہ یہ کہہ کر بھی بہت خوش ہوگا کہ "امی یا ابا نے مجھے یہ کام کرنے کو کہا ہے۔"

جیسے جیسے آپ کا بچہ بڑا ہوتا جائے اُسے تھوڑی بہت آزادی دیجئے۔ اُس کا احساسِ ذمہ داری خود بخود بڑھتا جائے گا۔ یہ ضروری ہے کہ کچھ ہلکے پھلکے کام اُس کی ذمہ داری پر چھوڑ دئیے جائیں۔ وہ اُن کی انجام دہی میں اپنی تمام تر صلاحیتیں استعمال کرے گا۔

شام میں اُسے خود اپنا بستر بچھانے دیجئے اور صبح بستر اُٹھانے دیجئے۔ سنیچر کی شام میں اُس پر یہ ذمہ داری سونپ دیجئے کہ وہ اپنے اسکول کا یونیفارم اور موزے خود دھوئے اور اپنے جوتوں کو پالش کرے۔ اُسے کبھی کبھار سبزی، بریڈ اور انڈے خریدنے بھی بھجوانا چاہیئے۔

سب سے ضروری یہ ہے کہ اس میں اپنے پیروں پہ کھڑا ہونے کا جذبہ پیدا کیا جائے اور ہچکچاہٹ اور حجاب دُور کیا جائے۔ جب وہ ذرا بڑا ہو جائے تو دو چار بار اُسے بس میں ساتھ لے جائیے تاکہ اُس میں تنہا سفر کرنے کی ہمت پیدا ہوسکے۔

جدید ماہرینِ نفسیات کا کہنا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو بچے کو یہ تمام باتیں خود ہی سیکھنی چاہیئے۔ اُس پر معلومات لادنا نہیں چاہیئے۔ ایک امریکی ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ ہم لوگ بچوں کو خوفزدہ کر دیتے ہیں۔ ہم اُن سے بار بار یہ کہتے ہیں کہ یہ کرو اور یہ مت کرو۔ اس سے اُن کے جذبۂ خود اعتمادی کو کافی ٹھیس لگتی ہے۔

جج: "تم پر الزام ہے کہ تم بغیر لائسنس حاصل کیئے شراب پیتے ہو۔ تمہیں اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہے؟"

ملزم: "حضور! میں نے اپنی زندگی میں کبھی شراب نہیں پی اور نہ پینے کا ارادہ ہے۔ کیونکہ شراب پینے کے بعد سو کر اُٹھتا ہوں تو طبیعت بہت بے کیف ہو جاتی ہے اور سارا جسم ٹوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔"

★

جج: مجرم سے (جسے پھانسی کی سزا سنائی گئی ہے)
تمہاری آخری خواہش کیا ہے؟

مجرم: میں نیشنل لائبریری کی ساری کتابیں پڑھنا چاہتا ہوں۔

★ جواب طلب اُمور کے لئے جوابی لفافہ روانہ فرمائیے ورنہ ادارہ جواب دینے سے قاصر رہے گا۔

— منیجر —

بنتِ مجتبیٰ مینا

"میری یادداشت سے"

حضرت امام ابو حنیفہ صرف ایک بلند مرتبہ عالم دین ہی نہ تھے بلکہ بہت بڑے مثالی تاجر بھی تھے۔ آپ دل کے غنی اور بڑے امین تھے۔ بہت فیاض اور بخل کی بیماری سے پاک تھے۔ نہایت متدین عابد شب زندہ دار صائم النہار و قائم اللیل تھے

یہ اوصاف مجموعی طور پر آپ کے تجارتی معاملات پر بھی اثر انداز ہوئے اور آپ ایک منفرد قسم کے تاجر قرار پائے۔

بہت سے لوگ تو آپ کو حضرت ابو بکرؓ جیسا تاجر قرار دیتے ہیں۔ کیوں کہ آپ تجارتی اشیاء خریدتے وقت بھی فروخت کی طرح امانت اور دیانت کا لحاظ رکھتے تھے۔

سیرت امام اعظمؒ کے سینکڑوں واقعات میں سے ایک واقعہ ہے کہ ایک عورت آپ کے پاس ایک مرتبہ ریشمی کپڑا بیچنے کے لئے لائی۔

آپ نے قیمت پوچھی . . . . بولی [illegible] . . . .

آپ نے فرمایا کپڑا زیادہ قیمت کا ہے۔ وہ عورت قیمت میں اضافہ کرتے کرتے چار سو تک پہنچ گئی۔

آپ نے فرمایا قیمت اب بھی کم ہے۔

وہ بولی آپ مذاق تو نہیں کر رہے!

فرمایا "بھاؤ کرنے کے لیے کسی مرد کو لاؤ۔

وہ ایک آدمی کو بلا لائی تو آپ نے وہ کپڑا پانچ سو میں خرید لیا۔

اندازہ لگائیے کہ خریدار ہونے کے باوجود آپ بیچنے والے کا مفاد پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ اس کی غفلت سے ناجائز فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے ہیں بلکہ اس کی مناسب راہ نمائی کرتے ہیں۔

مگر لوگ اب اس قسم کے واقعات سن کر کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے زمانے کی باتیں تھیں، اب ایسے لوگ کہاں۔

کچھ دنوں کی بات ہے مجھے کسی دوسرے شہر جانا تھا کئی بہن بھائی اسٹیشن تک پہونچانے آئے تھے پلیٹ فارم ٹکٹ لینے کے لئے ایک عزیز بڑھے ٹکٹ چیکر وغیرہ ان کے جاننے والے تھے کہنے لگے چھوڑو یار کیا کرو گے ٹکٹ لے کر۔ مسکرا کر کہنے لگے واہ میاں۔ میں باز آیا تمہاری ہمدردی سے ایک دونی کے پیچھے تمام انسانوں کا مجرم بنوں۔ اور حشر کے دن یہ اتنا سا ٹکٹ کلنک کے ٹیکے کی طرح مجھے دکھایا جائے۔ ٹی ٹی ان کو کچھ احترام اور کچھ شرمندگی کی نظروں سے دیکھ کر چپ ہو گیا۔

میں نے دل میں سوچا اللہ نے ان کو کتنا ایمان اور کتنی سمجھ دی ہے۔

ایک ہم ہیں کہ ٹکٹ خریدنے سے بچنے کے اگر چار سال کی بچی کو تین سال کا بتانا پڑے تو کوئی حرج نہیں بلکہ

یہ سوچ سوچ کر خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے ریلوے کے عملے کو دھوکا دے کر گویا بڑا تیر مارا ہے اور آدھے ٹکٹ کی قیمت چار روپے ۵۰ پیسے بچا کر اپنے خزانے میں کچھ بہت نمایاں اضافہ کیا ہے . . . .

اور لطف یہ ہے کہ اگر ہمارے سامنے کوئی یہ کہے کہ فلاں شخص نے چار روپے ۵۰ پیسے کے لئے بے ایمانی کی تو ہم حیران ہوں گے کہ اسے ہے کیا دماغ خراب تھا جو اچھی خاصی حیثیت ہوتے ہوئے اتنے پیسوں کے لئے چوری کی !؟

ایک قول، جس کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے :-

"جب تک آدمی طلب علم جاری رکھتا ہے تو وہ عالم بنا رہتا ہے اور جب اپنے آپ کو عالم تصور کرنے لگتا ہے تو جاہل بن جاتا ہے۔"

(امام اعظمؒ)

بقیہ "مزاح کی حس"

اور جب کبھی یہ ادھر سے گزرتی تو اس کو پھول خریدنے پر مجبور کرتی اپنی فطری رحمدلی سے مجبور ہو کر اس نے عادت بنا لی کہ گھر جاتے ہوئے اس کو بیس پیسے دے دیتی اور پھول لیتی بھی نہیں۔ ایک عرصے تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ایک دن بڑھیا نے کہا "اماں۔ اب پھول کے دام بڑھ گئے ہیں آئندہ سے مجھے تیس ۳۰ پیسے دیا کرنا۔"

سخن چینی: ایک مشیر مالیہ نے فخریہ کہا: "میں نے تو سینکڑوں کو لکھ پتی بنا ڈالا۔" سننے والے نے پوچھا "تو کیا وہ سب تم سے ملنے سے پہلے کروڑ پتی تھے؟"

اس قسم کی سینکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ جو ہنسانے پر اکساتی ہیں اور ان کو زندہ دل بنا سکتی ہیں۔

ناظورہ نسرین

"اِنسانیت"

میں بس اسٹاپ پر بس کے انتظار میں کھڑی ہوں، ایک معصوم ننھی سی لڑکی گندے اور پھٹے ہوئے کپڑوں میں ملبوس، چہرے پر مٹی کی تہہ چڑھی ہوئی میرے قریب آتی ہے، اور ہاتھ پھیلاتی ہے، میں اس کے ننھے منے ہاتھوں پر پانچ پیسے رکھتی ہوں، وہ پانچ پیسے مانگتی ہے تاکہ کچھ کھا سکے۔

مجھے بس اسٹاپ پر کھڑے ہوئے دس منٹ گزر گئے ہیں۔ وہ لڑکی اس وقت سامنے کے بس اسٹاپ پر بھیک مانگنے چلی گئی ہے۔ میری نظریں اب تک اس کا تعاقب کر رہی ہیں، اتنے میں میرے کانوں میں آواز آتی ہے۔ "بھگوان تمہارا بھلا کرے، بچے کے دودھ کے لئے پیسے دے دو، بھگوان تمہیں اور دیگا، میں اس آواز کی طرف متوجہ ہوتی ہوں، ایک چوبیس پچیس سالہ عورت ایک ننھے منے بچے کو گود میں لئے ہوئے۔ بچہ سویا ہوا ہے۔ اس کی آنکھیں بند ہیں۔ چہرہ بہت پرسکون ہے، کیونکہ اسے خود اپنے دودھ کی فکر نہیں ہے، وہ مطمئن ہے کیونکہ وہ دنیا کے نشیب و فراز سے بے نیاز ہے۔ میں سوچ رہی ہوں یہ معصوم ہمیشہ ایسا ہی ہے تاکہ خوفناک مستقبل سے بچ سکے۔ تاکہ کل اسے بھی دوسروں کے سامنے اپنے ننھے منے ہاتھ پھیلانا نہ پڑے۔ اس کے خوابوں کو اس کے پیارے سپنوں کو اس سے کوئی نہ چھین سکے۔ دنیا کے متعلق اس کا معصوم اور پاکیزہ تصور ختم نہ ہو۔ بس کی قطار میں ہلچل ہو رہی ہے۔ شاید بس آ گئی ہے۔ خیالوں کی دنیا سے نکل کر اچانک میں اس عورت کی جھولی میں دس پیسے ڈال دیتی ہوں، جو میں نے بس کے ٹکٹ کے لئے نکالے تھے لیکن کیا ان دس پیسوں سے اس معصوم کی زندگی سنور سکے گی؟ اس کی تمنائیں بر آئیں گی؟ وہ زندگی کی مسرتیں دیکھ سکے گا میری آنکھیں بے اختیار نم ہو جاتی ہیں۔

کتنا تضاد ہے اس دنیا میں، ایک زندگی ہے جو ناز و نعم کے ساتھ پلتی ہے۔ ایک ماں اپنے بچے کو گھر سے باہر لے جاتے ہوئے گھبراتی ہے کہ کہیں اسے ٹھنڈی ہوا نہ لگ جائے وہ بیمار نہ ہو جائے۔ گرم لحاف میں چھپا کر رکھتی ہے کہ سرد ہوا اس کے لختِ جگر کو نقصان نہ پہونچا سکے۔ تو کیا اس غریب ماں کے دل میں اپنے بچے کے لئے محبت نہیں ہے؟ جو اپنے ننھے کو راستے پر لیکر بھٹک رہی ہے؟ کیا وہ اس کی دشمن ہے؟ نہیں تو پھر کیوں ہے یہ تضاد؟ کیوں ان غریبوں کے جذبات و احساسات کی قدر نہیں کی جاتی؟ کیا انکے دلوں میں امنگیں نہیں ہیں؟ انکے کوئی پیارے اور سہانے سپنے پورے ہونے سے پہلے ہی کیوں ٹوٹ جاتے ہیں؟

آج ہم بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں کہ ہمیں انسانیت سے محبت ہے، ہم سوشلزم کے حامی ہیں، کیا یہی برابری ہے؟ کیا یہی سوشلزم ہے؟ کیا یہی ہے ہماری انسانی محبت؟ ▲▲

نیر بانو

تحفے تحائف

تحفہ کے نام سے کون ناواقف ہوگا۔ اپنے عزیزاقربا جان پہچان والوں اور بہنوں سہیلیوں کو کچھ نہ کچھ دینے کو کبھی ضرور دل چاہتا ہے۔ اس لین دین کو محبت کے اظہار کا ایک طریقہ سمجھنا چاہیئے۔ کبھی محبت الفاظ کے پردے میں ظاہر ہوتی ہے کبھی کسی خوبصورت شئے کے روپ میں جو کسی کو بطور تحفہ پیش کر دی جائے۔ تحفے کے لین دین سے آپس میں محبت پیدا بھی ہوتی ہے اور بڑھتی بھی ہے۔ رسول پاکؐ نے ہدیہ قبول کرنے اور ہدیہ دینے پر اسی لئے زور دیا ہے کہ اس سے دلوں میں محبت پرورش پاتی ہے گویا تحفہ کا لین دین سنت ہے۔ سنت پر عمل سے انسان اجر و ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے اور دنیاوی طور پر محبت میں اضافہ اور تعلقات میں مضبوطی ہوتی ہے۔

اگرچہ تحفہ دینے کا کوئی وقت مقرر نہیں جب بھی دل چاہے تحفہ لیا دیا جا سکتا ہے مگر عموماً خاص خاص موقعوں پر لین دین کا رواج پڑ گیا ہے مثلاً بچہ کی پیدائش پر بچہ کو ضرور اور ماں کو بھی تحفے دیئے جاتے ہیں آج کل مسلمانوں میں سالگرہ منانے کی رسم بھی رواج پا گئی ہے سالگرہ پر بھی لازمی تحفے قبول کئے جاتے ہیں۔

امتحان میں کامیابی پر بچے تحفوں کے منتظر رہتے ہیں شادی کی تقریب میں خالی ہاتھ شریک ہونا بھی حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ عید بقرعید پر پہلے نقد عیدی دینے کا رواج تھا۔ آج کل تہواروں میں بھی تحفے رواج پا گئے ہیں۔ کسی دوسرے شہر سے آئے یا مدت بعد ملاقات کا اتفاق ہو تو ہر آنکھ آنے والی کے سامان پر لگ جاتی ہے۔ دیکھیں ہمارے لئے کیا چیز برآمد ہوتی ہے گویا ہر تہوار اور ہر خوشی کے موقعہ پر تحائف لازم ہو چکے ہیں۔

تحائف نے رسم کی شکل اختیار کر لی ہے اور ہر رسم کی طرح کسی اچھے طریقے کے رسم بنتے ہی اس کی اصل روح ختم ہو جاتی ہے اور مقصد فنا۔ آج کل تحفہ کسی خوشی اور محبت کی علامت نہیں رہا بلکہ ایک بوجھ اور قرض بن چکا ہے اس کے لین دین میں دینے والے کی خوشدلی اور امنگ کو اتنا دخل نہیں رہا جس قدر لینے والے کی طلب اور تقاضا شامل ہو گیا ہے اتفاقاً یا مجبوراً یا کسی موقع پر ہاتھ کی تنگی کی وجہ سے کوئی بہن مذکورہ بالا مواقع پر تحفہ نہ پیش کر سکے تو تحائف کے منتظر عزیز اقربا اور سہیلیاں وغیرہ ناخوشی محسوس کرتے ہیں اور اس ناراضگی کا اظہار اکثر زبان سے بھی ہو جاتا ہے اس ناخوشی سے بچنے کے لئے اکثر بہنوں کو اپنی ضرورتیں روک کر یا قرض ادھار لے کر تحفے خریدنے پڑتے ہیں۔ بعض اوقات اس جانکاہی سے مہیا کردہ تحفے لینے والے کو جچتا بھی نہیں اور ناقدری کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور یونہی بے پرواہی سے ڈال دیئے جاتے ہیں۔

آپ ذرا سا غور کریں گی تو اس بات کی حقیقت سمجھ میں آجائے گی۔ بلکہ کبھی نہ کبھی آپ کو خود اس صورت حال سے دوچار ہونا بھی پڑا ہوگا اور یہ لین دین کی رسم ایک جنجال نظر آئی ہوگی۔ تحفہ کسی خوشگوار لمحہ کی یاد یا کسی لطیف احساس کی یادگار نہیں بنا ہوگا بلکہ جبریہ وصولی کے احساس نے اس میں پنہاں محبت اور لطف کی روح کو ناگواری، تنگی کے نشتر سے زخمی کر دیا ہوگا۔ آپ خود سوچیئے جب کسی شے کی اصل روح باقی نہ رہے اور لیتے دیتے وقت نیتوں میں اخلاص نہ ہو تو اس میں وہ خیر و برکت باقی نہیں رہتی اور نہ وہ مقصد حاصل ہوتا ہے جس کے لئے اس رسم کو رواج دیا گیا تھا۔ تحفہ بھی دیگر رسموں کی طرح نمود و نمائش اور اسراف کا مظہر بن چکا ہے۔ اور اس سے کوئی دنیاوی راحت بھی حاصل ہوتی نظر نہیں آتی۔ سنت پر عمل کا ثواب تو ایک لمبی بات ہے۔

تحفہ دینے والے کے دل میں بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ وہ کسی سنت پر عمل کر رہا ہے۔ اس لئے کسی اُخروی ثواب و اجر کی اسے توقع بھی نہیں ہوتی۔ البتہ اس خاص تقریب یا تہوار یا خوشی کے موقع پر چونکہ دوسرے لوگ بھی بڑھ چڑھ کر تحائف پیش کر کے ہم چشموں میں سرخروی حاصل کریں گے لہٰذا وہ بھی محض رسماً تحفہ لے کر شریک ہوتا ہے ساتھ ہی دل میں یہ خیال ہوتا ہے سب سے بازی لے جاؤں تو کیا کہنے۔ تحفے کا مقصد محبت میں افزونی نہیں تھا بلکہ اس خاص موقع پر نمایاں ہونے کی خواہش اور اس سے آگے بڑھ کر یہ توقع کہ کل جب اس کے یہاں بھی تقریب پیش آئے گی تو یہ بدلہ مل ہی جائے گا۔ اور اس کی تقریب تحفوں کی کمی سے سونی نظر نہ آئے گی۔

مدتیں گزر گئیں اسلامی تعلیمات غفلت کے گرد و غبار میں اپنی اصل چمک دمک کھو بیٹھیں درا صل کسی اسلامی طریقے یا رسم کی خرابی اور تاثیر اس کے اپنے درست خطوط و حدود میں ہے۔ ذرا سی جدت ذرا سے لطف و تکلف کی خاطر آپ نے کسی رسم کی نوک پلک سنوار دی کچھ چھیل دیا کچھ بنا دیا کچھ اضافہ کر دیا کچھ کاٹ دیا اور دیکھتے دیکھتے اس رسم کا حلیہ تبدیل ہو گیا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک بھولی بھالی معصوم سی لڑکی آپ کو نظر آئی۔ آپ نے ناقدانہ نگاہ سے اس کے حسن کو پرکھا اور سوچا کہ حسن تو خوب ہے۔ مگر دلکشی میں کچھ کمی محسوس ہوتی ہے لاؤ اس کو سنگار دیں تو یہ کمی پوری ہو جائے گی۔ آپ نے پہلے ماتھے پہ بال کاٹ کر چھجے بنائے۔ بھویں تراشیں، مصنوعی پلکیں لگائیں پھر کاجل لگائے، اور سرخی سے دلکشی میں اضافہ کیا پھر شوخ سے شوخ لباس انتخاب کر کے پہنایا اور اس بھولی بھالی کو خوش رنگ تتلی میں بدل دیا۔ یقیناً لڑکی وہی ہے مگر اس سنگار بناؤ اور آرائش و جمال سے وہ سادگی اور بھولپن تو رخصت ہو گیا۔ حسنِ خالص کی بے ساختگی اور تاثیر باقی نہ رہی یہی حال اس رسم کا ہوا ہم نے سنت کا سادہ لباس اس پر سے اتار لیا۔ اور اپنے خواہشات کے رنگین ملبوسات سے اس کو گرانبار اور دراز دامن کر دیا۔ تحائف کی سادگی ارزانی اور بے ساختگی ادھر کم ہوئی اور ادھر خلوص و محبت اور اجر و ثواب رخصت ہوا۔

تحائف کے لین دین سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جو منشا تھی وہ یہ نہ تھی جو اب ان کی غرض و غایت ہو چکی ہے۔ نہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو لین دین کا ایسا پیچیدہ ڈھنگ تعلیم فرمایا ہے۔ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ یعنی بدلے میں زیادہ لینے کے خیال سے مت دو۔ اوّل تو دیتے وقت بدلے کی قطعی نیت ہی نہ ہونی چاہیئے بس جو دیا دے دیا۔ اور زیادہ بدلے کی خواہش میں دینا تو خدا کے حکم ہی کے خلاف ہے۔ اس تاکید میں یہ حکمت ہے کہ پھر انسان دیتے وقت اپنی وسعت کو پیش نظر رکھے گا اور اتنا ہی دے گا جو خوشی اور آسانی سے دے سکے دینے کے بعد

فرحت اور کشادگی رہے بوجھ اور تنگی محسوس نہ ہو بدلہ کے خیال میں حیثیت سے بڑھ کر دے بیٹھتا ہے اور نتیجہ میں کوفت اور پریشانی اٹھانی پڑجاتی ہے اور بعض اوقات پچھتانا بھی ہے ہر معاملہ کے دو فریق ہوا کرتے ہیں اسلام نے معاشرتی معاملات کے سدھار میں دونوں فریقوں کو پیش نظر رکھا ہے دونوں کو بہترین ہدایات سے نوازا ہے اگر دینے والے کو تاکید ہے کہ بدلے کا خیال رکھ کر ہرگز نہ دو تو لینے والے کو بھی تاکید کردی ہے کہ ہر وقت دوسروں سے لے لے کر ہی نہ بیٹھے رہا کرو. خود بھی ہدیہ کا بدلہ دیا کرو.

یوں تو انسانی برادری میں لین دین کی ہزار صورتیں رائج ہیں مگر یہاں لین دین کی ایک مخصوص شکل تحفہ ہی مراد ہے. اب دینے کا یہ مطلب نہیں کہ تحفہ کی قیمت آنک کر اتنے ہی روپیہ آنے پیسے کا تحفہ لوٹایا جائے یا یہ کہ تحفہ ملتے ہی فوراً اس کی واپسی کی فکر میں انسان لگ جائے. چند دن تو دینے والے کی محبت کا لطف محسوس کرلینا چاہیئے اور اس محبت کو دل میں جاگزیں ہونے کا موقع ملنا چاہیئے. ورنہ احسان اتارتے ہی آدمی مگن ہو جاتا ہے کہ تو کیا ہوا ہم بھی تو اتنے ہی روپے آنے پیسے کے احسان کا بدلہ اتار چکے ہیں. اس طرح بالکل خوشی نہیں ہوتی. اس طرح پہلا تحفہ دینے والا دل میں بڑا اجز بز ہوتا ہے کہ اس کی محبت کی قدر نہ کی گئی. فوراً بدلہ اتار کر اس کی سبکی کی گئی ہے. کسی اچھے موقع پر مناسب طریقے سے بدلہ اتارنا چاہیئے. تحفوں کے لین دین میں تاجرانہ ذہنیت کو دخل نہ ہونے دینا چاہیئے. دوسرے عزیز اقارب اور دوست احباب کی مالی حیثیت میں اکثر اختلاف ہوا کرتا ہے اگر تحفہ کی قیمت کے لحاظ سے واپسی کا ارادہ کیا جائے تو بدلہ دینے والے کے لئے مشکل ہو سکتا ہے اس لین دین میں قیمت کو نظر انداز ہی رہنا چاہیئے. تمام قدر و منزلت اور زور اس محبت پر ہو جس کے زیر اثر تحفہ منتخب ہوا اور دیا گیا اور اب لوٹانے کا خیال ہے اور یہ کہ تحفہ کا بدلہ سنت ہے اور بس.

ایک بات اور کہ کیسا تحفہ انتخاب کیا جائے یہ معاملہ دراصل پسند پر ہی رہنا چاہیئے. اسی طرح قیمت کا اندازہ بھی دشوار ہے. تحفہ دینے والا اپنے ذوق اور اپنی جیب کی وسعت کے مطابق کام لے. البتہ ایک مشورہ مفید ثابت ہو سکتا ہے کہ بے مصرف اشیاء کے انتخاب سے گریز کرنا چاہیئے. مفید اور کارآمد اشیاء "تحفتہً" دینا کامیاب ثابت ہوگا. پھل مٹھائیاں بھی تحفے میں چلتی ہیں. نقد روپے بھی، کپڑے زیورات خوشبویات آرائش و زیبائش کی چیزیں، برتن اور کتابیں قلم پنسلیں بھی تحفے میں دی جاتی ہیں. ان مختلف اشیاء میں سے کوئی ایک ہی چیز چنی جائے گی. پھر جس کو تحفہ دینا ہو اس کی پسند اور ضرورت کا لحاظ کرکے چیز منتخب کی جائے تو بہتر ہے. بچوں کو کھلونے اور کھانے کی چیزیں پسند آتی ہیں لڑکیوں کو کپڑے اور آرائش و زیبائش کی چیزیں. گھردار عورتیں گھریلو استعمال کی چیزیں تحفہ میں لے کر خوشی محسوس کرتی ہیں. بہرحال ضرورت کی چیزیں زیادہ کارآمد ثابت ہوتی ہیں. اور دیرپا اثرات چھوڑتی ہیں.

مروجہ طریقوں میں تبدیلی اور اصلاح کی ضرورت ہے تحفہ کے لین دین میں سے غیر اسلامی آمیزشوں کو علیحدہ کر دینا چاہیئے. بد دلی کے ساتھ جبریہ تحفہ دینا اور زبردستی تحفہ وصول کرنا یکلخت موقوف کر دیجیئے. سنت نبوی ؐ کے مطابق سادگی اور خلوص کو اختیار کرلیا جائے تو آج بھی تحفے مہر و محبت اور خلوص کے جذبات میں اضافہ کا باعث ہوں گے صرف تین باتوں کا دھیان رکھیئے.

(۱). تحفہ دینا سنت ہے

(۲). تحفہ کا بدلہ بھی سنت ہے.

(۳). مگر پہلے ہی بدلہ کا خیال دل میں رکھ کر تحفہ دینا خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے.

تنویر غضنفر

گھریلو باتیں

گھریلو باتیں گھر کی حد تک ہی محدود رہتی ہیں انہیں عام کرنا رسوائی کو آواز دینا ہے۔ لیکن اگر یہی باتیں کچھ انوکھے انداز سے کی جائیں تو ان کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔ میں یہاں پر دانستہ طور پر نجی باتوں سے احتراز کر رہی ہوں۔ لیکن اگر برسبیل تذکرہ ان کا کہیں ذکر آ بھی جائے تو کوئی اعتراض نہ اٹھائیے۔ گھر دراصل ایک چھوٹی سی حکومت ہے شوہر یا والدین حاکم اعلےٰ ہوتے ہیں اور بقیہ افراد اس چھوٹی سی حکومت کے افراد ہوتے ہیں۔ اسی مناسبت سے گھر کی مالکہ کی حیثیت ایک دانشمند وزیر کی سی ہوتی ہے۔ ایک حکومت کی طرح گھر کے اپنے مسائل ہوتے ہیں۔ اور کئی ایسی ضروری باتیں ہوتی ہیں جن کا تعلق عملی زندگی سے ہوتا ہے۔ گھر کی چار دیواری کے ختم ہوتے ہی پھر پڑوسیوں کی حکومتیں ہوتی ہیں۔ جن کا تعلق ہماری زندگی سے بڑی حد تک ہوتا ہے۔ اس کے بعد نمبر سماج کا آتا ہے۔ اور اس طرح سے یہ سلسلہ ہماری حکومت سے جا ملتا ہے۔

آئیے اب ہم چند روزمرہ پیدا ہونے والے مسائل اور پیش آنے والے واقعات کے دائروں میں جھانکیں تاکہ ہمیں یہ پتہ چل جائے کہ ہماری زندگی کا ہر لمحہ کیسے اور کن حالات سے دوچار ہے اور ہمیں اس طوفان سے کس طرح نبٹنا ہے۔

فی زمانہ زندگی کا محور مشینی زندگی کے ارد گرد گھوم رہا ہے۔ سائنس کی جدید ایجادات نے ہمیں ایک طرف چاند کی تسخیر کا اعزاز بخشا ہے تو دوسری طرف ہم اپنے فرائض سے تغافل برتنے لگے ہیں۔ اور اگر ہمارا یہی شیوہ رہا تو ہماری نسل تہذیب و شائستگی علم و ادب سے ناآشنا ہو کر رہ جائے گی۔ یہاں میرا مقصد یہ ہے کہ میں بچوں کی تربیت کی طرف آپ کا رجحان مبذول کردوں۔ تربیت سے میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ آپ اپنے متعلقین یا اولاد پر سختیوں کا پہاڑ توڑیں۔ بلکہ ان کے لئے اپنی مصروف زندگی کے چند وقفے محفوظ کر دیں۔ اس سے نہ صرف آپ ان کی ضرورتوں اور خامیوں سے واقف ہو جائیں گے بلکہ آپ کو خود بخود یہ احساس ہونے لگے گا کہ آپ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لے رہے ہیں۔ میرا اپنا تجربہ یہ ہے کہ مجھے ماں باپ کا لاڈ پیار اور متعلقین سے خلوص و محبت کا ورثہ ملا۔ لیکن تعلیم و تربیت کے سلسلے میں مجھے پوری طرح تسلی نہ ہو پائی۔ میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ والدین صرف یہ دیکھتے ہیں کہ ان کا بچہ اسکول میں جا رہا ہے یا نہیں لیکن بہت کم والدین یا سرپرست ایسے ہوں گے جو یہ دیکھتے ہوں گے کہ

اُن کا سپوت کیا پڑھ رہا ہے آیا وہ اس پڑھائی کے تعلیم کے لائق ہے بھی یا نہیں اور اگر ہے تو اس کا کون سا پہلو کمزور ہے۔ بچے عام طور پر خوف و ہراس کی وجہ سے اپنی خامیوں کو والدین سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔ والدین کی آنکھیں اس وقت کھلتی ہیں جب انھیں اپنی اولاد کی ناکامیابی کا پتہ چلتا ہے لیکن اس وقت کیا ہوتا ہے جب تک تو لکڑی سوکھ چکی ہوتی ہے۔

زمانے کی تیز رفتاری والدین کو اتنی کہاں مہلت دیتی ہے لیکن انہیں اپنے فرائض کی ادائیگی میں اتنا بھی تغافل نہیں برتنا چاہیئے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کا پہلی درسگاہ ماں ہے۔ اس لئے ماں اس ذمہ داری کی اوّلین حصّہ دار ہے اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ماں تعلیم یافتہ ہو اگر وہ صوم و صلوٰۃ کی پابند ہے اور اپنی ذمہ داریوں کو خوب سمجھتی ہے تو یقیناً وہ ان باتوں کا بچوں کی زندگی میں خیال رکھے گی۔ معصوم بچے جب تتلانے والی عمر کو پہنچتے ہیں تو صرف ماں باپ بلکہ گھر کے سارے افراد ان پر محبت کی بارش کرنے لگتے ہیں۔ یہی وہ بارش ہے جو بچوں کو بگاڑنے میں بڑا رول ادا کرتی ہے۔ بچے آپ کی محبت پیار اور سرپرستی کے بجا طور پر حقدار ہیں ان کا اپنا سرمایہ بھی یہی ہے لیکن وہ تربیت کے بھی حقدار ہیں۔ عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ بچے ابتدائی عمر میں ضد کرنے لگتے ہیں اور والدین ان کی ضد کو پورا کرتے ہوئے قلبی سکون محسوس کرتے ہیں یہ ضد بچوں کے دل و دماغ کو مفلوج کر دیتی ہے اور ان کی عادتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔ اور یہ میرا مشاہدہ ہے کہ ایسے بچے آگے چل کے ناکارہ ثابت ہوتے ہیں۔

بچوں میں اگر بچپن ہی سے خود اعتمادی کا جذبہ ابھارا جائے تو آگے چل کر وہ کسی کام کے کرنے یا کسی ذمہ داری کو پورا کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے اس لئے یہ ضروری ہے کہ بچپن ہی سے ان سے چھوٹے موٹے کام کرائے جائیں۔ انھیں کسی بھی کام کی ذمہ داری کا احساس دلایا جائے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کو جیبی اخراجات کے لئے تھوڑے بہت پیسے دیئے جائیں لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے کہ یہ پیسے کہاں اور کس طرح خرچ کر رہے ہیں حتی الامکان اس بات کا خیال رکھا جائے کہ بچے دروغ گوئی سے کام نہ لے رہے ہوں اور اگر خدانخواستہ کبھی کبھار ایسا سانحہ پیش آئے تو پہلے نرمی سے انھیں ٹوکا جائے۔ اور دوسری صورت میں ایسی سختی برتی جائے جس میں زدوکوب کا شمار نہ ہو۔

مندرجہ بالا خط گھر کو ایک حکومت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ لہذا بچوں کو ان کا مناسب درجہ دیا جانا ضروری ہے چھوٹی موٹی باتوں میں ان سے صلح و مشورہ بھی کیا جائے تاکہ انھیں اپنی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔ انھیں یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے ساتھ کیسا رویّہ اختیار کریں۔ اور بھائی بہن ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح پیش آئیں۔ ملکی جھگڑوں کی طرح گھریلو جھگڑے بھی اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ بزرگوں کو چاہیئے کہ وہ ان جھگڑوں کا تصفیہ اس طرح کریں کہ فریقین کو نادم نہ ہونا پڑے۔ کبھی کبھی یہ رنجش پڑوسیوں تک جا پہنچتی ہے یہاں پر تدبر اور متانت سے کام لینا چاہیئے۔ پڑوسیوں کی دل آزاری ہمارے بیرونی ماحول کو خراب کر دیتی ہے لہذا اگر دور اندیشی سے کام لے کر معاملہ کو رفع دفع کر دیا جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔

شیخ مجیب الرحمٰن

بنگلہ دیش کے عوام شیخ مجیب الرحمٰن کو محبت اور پیار سے "بنگ بندھو" (بنگال کا دوست) کہتے ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۷ مارچ ۱۹۲۰ء کو پوربی بنگال کے ضلع فرید پور میں تانگی پاڑہ کے مقام پر ایک متوسط گھرانے میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم گوپال گنج میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ کلکتہ گئے اور تقسیم وطن سے ذرا پہلے مولانا آزاد کالج سے، جسے پہلے اسلامیہ کالج کے نام سے پکارتے تھے، بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ جب وہ جیل میں تھے تو انہیں لاء کی ڈگری ملی۔ شیخ مجیب الرحمٰن کی سیاسی زندگی کا آغاز ۱۹۴۷ء سے بھی پہلے ہو چکا تھا۔

"اُن کے پاس ہر قسم کی بندوقیں ہیں، وہ مجھے مار سکتے ہیں، لیکن اُنھیں سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ بنگال کی ساڑھے سات کروڑ آبادی کی رُوح کو نہیں کچل سکتے۔"

— مُجیب الرحمٰن —

۱۹۶۵ء کی بھارت۔پاکستان جنگ میں پوربی بنگال میں مجیب الرحمٰن کی زیرِ قیادت خود مختاری کی تحریک میں جان پڑ گئی۔ ۲۳ روز کی مدت کے دوران پوربی بنگال مغربی پاکستان سے بالکل کٹ گیا تھا اور اقتصادی طور پر اس کی انتہائی بُری حالت ہو گئی تھی۔ اس وقت شیخ مجیب الرحمٰن نے بنگالیوں کے جذبات کی ترجمانی کی اور کہا: "ہماری سرکار کشمیر میں رائے شماری کے لئے لڑ رہی ہے۔ اسے پوربی بنگال میں بھی رائے شماری کرانی چاہیئے تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ یہاں ۸۵ فیصد عوام میرے ساتھ ہیں۔"

۱۹۶۶ء کے آغاز میں پاکستان سرکار نے ۴ برس کے

بعد ملک میں سیاسی سرگرمیوں پر سے پابندی اُٹھائی اس وقت شیخ مجیب الرحمٰن نے چھ نکاتی پروگرام کا اعلان کیا تھا تاکہ پوربی بنگال کے لئے مکمل علاقائی خود مختاری حاصل ہوسکے۔ ان کی پارٹی نے رائے عامہ کو اس مقصد کے حصول کے لئے ہموار کرنا شروع کر دیا۔

وہ چھ نکات یہ ہیں :-

۱۔ پاکستان کا آئین فیڈرل ہونا چاہیئے جس میں پارلیمنٹ کے طرز کی ایک سرکار ہو اور حقِ رائے دہندگی کی بنیاد پر براہِ راست منتخبہ نمائندوں پہ مشتمل آئین ساز ادارہ ہونا چاہیئے۔

۲۔ وفاقی معاملات صرف دفاع اور غیر ملکی اُمور تک محدود ہونے چاہئیں۔

۳۔ دونوں بازوؤں کی الگ الگ کرنسی ہو جو بآسانی ایک دوسرے حصّے کی کرنسی سے تبادلہ کی جا سکتی ہو۔

۴۔ فیڈرل یونٹوں کو ٹیکس لگانے اور ریونیو جمع کرنے کے اختیارات حاصل ہوں۔ ریاستی ٹیکسوں کی رقم کے ذریعہ مرکز کی ضروریات پوری کی جانی چاہئیں۔

۵۔ پوربی اور پچھمی پاکستان کے غیر ملکی زرِ مبادلہ کے کھاتے الگ الگ ہوں۔

۶۔ دفاعی معاملات میں پوربی بنگال خود مختار ہو۔ پوربی حصّے میں ایک ملٹری اکیڈیمی اور ایک اسلحہ ساز فیکٹری قائم کی جانی چاہیئے۔ فیڈریشن کی بحریہ کا صدر مقام پوربی بنگال میں ہونا چاہیئے۔

پاکستان کے فوجی حکمرانوں نے ۱۲ کیس شیخ مجیب الرحمٰن کے خلاف چلاتے اور اپریل ۱۹۶۶ء میں گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۸ جنوری ۱۹۶۸ء کو اُنھیں رہا کر دیا گیا۔ لیکن جیل کے دروازے سے اُنھیں زبردستی ڈھاکہ چھاؤنی پہونچا دیا گیا۔ اس کے بعد انھیں اگرتلہ سازش کیس میں پھانس لیا گیا اور غداری کا اِلزام لگایا گیا لیکن یہ اِلزام ثابت نہ ہوسکا اور اُنھیں رہا کر دیا گیا۔ مجیب الرحمٰن کی طرف سے چلائے گئے ایجی ٹیشن ہی کی وجہ سے جنرل ایّوب خان کو ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو کُرسیٔ صدارت سے دست بردار ہونا پڑا تھا۔

جنرل ایّوب خان کی جگہ جنرل یحییٰ خان نے لے لی اور وعدہ کیا کہ وہ عام انتخابات کرائیں گے اور عوام کے منتخبہ نمائندوں کو اختیارات منتقل کر دیں گے۔ دسمبر ۱۹۷۰ء میں عوامی لیگ نے اپنے چھ نکاتی پروگرام کو منشور بنا کر اس کی بنیاد پر انتخاب لڑا۔ شیخ مجیب الرحمٰن کی قیادت میں عوامی پارٹی نے نیشنل اسمبلی کی کُل ۳۱۳ نشستوں میں سے ۱۶۷ نشستیں حاصل کیں اور پوربی بنگال کی صوبائی اسمبلی کی تین سو نشستوں میں سے ۲۸۸ نشستیں جیتیں۔

جنرل یحییٰ خان اور اُن کے فوجی ٹولے کو انتخاب کے نتائج پر حیرانی ہوئی۔ انھیں اُمید تھی کہ کوئی بھی سیاسی پارٹی اکثریت میں نہ آئے گی اور اُن سیاسی پارٹیوں کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ اُمید پوری نہ ہوسکی سیاسی مبصروں کو اِس بات پر حیرانی تھی کہ کیا فوجی حکمراں عوام کے نمائندوں کو اختیارات منتقل کر سکیں گے۔

جلد ہی وہ واقعات سامنے آنے لگے جن کی اُمید کی جا سکتی تھی۔ جنرل یحییٰ خان نے یک طرفہ طور پر نیشنل اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا جو کہ ۳ مارچ ۱۹۷۱ء کو ہونا تھا۔ اس فیصلے کے خلاف پوربی بنگال میں مختلف مقامات پر بشمول سلہٹ ،

پہنچایا گیا تاکہ پوربی بنگال کے عوام پر گرفت کو سخت کیا جاسکے ۔

۲۵ مارچ کو یحیٰی خان نے اچانک بات چیت کا سلسلہ مُنقطع کردیا اور کراچی لوٹ آئے ۔ ان کے حُکم کے مطابق ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء کی صبح شیخ مجیب الرحمٰن کو گرفتار کرلیا گیا اور اُنھیں مغربی پاکستان پہنچا دیا گیا ۔ اُسی رات جنرل یحیٰی خان نے ایک خصوصی نشریہ میں شیخ کو "پاکستان کا دشمن" بنایا اور کہا کہ " ان کا جُرم ایسا ہے کہ اسکی سزا انھیں ضرور دی جائے گی "۔

کچھ ہی دیر بعد پاکستان سرکار نے اعلان کیا کہ شیخ مجیب الرحمٰن پر بند کمرے میں مقدمہ چلایا جائے گا اور اس کے لئے ایک خصوصی فوجی عدالت قائم کردی گئی ہے ۔ ان کے خلاف منجملہ دیگر الزامات کے یہ الزام بھی تھا کہ اُنہوں نے پاکستان کے خلاف جنگ چھیڑی ہے ۔ اِس خبر سے ساری دُنیا میں تہلکہ مچ گیا اور پوری دُنیا میں غم و غصّہ کی لہر دَوڑ گئی ۔ قریب قریب سبھی سرکاروں، اخباروں اور آزادی پسند تمام اقوام نے یحیٰی خان کے اِس اقدام کی مذمّت کی اور فوجی حکومت پر اِس بات کے لئے زور دیا کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو کوئی سزا نہ دی جائے جن کا واحد قصور یہ ہے کہ انھیں اپنے عوام سے پیار ہے اور جو درحقیقت پاکستان کی اکثریت کے نمائندہ ہیں یحیٰی خان نے ان میں سے کسی بات پر کان نہ دھرا اور ۱۱ اگست کو شیخ پر مقدمہ چلانے کی کارروائی شروع کردی ۔

مغربی پاکستان کے حکمرانوں نے ۲۵ مارچ کے بعد سے پوربی بنگال میں قتل و غارت گری کا دَور دَورہ جاری رکھا اور تقریباً دس لاکھ بنگالیوں کو مار ڈالا اور تقریباً ۹۰ لاکھ، پناہ گُزین بھارت آگئے ۔

چٹاگانگ اور ڈھاکہ میں مظاہرے ہوتے ۔ پاکستانی حکام نے خوف و دہشت کا دَور دَورہ مُسلّط کرنے کی کوشش کی ۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے نیشنل اسمبلی کے اجلاس کے اِلتوا کو "تاریک سازش" سے تعبیر کیا اور پوربی بنگال میں پُرامن طور پر عدم تعاون کی تحریک چلائی ۔ انہوں نے کہا : " اگر سازش کرنے والے اب بھی یہ سوچتے ہیں کہ وہ اپنا نوآبادیاتی نظام جاری و ساری رکھ سکیں گے تو وہ بے وقوفوں کی جنّت میں رہ رہے ہیں"۔ پوربی بنگال میں شیخ مجیب الرحمٰن کی حمایت میں سب کو یک زبان دیکھ کر جنرل یحیٰی خان مرعُوب ہوگئے اور اُنہوں نے اپنے موقف میں تبدیلی کرنی چاہی اور ۲۵ مارچ کو نیشنل اسمبلی کا اجلاس بُلایا مگر یہ شرط رکھ دی کہ یحیٰی خان کو کوئی ایسا آئین قابلِ قبول نہ ہوگا جس میں کسی صُوبے کی خودمختاری کا ذکر ہو ۔ اِس فیصلے پر شیخ مجیب الرحمٰن برہم ہوتے اور انہوں نے نیشنل اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لئے چار شرطیں رکھیں، وہ یہ تھیں :-

۱۔ مارشل لا فوراً اُٹھایا جائے ۔
۲۔ فوجیں فوراً بیرکوں میں واپس چلی جائیں ۔
۳۔ مظاہرین کی موت کے اسباب کے متعلق تحقیقات کی جائے ۔
۴۔ عوام کے مُنتخبہ نمائندوں کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ عوام کی طرف سے ذمہ داریاں سنبھال لیں ۔

پوربی بنگال میں صُورتِ حالات پر قابُو پانے اور عوامی طاقتوں پر فوجی حکمرانوں کا تسلّط مُستحکم کرنے کے لئے جنرل یحیٰی خان نے ۱۰ مارچ کو ایک مشہورِ زمانہ جابر جنرل ٹکا خان کو پُوربی بنگال کا مارشل لا ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا ۔ جنرل یحیٰی خان ۱۵ مارچ کو ڈھاکہ پہونچے تاکہ شیخ مجیب الرحمٰن کے ساتھ بات چیت کا ڈھونگ رچایا جاسکے ۔ ابھی بات چیت جاری ہی تھی کہ اسی دَوران میں پوربی بنگال میں فوج اور فوجی سامان

محمد بشیر الدین طاہر

خوبصورت حادثہ

ثریا خانم زاہد حسین کلکٹر کی اکلوتی صاحبزادی تھیں شکل و صورت کا سوال بھی بیکار تھا کیونکہ حسن و جمال اس خاندان کی مشہور خصوصیت تھی۔ علمی قابلیت اور امور خانہ داری کا سلیقہ خداداد تھا۔ جمیلہ کے فرضی نام سے اکثر مضامین رسالوں میں لکھا کرتی تھیں۔ ایکمرتبہ ایک مضمون میں مردوں کی برائی بڑی تشدد کے ساتھ پیش کیں کہ مرد نہایت خود غرض، ہوس پرست نام و نمود کا لالچی ہوتا ہے۔ وہ عورت کو غلام بنا کر رکھتا ہے اور صنف نازک کو یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ نہایت ناکارہ ہستی ہے۔ وہ مرد کے سہارے بغیر شاہ راہِ زندگی پر دو قدم بھی گامزن نہیں ہو سکتی۔ دراصل عورت کی احساس کمتری ہی نے مرد کو خود سر بنا رکھا ہے۔ عورتوں کو چاہیئے کہ وہ غلامی کی زنجیریں توڑ کر آزاد ہونے کی کوشش کریں۔ اور یہ ثابت کر دکھائیں کہ مرد کے بغیر بھی عورت زندہ رہ سکتی ہے۔ وہ قوموں کی ماں ہے۔ تہذیب و تمدن عورت ہی کی گود میں پل کر پروان چڑھتے ہیں۔ مرد کو اگر عورت کا سہارا نہ ملے تو وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ مرد کی زندگی میں عورت ہی کارفرما ہوتی ہے۔

اس مضمون کا شائع ہونا تھا کہ طبقۂ نسواں میں ہلچل مچ گئی ایک تہلکہ پڑ گیا۔ ہر طرف سے ثریا خانم کے خیالات کی داد ملنے لگی۔ وہ پھولی نہ سماتی تھی۔ چند دنوں بعد مسٹر جمیل کا جواب مضمون شائع ہوا۔ جو نہایت مُدلل تھا۔ مسٹر جمیل نے تمام اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا۔ مسٹر جمیل نے ثابت کیا تھا کہ مرد بغیر کسی سے محبت کیئے زندگی گزار سکتا ہے۔ لیکن عورت کی زندگی ہی سراپا محبت ہے بغیر جنسِ مخالف کے وہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ اگر اسے مرد کی محبت مل جائے تو وہ ہفت اقلیم کی بادشاہت اور قارون کے خزانے کو بھی ٹھکرا سکتی ہے لیکن مرد کی محبت کے سوائے اگر سب کچھ حاصل ہوجائے تو اپنی زندگی ہیچ سمجھتی ہے۔

مسٹر جمیل کا مضمون پڑھ کر جمیلہ یہ سوچنے لگی کہ آخر محبت کا جذبہ کیا ہوتا ہے کیا واقعی عورت محبت کی بھوکی ہوتی ہے؟ آخر یہ مسٹر جمیل کون ہیں؟ جمیلہ نے رسالہ کے اڈیٹر کو خط لکھا جس میں مسٹر جمیل کا جواب مضمون شائع ہوا تھا کہ مضمون نگار کا صحیح نام و پتہ سے مطلع کیا جائے۔ جواب ملا کہ آپ جس طرح فرضی نام سے مضمون بغرض اشاعت بھیجتی ہیں اور آپ نے جو شرط لگا رکھی ہے کہ آپ کا صحیح نام و پتہ کسی کو نہ بتایا جائے اسی طرح جمیل صاحب شرط لگا رکھی ہے اس لئے تعمیل سے یہ ادارہ مجبور ہے۔

ایکمرتبہ جلسہ خواتین میں جمیلہ کو "حقوقِ نسواں" پر تقریر

کرنی پڑی۔

کارکنانِ جلسہ نے جمیلہ کی تقریر ایک اخبار میں شائع کر دی۔ چند دن بعد مسٹر جمیل نے اس کا جواب دیا۔ جس سے پتہ چلتا تھا کہ مسٹر جمیل کا مطالعہ کس قدر پختہ ہے اور کس قدر مدلل جواب سپرد قلم کرتے ہیں۔ جمیلہ کی سہیلیوں نے تقاضا شروع کیا کہ اس مردوے کو منہ توڑ جواب دیا جائے تاکہ وہ ہر دم کے لئے خاموش ہو جائے۔ جمیلہ نے بہتری کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ اب جمیلہ کو اٹھتے بیٹھتے جمیل کا خیال ستانے لگا۔ نادانستہ طور پر وہ جمیل کی طرف مائل ہونے لگی۔ اسے احساس ہونے لگا کہ واقعی عورت کی زندگی مرد کے بغیر ہیچ ہے نامکمل ہے۔ عورت کا وجود اضافی ہے۔ تخلیق کائنات میں عورت کی کوئی اہمیت نہیں مقصد تخلیق صرف مرد تھا۔ الغرض انہیں خیالات میں دن رات الجھی رہتی۔ اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہوتی جا رہی تھی۔ جس کا اثر اس کی صحت پر پڑنے لگا۔

اسی اثناء میں جمیلہ کے والدین کو اس کی شادی کی فکر دامن گیر ہوئی۔ ظفر اللہ ایڈوکیٹ ساکن لاہور کے صاحبزادے مسٹر نصر اللہ خان وکیل کا پیغام قبول کر لیا گیا۔ اور جمیلہ ہر دم کے لئے مسٹر نصر اللہ خان کے سپرد کر دی گئی۔ حالانکہ اس کے دل میں مسٹر جمیل بسے ہوئے تھے۔ شادی کے بعد جمیلہ کی ادبی تمام سرگرمیاں ختم ہو گئیں۔ اب اس نے اپنا شعار شوہر پرستی خدمت گاری، اطاعت و فرمانبرداری بنا لیا۔ رفتہ رفتہ مسٹر جمیل اس کے ذہن سے محو ہونے لگے۔ سسرال میں ہر ایک اس سے محبت کرتا تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ عورت اگر اچھی خدمت گار اور سلیقہ شعار ہو تو بہت جلد سب کو اپنا گرویدہ بنا سکتی ہے۔ لیکن مسٹر جمیل کے برتاؤ میں بے تکلفی نہ تھی وہ کچھ کھچے کھچے رہتے تھے۔ بہت کم گفتگو کرتے تھے۔ جمیلہ پریشان تھی کہ آخر کیا بات ہے۔ اس نے خود کا جائزہ لیا۔ لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی۔ اسے رات دن الجھن ہونے لگی کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ بالمشافہ گفتگو کرے لیکن الفاظ زبان پر آ کر رک گئے۔

ایک دن سہ پہر کے وہ مردانے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ چند بے تکلف دوست آ گئے۔ اس وقت گھر میں کوئی ملازم یا ملازمہ موجود نہ تھے۔ مسٹر نصر اللہ نے جمیلہ کو چائے تیار کرنے کا حکم دیا۔ چائے تیار کر کے ٹرے میں رکھ کر وہ بازو کے کمرہ میں پہنچی ابھی یہ سوچ ہی رہی تھی کہ کس طرح انہیں اندر بلوا کر چائے کا ٹرے ان کے حوالے کرے کہ اس نے نصر اللہ خان کو یہ کہتے سنا۔

کیا بتاؤں یارو شادی کو گو ایک سال گزر چکا۔ بیوی نہایت وفادار، خدمت گزار و سلیقہ مند ہے لیکن کیا بتاؤں نہ جانے زندگی میں کیوں ایک خلاء سا محسوس کرتا ہوں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی پرانی یاد دل کی وادیوں میں زندہ ہو؟ ایک دوسرے نے کہا۔ "ان کی شادی اگر مس جمیلہ سے ہوتی تو مسٹر جمیل اور مس جمیلہ کی جوڑی خوب رہتی دوسرے دوست نے لقمہ دیا۔ لیکن یہ عجیب بے تکی بات ہے کہ دیکھا نہ بھالا نام و نشان تک کا پتہ نہیں اور آپ کے اعصاب پر مس جمیلہ سوار ہیں،

تیسرے دوست نے چھیڑ شروع کی

دیکھیے حضرت ہم جمیلہ کے پرستار نہیں ہیں۔ بلکہ اس کی قابلیت، ان کی بلند خیالی و تخیل و عبارت آرائی کے شیدائی ہیں پھر دیکھنے بھالنے کا سوال کیا؟ — نصر اللہ خان نے جواب دیا۔ یہ سنکر اور یہ راز کے افشا ہونے پر کہ نصر اللہ خان ہی مسٹر جمیل ہیں جمیلہ کو بہت مسرت ہوئی وہ خوشی میں پاگل ہو گئی اور اس عالم وجد میں اس سے ایسی حرکت سرزد ہوگئی کہ نصر اللہ خان کو اس کی موجودگی کا علم ہو گیا۔ وہ فوراً اس کمرے میں آئے اور چائے کا ٹرے اٹھا کر چل دیئے۔ وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں پہنچی۔ اس کی عجیب حالت تھی۔ کسی مفلس کو اگر قارون کا خزانہ مل جائے یا کسی گدا کو ہفت اقلیم کی بادشاہت مل جائے تو شاید وہ اتنا مسرور نہ ہوتا جتنی جمیلہ تھی۔

اسی رات کام کاج سے فارغ ہو کر وہ اپنی خوابگاہ میں پہنچی۔ رسالہ "ادبی دنیا" اٹھا کر پڑھنے لگی۔ اتنے میں مسٹر نصر اللہ خان

آ گئے۔ دیکھ کر مسکرانے لگے اور کہا۔
- اُفوہ! آج تو مطالعہ ہو رہا ہے۔ یہ کیا خبط سمایا ہے تمہیں! پاگل ہو جاؤ گی۔
- اس رسالہ میں مسٹر جمیل کا ایک مضمون پڑھ رہی تھی۔
- خوب! کیا تمہیں مسٹر جمیل کے مضامین پسند آتے ہیں؟
- کیوں نہ آئیں۔ لکھتے بھی تو خوب ہیں۔ ہر بات مع دلیل پیش کرتے ہیں۔
- کیا تم انہیں جانتی ہو؟
- نہیں۔ لیکن کسی مضمون کے پسند کرنے میں یہ ضروری نہیں کہ مضمون نگار کو بھی جانا پہچانا جائے۔
- تم غلط کہہ رہی ہو کسی مصنف کو سمجھنے کے لئے اسے جاننا بلکہ اس کی زندگی کے حالات سے پوری طرح واقف ہونا از حد ضروری ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ قول و فعل میں کتنی مطابقت ہے
- لیکن جتنا جاننا ضروری ہے اس کی تصانیف ہی سے جانا جا سکتا ہے۔
- آج تو تم بہت عقلمندی کی باتیں کر رہی ہو میں تو.....
- آج تک آپ نے کچھ بولنے کا موقع ہی کب دیا۔ آپ تو غالباً مجھے نری جاہل، اُجڈ سمجھتے ہیں۔ جمیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
- یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے جمیلہ کو افسوس ضرور رہا کہ اس نے ایسا کیوں کہہ دیا۔

دوسرے دن جمیلہ کو ایک عزیز کی شادی میں جانا تھا وہیں پر جمیلہ کی ملاقات اپنے بھائی ضیاء الحسن سے ہوئی جمیلہ کا ادیبہ بننا ان ہی کا فیض تھا۔

جمیلہ نے انہیں بتایا کہ وہ کس طرح مسٹر جمیل سے واقف ہو سکی لیکن وہ ابتک مس جمیلہ کو پہچان نہ سکے۔ آپ ہمارا تعارف کروا دیجیے۔ لیکن ملاقات پر تعارف کرانا غیر شاعرانہ حرکت ہو گی کوئی ایسی ترکیب کیجیے کہ وہ دیکھ کر یقین کر لیں کہ ثریا ہی جمیلہ ہے۔ ضیاء الحسن نے وعدہ کر لیا۔ شادی کا ہنگامہ ختم ہو گیا مہمان رخصت ہونے لگے۔ ضیاء الحسن نے مقامی بزم احباب کے کارکنان سے ملکر ایک مجلس مباحثہ کے انعقاد کا اعلان کروایا۔ موضوع بحث تھا "عورت کا وجود ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے" ضیاء الحسن نے نصر اللہ خان کو تقریر کرنے پر آمادہ کر لیا۔ گو انہوں نے پہلے انکار کر دیا لیکن جب انہیں پتہ چلا کہ مس جمیلہ بھی شریک مباحثہ ہیں۔ تو فوراً تیار ہو گئے۔ ٹاؤن ہال میں مباحثہ رکھا گیا۔ مسٹر نصر اللہ خان نے نہایت پرجوش تقریر کی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تجویز پاس ہو کر رہے گی۔ صدر جلسہ نے کہا۔
— جب سے مس جمیلہ کی شادی ہوئی ہے ہم لوگ ان کے گرانقدر خیالات سے مستفید ہونے سے محروم ہو گئے لیکن یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ایک عرصہ کے بعد ہمیں پھر یہ سعادت حاصل ہو رہی ہے میں مس جمیلہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تشریف لاکر اپنے زریں خیالات سے سامعین کو مستفید فرمائیں۔

ڈائس پر ایک طرف پردہ لگا دیا گیا تھا جمیلہ اسی کے پیچھے جا کھڑی ہوئی اور اپنی تقریر شروع کی۔ مسٹر نصر اللہ خان نے جو دلائل پیش کئے تھے ایک ایک کا جواب دینا شروع کیا اور ثابت کیا کہ دنیا میں امن و شانتی فقط عورت کے دم سے ہے۔ ورنہ ہر روز قتل و غارت گری کا بازار گرم رہتا۔ اس لئے کہ مرد فطرتاً جنگجو واقع ہوا ہے۔

تقریر جاری رہی اور تحسین و آفرین کے نعرے بلند ہونا شروع ہوئے۔ خصوصاً عورتوں نے بڑھ چڑھ کر داد دی۔

مسٹر جمیل سن سن کر بے قرار ہو رہے تھے اور کرسی پر پہلو بدل رہے تھے ان کے دل میں یہ شوق ابھر رہا تھا کہ کسی طرح دیکھا جائے کہ یہ مس جمیلہ کون ہیں۔ ضیاء الحسن دور سے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ آخر انہوں نے مسٹر جمیل سے دریافت کیا کیا آپ جمیلہ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ مسٹر جمیل نے بڑے اشتیاق سے رضامندی کا اظہار کیا۔ ضیاء الحسن نے انہیں لے کر اسٹیج کے پچھلے حصہ میں پہنچے اور ایک کھڑکی کے پاس کھڑا کر دیا۔ جہاں سے مس جمیلہ کو صاف طور پر دیکھا جا سکتا تھا۔ جوں ہی مسٹر جمیل نے مس

(باقی صفحہ ۵۱ پر)

یادوں کا خزانہ

اتفاق

یہ واقعہ جوہار گاؤں کا ہے۔ یہ ایک پہاڑی مقام ہے۔ جہاں اکثر پانی کی قلت رہتی ہے۔ انسانوں کو پانی مشکل سے ملتا ہے تو جانوروں کا کیا شمار؟

اسی لئے بجائے اس کے کہ جانوروں کے لئے پانی نیچے وادی سے گاؤں میں لایا جائے سہولت کے لئے خود جانوروں کو پانی کے پاس پہنچانا پڑتا تھا۔ اور یہی آسان طریقہ تھا۔ گھوڑوں کو وادی میں لے جانا انہیں پانی پلانا ہم بچوں کے لئے دلچسپ کام ہوتا تھا۔ اس میں کئی ایک فائدے تھے ایک تو کھلی ہوا میں گھوڑے کی سواری مفت۔ دوسرے گھوڑوں پر سوار ہو کر آم توڑنا اور پھر یہی آم گھوڑوں پر لاد کر لانے کے لئے بھی آسانی ہوتی تھی۔ اس لئے ہم لوگ اکثر اسی آس میں رہتے تھے کہ کہیں سے کوئی گھوڑا مل جائے ——۔ میرے والد چونکہ فارسٹ آفیسر تھے اسلئے میرے لئے گھوڑے حاصل کرنے [illegible] مسئلہ بھی نہیں تھا مگر اتفاق سے ان دنوں وہ لور [illegible] اور اسی لئے دوپہر میں جب بھی اسکول سے کھانے کی چھٹی ملتی۔ ہم گھوڑوں کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیتے اور گاؤں کی عورتیں ہماری حرکت دیکھ کر اکثر کہا کرتیں۔۔ "ارے لوٹنو۔ مر گئے نا؟" ان کی یہ ڈانٹ [illegible] لئے وقف ہو کر رہ گئی تھی۔ مگر جب کوئی عورت بڑے پیار سے ہمیں پکار کر کہتی "ارے بیٹے۔ ذرا ادھر آنا" تو ہم فوراً سمجھ جاتے ضرور کوئی کام ہوگا۔ اور یہ کام سوائے گھوڑے کو پانی پلانے کے اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ ایسے ہی ایک دن ایک عورت نے مجھ سے کہا کہ بیٹے ذرا میرے گھوڑے کو پانی پلا دو تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ مگر یہ کام کچھ اتنا آسان نہیں ہے جتنا نظر آتا ہے اس کے لئے پہلے وادی میں گھوڑے کو ڈھونڈھنا پڑتا ہے اسے پکڑنے کے لئے اس کے ساتھ برق رفتاری سے دوڑنا پڑتا ہے اور دوڑتے ہوئے ایال پکڑ کر اس پر سوار ہو جانا پڑتا تھا۔ خیر میں نے گھوڑے کو ڈھونڈھ لیا ہت پکڑ بھی لیا اور اس پر سوار بھی ہو گیا مگر گھوڑا ہے کہ اپنی جگہ پر اڑا ہوا ہے میں چابک مارے جا رہا ہوں مگر وہ ہے کہ ٹس سے مس نہیں ہوتا، دراصل وہ عورت مجھ سے یہ کہنا بھول گئی تھی کہ گھوڑے کی ایک آنکھ زخمی ہے اور دوسری آنکھ برائے نام۔ اب گھوڑا جو سرپٹ بھاگا تو بھاگتا ہی چلا گیا قریب ہی ایک کنواں تھا اور کنوئیں کے قریب ہی ایک کاجو کا درخت۔ اب صاحب گھوڑے کی آنکھ خراب تو تھی ہی دوڑتے ہوئے وہ کاجو کی دو شاخوں کے درمیان پھنس گیا اور جھٹکے سے رک گیا اور میں جو گیند کی طرح اچھلا ہوں تو سیدھا

کنوئیں کے اندر شومیٔ قسمت کنوئیں میں پہلے سے ایک لڑکا موجود تھا میں سیدھا اسی پر گرا۔ اور جب سنبھل کر اوپر ابھرا ہوں تو عورتوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں آنے لگیں ——— میں نے سوچا اب آئی شامت اب یہ عورتیں گن گن کر اور چن چن کر مجھے گالیاں دیں گی ——— کسی طرح ڈول کے ذریعہ لڑکے کو اوپر پہنچایا مگر اوپر جانے کی مجھ میں ہمت نہ تھی خیر صاحب بڑی مشکل سے ڈرتے ڈرتے اوپر آیا تو محو حیرت رہ گیا کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔ عورتیں بجائے گالی دینے کے میری بلائیں لے رہی تھیں۔ مجھے دعائیں دے رہی تھیں اور مجھ پر واری جا رہی تھیں۔ اصل بات یہ تھی کہ جیسے ہی لڑکا کنوئیں میں گرا اسکے تھوڑی دیر بعد ہی میں کنوئیں میں گرا جس سے لوگوں کو یہ احساس ہوا کہ میں نے گھوڑے پر سے چھلانگ لگا کر اسکی جان بچائی ہے۔ اور ایک کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس کے بعد پورے گاؤں میں ہماری دھاک بیٹھ گئی اور عورتیں میری شجاعت کا کارنامہ مہینوں تک دوسروں کو اپنے مخصوص انداز میں سناتی رہیں۔ اور اتنے عرصے کے بعد آج بھی جب کوئی مجھے اس شخص کا لطیفہ سناتا ہے۔ جسنے ایک ڈوبتے ہوئے بچے کو بچایا تھا۔ اور جب لوگوں نے اسکی تعریف کی تو اس نے کہا۔ سب چھوڑو پہلے یہ بتاؤ کہ مجھے زہوتکاکس نے دیا تھا؟ ——— تو بیساختہ مجھے اپنے بچپن کی یہ کہانی یاد آجاتی ہے۔

محمد حنیف خان

"ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے"

میں ایک ڈاکٹر ہوں، اکثر لوگ مجھے مسیحا بھی کہتے ہیں، مگر شاید وہ لوگ اس امر سے واقف نہیں کہ مسیحا بھی اکثر بیمار رہتا ہے۔ خیر!

میرا کام مریضوں کو شفا دینا ہے، میں اپنا کام کرتا ہوں اور خدا پر بھروسہ رکھتا ہوں اور جب کوئی مریض میرے ہاتھوں سے اچھا ہو جاتا ہے جب وہ دوبارہ زندگی سے لطف اندوز ہونے کے قابل ہو جاتا ہے تو جتنی خوشی ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ خوشی مجھے ہوتی ہے ـ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میرے ذہن کو کسی نے شفاف پانی سے دھو کر نکھار دیا ہو۔

مگر اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کوئی مریض اچھا ہو جاتا ہے تو مجھے کوئی خوشی نہیں ہوتی۔ کوئی احساس اور کوئی جذبہ میرے دل میں جنم نہیں لیتا۔ یہ ایک ایسا ہی واقعہ ہے۔ ایک مرتبہ ایک سپاہی شخص میرے پاس آیا۔ جس کا ایک انگوٹھا زخمی تھا اور اس بری حالت میں تھا کہ سوائے اس کو کاٹ کر الگ کرنے کے اور کوئی صورت مجھے نظر نہیں آئی ـ کیونکہ خدشہ تھا کہ زہر کہیں پورے ہاتھ میں نہ پھیل جائے۔ مگر میں مایوس نہیں ہوا۔ میں نے اچھا نہیں سمجھا کہ بغیر کسی کوشش کے میں اس کا انگوٹھا کاٹ ڈالوں۔ حالانکہ یہ بہت ضروری تھا مگر میں نے ہمت نہیں ہاری اور شب و روز کوشش کرتا رہا ——— یہ میرے فن کی آزمائش کا وقت تھا میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آخری لمحے تک جدوجہد جاری رکھوں گا اور یہ میرا ایمان تھا کہ ڈاکٹر کو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔

بہرکیف خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ میری کوشش کامیاب ہو گئی انگوٹھا اچھا ہو گیا اور تب میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔

جاتے وقت مریض میرے پاس آیا۔ اس کے چہرے سے مسکراہٹ اور خوشی ٹپک رہی تھی، وہ مجھ سے یوں گویا ہوا۔

"ڈاکٹر صاحب ——— واہ ڈاکٹر صاحب آپ نے تو کمال کر دیا۔ دوسرے لوگوں نے تو کہا تھا کہ اسے کاٹنا ہی پڑیگا مگر واہ ——— آپ نے تو کمال کر دیا بھئی مانتا ہوں آپ کو ——— یہ دیکھو ——— اس نے ہاتھ میرے سامنے کر دیا۔ اس میں اب کوئی درد محسوس نہیں ہوتا۔ اب میں اس انگوٹھے کا استعمال اچھی طرح کر سکتا ہوں۔ اب چاقو پر اس انگوٹھے کی گرفت اور مضبوط ہو جائے گی ——— اب چاقو زنی میں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی ———

(باقی صفحہ ۱۶۱ پر)

زیرِ لب

انیس احمد مانی۔ ایم۔اے ـــــ علی گڑھ

...... میں نے "بنتِ حوا" کو خواتین کے لئے انتہائی معیاری اور مفید پایا۔ خدا کرے "بنتِ حوا" ترقی کرے۔ اور آپ اس کے ذریعہ خواتین کی بہتر ین ڈھنگ سے رہنمائی کر سکیں۔

اصغری خانم ـــــ اعظم گڑھ

بنتِ حوا عورتوں کے لئے بہت عمدہ اور معیاری پرچہ ہے۔ خاص طور پر عورتوں کے لئے آپ یہ رسالہ شائع کر رہی ہیں۔ اور وہ بھی اردو زبان میں جسے آج جو بیس سال سے کچلا جا رہا ہے۔ عورتوں کے لئے اردو میں ایسے پرچے کی ابھی بہت ضرورت ہے۔ میں اپنی ہمسایہ لڑکیوں کو بھی اس کی خریدار بننے کی ترغیب دوں گی۔

اکبر رحمانی ـــــ جلگاؤں

بنتِ حوا باقاعدگی سے مل رہا ہے۔ فروری کا شمارہ صوری و معنوی دونوں اعتبار سے خوبصورت ہے۔ پہلی بار سفید کاغذ پر شائع ہوا ہے۔ اسی کاغذ پر آئندہ بھی شائع ہوتا رہے تو اچھا ہے۔ بنتِ حوا کی خاص چیز "قیام بغداد کی سرگزشت" ہے جسے میں سب سے پہلے پڑھتا ہوں۔ قوم مسلم کی زبوں حالی کی جو نفسیاتی توجیہہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ڈاکٹر زاہد حسین صاحب نے بتائی ہے اس سے میں بالکل متفق ہوں۔ ہماری ناکامیوں کی وجہ یہی ہے کہ رضائے الٰہی کو چھوڑ کر ہم نے دنیاوی اغراض و مقاصد کے لئے اپنے فکر و عمل کو مختص کر دیا ہے۔ مسلمان پر تو یہ فریضہ عائد کیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ انسانوں کو بھلائی کی طرف دعوت دیں اور برائیوں سے روکیں لیکن اس دعوت و تبلیغ میں بھی حکمت کے اصولوں کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیئے یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ آپ اس سرگزشت کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی۔ ڈاکٹر زاہد حسین صاحب اور محترمہ زبیدہ صاحبہ تک میری نیک خواہشات پہنچا دیں۔

فضا ابن فیضی ـــــــ مئوناتھ بھنجن

محترمہ! 'بنتِ حوا' کے کئی شمارے باصرہ نواز ہوئے۔ اس بے طلب نوازش اور بیکراں عزت افزائی کے لئے ہمہ تن سپاس ہوں۔ بنتِ حوا کا سنجیدہ و پاکیزہ معیار اور ادب کے صالح اور صحت مند رویوں پر اس کی سچی گرفت دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی، زبان و ادب کی ان فراموش شدہ روایتوں اور حقیقتوں کو پوری دیانت داری اور خلوص سے بروئے کار لانے کی ضرورت ہے تاکہ اچھی اور صاف ستھری ادبی تحقیقات و نگارشات کے ذریعے مطالعہ کے ایک ایسے زندہ و توانا ماحول کی تعمیر کی جاسکے جو ہمارے ادبی معاشرے کو زندگی کی اخلاقی و تہذیبی قدروں کا نمائندہ بنا سکے اور ہمارے ذہن و فکر کی تعمیر کرسکے اردو رسالوں کی اس بھیڑ میں ابھی ایسے جرائد کی قابلِ ذکر کمی ہے جنہیں "اندیشہائے دور و دراز" کے بغیر گھر کا ہر فرد اپنے مطالعہ کی میز کی زینت بنا سکے۔ لیکن جہاں تک 'بنتِ حوا' کا سوال ہے ارباب نظر کو اس کا بہر طور اعتراف کرنا پڑیگا کہ یہ رسالہ ان تقاضوں کی تکمیل کی طرف ایک موثر قدم کی حیثیت رکھتا ہے۔

عام قارئین کی ادبی دلچسپیوں کے ساتھ ساتھ اس میں خواتین کی زندگی اور ان کے داخلی و خارجی مسائل کے متعلق جو بہترین علمی، اخلاقی اور معلوماتی مواد فراہم کئے جاتے ہیں وہ وقت کا اہم ترین تقاضا ہیں۔ 'بنتِ حوا' کی یہ بلیغ و خوبصورت انفرادیت و اہمیت مجھے بے حد پسند آئی۔ اس کے لئے آپ اور آپ کا متعلقہ ادارت قابلِ ستائش ہے۔ شعر و ادب، خانہ داری اور دوسرے مفید معلوماتی مضامین کی شمولیت نے بنتِ حوا کے قد کو اس ذیل کے دوسرے ہمعصروں کے قد سے اونچا کردیا ہے۔

ڈاکٹر سید زاہد حسین کا مسلسل مضمون "قیام بغداد" اور آل احمد سرور کا مضمون "جواہر لال نہرو" بڑا معلوماتی ہے۔ منظومات میں جاں نثار اختر، شفیق حیدرآبادی اور شہاب جعفری۔ افسانوں میں حامدی کاشمیری، قمر احسن اور یوسف ناظم پسند آئے۔ خدا کرے عروس البلاد بمبئی سے نکلنے والا یہ ماہنامہ اسی طرح زبان و ادب کے سنجیدہ و متین معیار کے قدم بہ قدم اپنی روشن منزلوں کی طرف بڑھتا رہے میری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ والتسلیم

محمد انور صدیقی ـــــــ بھیونڈی

بنتِ حوا پابندی سے شائع ہوتا ہے اور میں پابندی سے اس کا مطالعہ کرتا ہوں۔

فروری کے شمارے میں "سرگذشت قیام بغداد" بغداد کے ماحول اور شب و روز کی ایک عمدہ لفظوں کی فلم ہے اور خوب ہے۔ ڈاکٹر سید زاہد حسین سے کچھ اور سفرنامے بھی لکھوائیے گا۔

طنزیہ مضامین میں یوسف ناظم کی "سواریاں" بہترین ہے۔ اس مضمون کو میں نے بھیونڈی سے بمبئی آتے آتے پڑھا مزہ دگنا ہوگیا۔ براہ کرم یوسف ناظم صاحب کی ہر ماہ ایک تخلیق شائع کیا کیجیئے۔ امتحان کے زمانے میں لگاتار اسٹڈی سے بور ہونے کے بعد ان کے مضامین پڑھو تو ایسا لگتا ہے جیسے ذہن کو کسی نے شفاف پانی سے دھو کر نکھار دیا ہے (بدن پر جیسے نشتر لگتے ہوں) اس بار آپ نے کاغذ بہت عمدہ استعمال کیا ہے۔ اس سے پرچہ دیدہ زیب ہوگیا ہے۔ اسے برقرار رکھیں۔ شکریہ۔

مالک ایڈیٹر پرنٹر پبلشر مفیدہ خان نے اردو پریس تیرلچ بھائی لین بمبئی میں چھپوا کر ۲۶ کمرشیل چیمبرز کارنر آف محمد علی روڈ و یوسف مہر علی روڈ بمبئی ۳ سے شائع کیا

No. MH-639

THE BINT - E - HAWWA

(Women's Urdu Monthly)

Registered with the Registrar of News Papers For India Bearing No. R. N. 19037/69

Tel. No. Office : 323539 Res. : 555614

Vol. 3 | March 1972 | No. 3

Cover Printed at: Adoni Printers, Bombay 8.

بنتِ حوّا

RAMZANUL MUBARAK AND ID UL FITRA NUMBER



ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو عروس البلاد بمبئی سے
شائع ہونے والا خواتین کا منفرد ماہنامہ

بنتِ حوا

جلد ۳
شمارہ .... ۱۰، ۱۱
رمضان المبارک نمبر و عید الفطر نمبر
اکتوبر و نومبر ۱۹۷۲ء

سالانہ .... ۱۲ روپے
بیرونی ممالک سے .... ۱۸ ر
(ڈھائی روپے کے ایک خاص نمبر کے ساتھ)
ڈھائی ۲½ روپیہ

پروپرائٹر: بنتِ حوا پبلیکیشنز
ترسیلِ زر و خط و کتابت کا پتہ:
بنتِ حوا - ۲۶ - کمرشیل چیمبرس کارنر آف محمد علی روڈ،
و یوسف مہر علی روڈ - بمبئی ۳

فون دفتر: ۳۲۳۵۳۹
فون رہائش: ۵۵۵۶۱۴

مدیرہ
مفیدہ خان
معاونین
شہناز یاسمین
ناظورہ نسرین
نگراں
الحاج محمد حنیف خان
جسٹس آف پیس
بی کام۔ ایف سی اے۔ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ
منیجر
محمد نجیب خان
سرکولیشن منیجر
محمد مجیب خان
مالک
مفیدہ خان

★

مجلسِ مشاورت
ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی، ڈاکٹر عبدالستار دلوی
ڈاکٹر محی رضا۔ سردار عرفان، جاوید صدیقی
ڈاکٹر نور السعید اختر، ڈاکٹر سید زاہد حسین۔ حیدر پٹھان
اجرہ نازلی۔ سلمیٰ صدیقی۔ زہرہ جمال۔

ترتیب

اداریہ	مفیدہ خان	۵
حقوقِ رمضان	حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ	۷
زندہ معاشرت	سید رشید احمد	۲۵
قرآن اور خیرِ امت . . .	امۃ اللہ تسنیم	۳۴
نذرانۂ عقیدت	ایم۔ ایس شاکر منچری	۳۸
میری والدہ ماجدہ	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۳۹
احادیث	(ماخوذ انتخاب حدیث)	۴۵
شبِ قدر۔ (نظم)	شاہد ساگری	۴۶
ماہِ صیام نیکیوں کا موسمِ بہار	محمد اسحاق خان	۴۷
معدے کا روزہ	(ادارہ و قبول)	۴۸
نفس پرستی	وحید الدین خان	۵۰
سچی عید	(ادارہ قبول)	۵۱
رمضان المبارک کی تیاری . .		۵۳
عید سے پہلے (افسانہ)	نسیمہ بانو	۵۵
قرآن کے تراجم	پروفیسر افتخار احمد فخر دھولیاوی	۶۱
روزہ کے معاشرتی پہلو . .	امین الدین شجاع الدین	۶۵
لیلۃ القدر . . .	(ماخوذ)	۶۷
جنون و ہوش (نظم)	مہندر پرتاب چاند	۷۰
آگ میں پھول (افسانہ)	کوثر چاندپوری	۷۱
سورہ فاتحہ کی عظمت و فضیلت	سید اختر الاسلام ایم اے	۷۵
سرگزشت سفرِ حجاز . . .	ڈاکٹر سید زاہد حسین	۷۷
دعا	اشتیاق احمد لاری ندوی	۸۳
		۸۵

اسلامی معاشرہ میں جہیز کا تصور	الحاج محمد رضی الدین معظم . . .
عرب کی حالت قبلِ اسلام . . .	حضرت وصال القادری بدنوری
غزل	ہیکل التساہی . . . . .
ہلال اسلام طلوع ہونے کے بعد .	محبوب خان مرزانی ایم اے . . .
اُمِ عمارہ	شاہ بلیغ الدین . . . . .
عشق و مذہب	امجد حیدرآبادی . . . . . .
کفایت شعاری ایک اہم ضرورت . .	سراج احمد مصطفے آبادی .
ناکام تمنا . . . (افسانہ) . . .	نعیمہ جعفری . . . . .
ماہ رمضان الاسلام (نظم) . .	اسد اللہ خلجی . . . . .
بدلنے کی مشق	(ماخوذ) . . . . . .
نئی صبح . . . (افسانہ) . .	وزیر فاطمہ جعفری . . . . .
حکمِ خداوندی (افسانہ) . . . غزل	تبسم جسے، وحید محمود . . . . . .
یادوں کا خزانہ	. . . .
خیال رزق ہے	محمد حنیف خان . . . . . .
کرو مہربانی	ہاجرہ نازلی . . . . . .

جاری

ترتیب

اقوالِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم	(احادیث)	۱۱۹
ماہِ صیام	حمید قیصر	۱۲۰
ملفوظات	حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رح	۱۲۱
مقامِ محمدؐ	بدیع الزماں خاور	۱۲۳
روزہ دار کی عید		۱۲۴
عہدِ رسالت کی عید	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی	۱۲۵
عید کا پیغام	محمد حسام الدین شریفی	۱۲۷
پانچ اصول	(احادیث)	۱۲۹
امیر المومنین کے بچوں کی عید	(ادارہ)	۱۳۰
غزل	صبا نقوی	۱۳۲
عید الفطر حقائق کی روشنی میں ...	نگار دہلوی (بی اے)	۱۳۳
جامِ عید (نظم)	شاہد ساگری	۱۳۵
عبدالرحمٰن (طنزیہ)	ارشاد احمد خاں	۱۳۶
لال قلعہ میں جشنِ عید کا آخری نظارہ	محمد رضی الدین معظم	۱۳۸
قطعات	ظفر احمد نظامی	۱۳۹
عید کی نماز کا بیان	(ترجمہ مشکوٰۃ شریف)	۱۴۰
قطعات	ظفر احمد نظامی	۱۴۲
زیرِ لب	قارئین	۱۴۵

اداریہ

عصر حاضر میں ادب اور صحافت ذہنی عیاشی، وقت گزاری اور سستی شہرت کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ ادب و صحافت کے اس پست استعمال کے رواج عام کی وجہ سے آج کا انسان بامقصد ادب و صحافت اور بے مقصد ادب و صحافت کے فرق اور صحیح تعریف تک سے بے بہرہ ہوتا جا رہا ہے۔ یہ ایک ایسا حادثہ اور سانحہ ہے کہ جس پر آج کی دنیا کے دانشوروں، اصلاح پسندوں اور سماج کے خادموں کی بروقت توجہ اور فکر اور اصلاح حال کی ہمہ گیر جدوجہد کی ضرورت ہے۔

"بنتِ حوا" کے اجراء کا مقصد اس اصلاحی پیام اور دعوت حق کی اشاعت اور ترویج ہے جو عصر حاضر کے زخم کا مرہم، بیمار انسانیت کی چارہ سازی، مادیت سے کچلے ہوئے انسانوں کی روحانی آسودگی اور سکون اور اعلیٰ انسانی اقدار کی ترویج ہے۔

"بنتِ حوا" کے اجراء کو تین سال کا عرصہ ہو گیا۔ ہم نے روزِ اوّل جس اصول کو اپنے لئے طے کیا الحمد للہ ہم آج تک اسی پر عمل پیرا اور جس راہ کو ہم نے اپنایا تھا اسی پر گامزن ہیں۔

"بنتِ حوا" نے ذہنی عیاشی اور وقتی تفریح کا مواد فراہم نہیں کیا البتہ آپ کے اس پرچے مقصدی تخلیقات سے اپنے قارئین کی ضرور خدمت کی ہے۔ اور ہمارا یہ عمل یقیناً ہمارے حسنات میں شمار ہوگا۔

ادارہ "بنتِ حوا" ماہ رمضان المبارک پر یہ خصوصی نمبر شائع کر کے اپنے قارئین کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہے جو ابدی اور لافانی ہے۔

ماہ رمضان المبارک کو نیکیوں کا موسم بہار کہا جاتا ہے ۔۔۔۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ ماہ مبارک اپنے جلو میں وہ خیر و برکت اور ایسی روحانی اور اخلاقی بلندی رکھتا ہے جس کے حصول کے بعد انسان ۔۔۔ سرکش از

باغی انسان ، عاصی انسان ، پریشان انسان غرض ہر قسم کی پستی اور زوال کا شکار انسان زندگی کے اعلیٰ مقاصد ، روحانیت کے بلند مقامات اور اخلاق کے قیمتی اقدار سے آشنا ہو کر اور اپنی عملی زندگی میں اسے جاری و ساری کر کے وہ کچھ بن سکتا ہے جس "کچھ" کی آج کی دنیا کو ضرورت ہے، آج کی سوسائٹی کو ضرورت ہے اور خود آج کے انسان کو ضرورت ہے۔

ماہِ رمضان المبارک سے فائدہ اٹھا کر انسان خود اپنے وجود پر احسان عظیم کریگا۔ وہ کس طرح ؟ اس کا جواب ان مضامین میں آپ پائیں گے جو اس خصوصی شمارے کی زینت ہیں ۔ پڑھئے عمل کے ارادے سے مطالعہ کیجئے عملی زندگی میں برتنے کے لئے ـــــ اور اس ایام کے پیام کو عام کیجئے ۔ کیونکہ یہی وہ پیام ہے جو ہمارے درد کے لئے نسخہ کیمیا بھی ثابت ہوگا اور یدبیضا بھی ـــ

اس نوید مسرت و کامرانی پر ہمارے وہ بھائی اور بہنیں جنھوں نے ایمان اور احتساب کے ساتھ اللہ بزرگ و برتر کی خوشنودی اور رضا کے لئے پورا ماہ رمضان گزارا ، نیکیوں کے موسم بہار کے ثمرات و برکات سے زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہوئے اور اللہ نے گناہوں کی بخشش کے لئے جو مہلت دی تھی اس کا پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نوید مسرت و کامرانی پر جتنی خوشی محسوس کریں کم ہے۔

آج کے اس مبارک دن پر ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہم سب کی مہینے بھر کی ریاضتوں پر استقامت بخشے اور اس کے برکات عظیم سے بھرپور نوازے ۔ جھوٹ ، غیبت ، چغلی ، گناہ کبیرہ و صغیرہ سے ہمیشہ پناہ میں رکھے ۔

آج جس طرح ہمارا گھر ، ہمارا جسم اور ہمارے کپڑے پاک و صاف ہیں ۔ اسی طرح ہماری روح تمام آلائشوں سے پاک ہو نفس پر قابو پانا ہمارے لئے آسان ہو ، ہمارے دل میں نہ بغض ہو نہ

حسد ہو، نہ کینہ ہو، بلکہ وہ اپنے پرائے، چھوٹے، بڑے سب کے پیار سے لبریز ہوں۔ یہ پیار ملک و قوم اور مذہب کی حدود سے نکل کر عالمگیر ہو جائے۔

ایک بار پھر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اسی نے ہمیں توفیق دی کہ ہم اس کا حکم بجا لائیں۔ روزے رکھیں اور ان تمام باتوں سے بچیں۔ جو اس کی ناراضگی کا باعث ہوتی ہیں۔ اللہ ہماری ٹوٹی پھوٹی عبادتوں کو شرف قبولیت بخشے اور گناہوں کو معاف فرمائے، جو لوگ اس سعادت سے محروم رہے اللہ پاک انھیں اگلے سال اس سے نوازے۔ (آمین)

اعتذار

بموجب اعلان ماہنامہ "بنتِ حوّا" کا رمضان المبارک نمبر مکمل ہوگیا تھا مگر چھپائی کی مشکلات کے پیش نظر جن جن مصائب و دشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اسکا اظہار بھی تکلیف دہ ہے۔ دعا فرمائیں مشکلیں آسان ہوں پرچہ آپ کی خدمت میں برابر پابندئ وقت کے ساتھ پہنچتا رہے۔

نتیجۃً بحالت مجبوری پریس سے پرچہ واپس منگوا کر عید الفطر سے متعلق مضامین بھی شامل کر دیئے گئے اور رمضان المبارک نمبر اور عید الفطر نمبر یکجا آپکی خدمت میں حاضر ہے۔

ادارہ "بنتِ حوّا" اپنے قارئین کی خدمت میں

عید الفطر کی پرخلوص مبارکباد پیش کرتا ہے؟

مصلح الامۃ حضرت مرشدنا مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ

حقوق رمضان

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قال اللہ تعالےٰ یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون (اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جیسا کہ تم سے پہلی اُمتوں پر بھی فرض کیا گیا۔ اس توقع پر کہ تم روزہ کی بدولت متقی بن جاؤ۔)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ فرضیت صوم کی حقیقی غرض حصول تقویٰ ہے یعنی انسان کی شہوت کا کسر ہو کر نفس امارہ نفس مطمئنہ بن جائے اور اس کے اندر ملکات حسنہ اور خصال حمیدہ پیدا ہو جائیں صوم کی فرضیت سے یہی مقصود اصلی ہے (کیونکہ روزہ رکھنے سے نفس کو اس کے متعدد تقاضوں سے روکنے کی عادت بڑے گی اور یہی عادت کی پختگی بنیاد ہے تقویٰ کی پس اگر روزہ سے یہی چیزیں حاصل نہ ہوں اور صرف بھوک اور پیاس ہو اور نام و روزے کا تو اس سے کچھ بھی حاصل نہیں اور ایسے روزے کی اللہ تعالےٰ کے یہاں کوئی قدر و منزلت نہیں اور ایسے روزے پر فقیہ چاہے حکم صحت لگا دے اور شرعی فتوے کی رو سے چاہے اس کو صحیح قرار دے لیا جاوے مگر اللہ اور رسولؐ کے نزدیک یہ روزہ مقبول نہیں اس لئے کہ اللہ اور رسول نے ایسا روزہ مشروع ہی نہیں فرمایا جو مثمر تقویٰ نہ ہو)

میں اس وقت آپ کے سامنے اس مضمون کو وضاحت سے بیان کرنا چاہتا ہوں ذرا غور سے سنئے:۔

روزہ (صوم) کا ایک تو ظاہر ہوتا ہے اور ایک اس کا باطن ہے۔ ظاہر تو یہی ترک اکل و شرب (کھانا پینا چھوڑنا) ہے لیکن آپ سمجھ سکتے ہیں کہ روزہ صرف اتنے کا نام کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ کھانا پینا چھوڑنا انسان کے لئے بالذات محمود نہیں اس لئے کہ یہ تو آدمی غصہ میں کبھی کر لیتا ہے کہ کھانا پینا ترک کر دے۔ پس روزہ سے مقصود کھانے پینے کے ترک کا ثمرہ اور نتیجہ ہے یعنی محرمات شرعیہ سے بچنا اور حرام کا ارتکاب نہ کرنا مثلاً جھوٹ و غیبت وغیرہ سے بچنا۔ اسی کا نام تقویٰ ہے۔ یہی صوم کی حقیقت اور اس کا باطن ہے اور روزہ کی مشروعیت سے یہی مقصود اصلی ہے جیسا کہ نص قرآنی لعلکم تتقون اس پر

←

بنت حوا۔ رمضان المبارک نمبر۔ اکتوبر ۷۲ء

بین دلیل ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ قربانی کے متعلق فرماتے ہیں۔ لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَاۤؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس تمہاری ان قربانیوں کا گوشت و پوست اور خون نہیں پہنچتا بلکہ اس کے پاس پہنچنے والی چیز تو تمہارا تقویٰ ہے۔

پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے قربانی کے متعلق یہ فرمایا ہے اسی طرح یہاں بھی سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ اس لئے فرض فرمایا ہے کہ اس سے انسان کی شہوت ٹوٹے۔ اس کی آگ بجھے نفس امارہ نفس مطمئنہ بنے۔ انسان کے اندر صلاح و تقویٰ حاصل ہو لیکن جب اس پر اس کا فائدہ ہی مرتب نہیں ہوا تو اب بجز بھوک اور پیاس کے کیا حاصل ہوا اور چونکہ یہ بھوکا پیاسا رہنا حکم خدا و رسول کے منشا کے خلاف ہوا اس لئے جو تعب تمہیں ہوا اس کے تم خود ذمہ دار ہو۔ اگر تم حکم شرعی کو اس کے حدود و شرائط کا لحاظ کر کے بجا لاتے تو ضرور اس کا ثمرہ اور نتیجہ مرتب ہوتا لیکن میں تو برابر کہا کرتا ہوں اور مجھ کو آپ سے یہی شکایت ہے کہ آج عام طور پر لوگوں کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ جس کام کو نہیں کرتے اس کے حدود و شرائط تو کیا واقف ہوتے جن امور کو انجام دیتے ہیں اس کی بھی نہ حقیقت سے واقف ہوتے ہیں اور نہ اس کے آداب و شرائط ہی کو جانتے ہیں اس لئے ایک کام کو کرتے ہیں اور اس میں مشقت اٹھاتے ہیں اور اپنی دانست میں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے لیکن قیامت میں چلکر معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں ہوا اور جو کچھ مشقت اسمیں اٹھائی وہ سب ضائع اور بے سود ہوئی۔

منجملہ ان اعمال کے ایک روزہ بھی ہے۔ جو لوگ روزہ رکھتے ہی نہیں وہ تو اس لئے کہ اپنے نفس اور جہالت کے سبب اس کی اہمیت اور فضیلت ہی سے نا واقف ہیں مگر لوگ کہ روزہ رکھتے ہیں ان میں بھی بہت سے ایسے ہیں جن کے متعلق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وکم مِنْ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلَّا الظَّمَاءُ وَالْجُوْعُ (یعنی بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ ان کے ہاتھ اپنے روزے سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ نہیں لگتا۔ یہ بہت برا عالم ہے اور خسران عظیم ہے اس سے بچنا ضروری ہے)

اس حدیث کی توضیح دوسری احادیث سے کرتا ہوں یعنی مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث آئی ہے کہ مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ (روزہ رکھ کر جو شخص قولِ زور اور عملِ زور کو نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے صرف کھانے اور پینے کو چھوڑ دینے کی کچھ حاجت نہیں کیونکہ کھانے پینے سے وہ منزہ ہے لہٰذا اس کے ترک سے یہ تو ہے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کچھ فائدہ پہنچے گا۔ یا اس کی حاجت روائی ہو جائے گی تو روزے ہو جائیں گے بلکہ وہ تو قلب کا حال اور تقویٰ دیکھتے ہیں یا ان پر ان کی نظر ہے پس روزہ میں یہ چیز نہ پائی جائے تو پھر اس سے کیا فائدہ؟)

صاحب مرقاۃ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ قول زور سے مراد قول باطل ہے یعنی ایسی بات زبان سے کہنا جس میں گناہ ہو اب خواہ وہ کذب بیانی ہو یا کفر کا قول ہو یا جھوٹی شہادت ہو یا افترا و بہتان ہو یا غیبت و شکایت ہو یا کسی پر زنا کی تہمت ہو یا سبّ و شتم اور لعن و طعن ہو یہ سب چیزیں قولِ زور میں داخل ہیں اور عمل زور سے مراد فواحش اعمال ہیں اور ان کو زور اس لئے کہا کہ ان میں بھی گناہ ہوتا ہے جس طرح کہ زور اور کذب میں ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں زور اگرچہ اصالۃً قول کی صفت ہے مگر چونکہ

جارحہ لسان کا یہ عمل بھی ہے اس لئے بطور عطف تفسیری کے قول زور کی شرح والعمل بہ سے فرمادی گویا قول زور اور عمل زور ایک ہی چیز ہے۔

اس حدیث میں تو قول زور ہی کا تذکرہ ہے لیکن ایک اور دوسری حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جو روزہ اور وضو کو توڑ دیتی ہیں اور وہ یہ ہیں:- جھوٹ بولنا۔ غیبت کرنا۔ چغلی کھانا۔ بدنظری کرنا اور جھوٹی قسم کھانا۔

(جامع صغیر ص ۲۱۴)

پھر ان معاصی میں سے بعض سخت ہیں مثلاً غیبت سے خاص کر جب کہ روزہ میں کی جائے چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص دن بھر لوگوں کی غیبت کرتا رہتا ہے اس نے اپنا روزہ توڑ دیا۔

اسی طرح ایک اور حدیث ہدایہ کے حاشیہ پر محشی نے نقل کی ہے کہ

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو آدمیوں کے پاس سے گزرے ان میں سے ایک دوسرے کو پچھنے لگا رہا تھا ان میں سے ایک نے کسی کی غیبت کی۔ اور دوسرے نے اس پر نکیر نہیں کی۔ انکے اس حال کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ یعنی پچھنا لگانے والے اور پچھنا لگوانے والے دونوں نے اپنے روزے توڑ دیئے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود راوی حدیث فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ان دونوں کے افطار کو فرمایا تو پچھنے کی وجہ سے نہیں بلکہ غیبت کرنے اور سننے کی بناء پر فرمایا۔

دیکھئے اس حدیث سے روزہ دار کے لئے غیبت کرنے اور غیبت سننے کی کیسی شناعت معلوم ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے روزہ ہی جاتا رہتا ہے ظاہر ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا کیونکہ ایک حکم دینی کو وہ اپنی رائے سے نہیں بیان کر سکتے۔

اس کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو عبداللہ ابن عباس نے روایت کیا ہے وہ یہ کہ دو شخصوں نے جو کہ روزہ سے تھے ظہر یا عصر کی نماز پڑھی پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو ان دونوں سے فرمایا کہ تم اپنے وضو اور نماز کا اعادہ کرو اور اپنا روزہ پورا تو کرلو (یعنی غروب آفتاب تک کھاؤ پیو مت) مگر دوسرے دن اس روزہ کی قضا کرو (یعنی تمہارا یہ روزہ فاسد ہوگیا اس کی قضا واجب ہے) ان دونوں نے عرض کیا یارسول اللہ ایسا کیوں ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا اس لئے کہ تم دونوں نے فلاں شخص کی غیبت کی ہے۔

اس حدیث کے تحت بعض شارحین فرماتے ہیں کہ گو علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث زجر و توبیخ کے طور پر واقع ہوئی ہے یعنی روزہ از روئے فتوے فاسد تو نہیں ہوگا مگر اس پر سب ہی کا اتفاق ہے کہ غیبت وضو اور نماز کے کمال و ثواب کو ختم کر دیتی ہے اور سفیان ثوری تو اس حدیث کے ظاہر کی بنا پر اس کے مفسد صوم ہونے کے قائل ہیں۔

بہرحال ان سب احادیث سے تو معلوم ہوتا ہی ہے کہ روزہ میں اور ان معاصی میں بالکل منافات ہے یعنی روزہ کے ساتھ یہ سب جمع نہیں ہو سکتے خصوصاً غیبت کی قباحت اور شناعت تو بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

صاحب مرقاۃ نے اس شخص کے روزہ کی عدم قبولیت کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ کھانا پینا یہ چیزیں تو فی الجملہ مباح ہیں انہیں تو ترک کیا اور ایسی چیز کا ارتکاب کیا جو اپنی اصل اور ذات کے اعتبار سے حرام ہے اور کسی وقت بھی مباح نہیں اس کی وجہ سے یہ شخص غضب الٰہی کا مستحق ہوا اور اس

لائق ہے کہ اس کی اطاعت اس کے منہ پر مار دی جائے اور اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کے روزہ کی کچھ پرواہ نہیں اور وہ اس کی طرف نظرِ عنایت نہ فرمائیں۔

اسی لئے کہتا ہوں کہ صرف کھانا پانی چھوڑ دینا تو آسان ہے لیکن جب ایسا روزہ رکھے گا جس میں جھوٹ نہ ہو غیبت نہ ہو، لغویات نہ ہو، بیہودگی اور بے شرمی کی باتیں نہ ہوں تو مشکل پڑ جائے گی۔ چنانچہ بہت سے لوگ یہاں دنیا میں روزہ کی مشقت برداشت کر رہے ہیں مہینہ بھر کا روزہ رکھ کر سوکھ کر کانٹا ہو جاتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ غیبت شکایت اور کذب اسی طرح کی بہت سی لایعنی باتوں کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اس لئے روزہ سے جو مقصود ہے یعنی تقویٰ وہ حاصل نہیں ہوتا تو آخرت میں ایسے روزہ کا بھلا کیا ثواب ملے گا افسوس کہ کھانے پینے سے بھی محروم رہے اور ثواب بھی نہ ملا۔ اس سے بڑھ کر خسارہ کیا ہوگا۔

خسر الدنیا والآخرۃ

الغرض اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزہ کی مقبولیت ان معاصی کے ترک پر موقوف ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں روزہ کی ایک خاص شان ہے اس لئے کہ یہ دین کا ایک اہم فریضہ اور شعائر اسلام میں سے ہے اسی وجہ سے اس کا اہتمام بھی زیادہ ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ماہ مبارک کا بہت اہتمام فرماتے تھے اور پورے سال ہی اس کے انتظار میں رہا کرتے تھے اور اس کے آنے سے پیشتر ہی صحابہ کو اس کے فضائل کی جانب متوجہ فرمایا کرتے تھے چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ماہ مبارک کے بڑے بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضہ روایت کرتے ہیں کہ شعبان کی آخری تاریخ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک خطبہ دیا اس میں یہ فرمایا کہ اے لوگو! تم پر ایک مبارک مہینہ سایہ فگن ہوا ہے وہ ایسا مہینہ ہے کہ اس میں ایک رات ہے جو ہزار راتوں سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزہ کو فرض کیا ہے اور اس کے قیام کو نفل قرار دیا ہے جو شخص مہینہ میں کوئی بھی نفل کام کرے تو وہ ایسا ہے کہ جیسے دوسرے ایام میں فرض ادا کرنا اور جو شخص اس میں کسی فرض کو ادا کرے تو وہ ایسا ہے جیسے کہ غیر رمضان میں ستر فرض ادا کئے ہوں اور یہ صبر کا مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے جو شخص اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کے گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ بنے گا۔ اور ایسا ہے گویا کہ اس نے جہنم سے ایک رقبہ کو آزاد کیا۔ اور اس کو اس روزہ دار کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ اس کے اجر میں کچھ کمی ہو۔ صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں تو بہت سے لوگ ایسے نادار ہیں کہ کسی روزہ دار کو افطار کرانے کی استطاعت ہی نہیں رکھتے۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اسے بھی دیگا جو کسی کو ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی ہی سے افطار کرا دے اور جو شخص کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کھانا کھلا دے تو اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض سے ایسا پانی پلائیں گے کہ پھر دخول جنت تک وہ پیاسا نہ ہوگا۔ اور آپ نے اسی خطبہ میں یہ بھی فرمایا یہ ایسا مہینہ ہے جس کا اوّل رحمت ہے اور اوسط مغفرت اور آخر دوزخ سے رہائی ہے اور جو شخص اس ماہ میں غلام پر تخفیف کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائیں گے اور اس کو دوزخ سے رہائی دیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آخری شب میں اللہ تعالےٰ میری امت کے صائمین (روزہ داروں) کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ کیا وہ لیلۃ القدر ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں مگر بات یہ ہے کہ مزدور کی مزدوری کام ختم ہونے پر دی جایا کرتی ہے۔

اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جنّت رمضان کے لئے شروع سال ہی سے سجائی جاتی ہے پس جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو عرش کے نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے اور جنت کے پتوں میں سے نکل کر حور عین پر سے گزرتی ہے تو وہ کہتی ہیں کہ اے ہمارے رب اپنے بندوں میں سے ہمارے لئے ازواج بنا دیجئے جن سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ہم سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

اور ارشاد فرماتے ہیں کہ جنت میں آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک کا نام باب الریان ہے اس میں بجز روزہ داروں کے اور کوئی داخل نہ ہو گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کا روزہ ایمان کے ساتھ اور ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رکھا تو اس کے پچھلے گناہ سب معاف کر دیئے جائیں گے! اور جس نے رمضان میں ایمان کے ساتھ اور ثواب حاصل کرنے کی نیت سے قیام کیا تو اس کے پچھلے گناہ سب معاف کر دیئے جائیں گے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صیام اور قرآن یہ دونوں بندے کی شفاعت کریں گے چنانچہ روزہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار میں نے دن کو اس کو کھانے اور شہوت سے روک رکھا تھا لہٰذا اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمایئے اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو رات میں سونے سے روک رکھا تھا لہٰذا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرمایئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ ہر انسان کی نیکیوں کا ثواب ایک کا دس اور دس سے لے کر سات سو تک ملتا ہے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ روزہ اس سے مستثنےٰ ہے اس لئے کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ کیونکہ بندہ اپنی شہوت اور کھانے پینے کو میری خاطر چھوڑتا ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ روزہ کتنی عظیم الشان عبادت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ عبادات میں سے سب سے بڑی نماز ہے لیکن اس کا بھی یہ حال ہے کہ وہ پیشاب پاخانہ اور سونے سے ختم ہو جاتی ہے لیکن روزہ ہی ایک ایسی عبادت ہے کہ آپ جاگ رہے ہوں تو روزہ دار۔ سو رہے ہوں تو روزہ دار، پاخانہ میں جائیں تو روزہ دار کے ساتھ ساتھ، غرض کسی حال میں یہ آپ سے منفک اور جدا نہیں ہوتا۔ یہ اسی کی خصوصیت ہے اس شان کی کوئی دوسری عبادت نہیں۔ اور ایک بڑی خصوصیت اس عبادت کی آپ نے ملاحظہ فرمائی کہ اللہ تعالےٰ نے اس کو اور عبادتوں سے مستثنےٰ کر کے یہ فرمایا کہ اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهٗ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِهٖ یعنی اور طاعات کا بدلہ تو فرشتوں کے ذریعہ دلوایا جائے گا مگر روزہ کا بدلہ خود حق تعالےٰ عطا فرمائیں گے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ اس حدیث کا مطلب یہ بیان فرما رہے ہیں کہ روزہ میرے لئے ہے اور اس کی جزا میں خود ہوں۔ یعنی اس کے روزے کی جزا آخرت میں میرا دیدار اور دنیا میں میری معرفت ہے۔ آگے لکھتے ہیں۔

بیہقی کی روایت میں ہے کہ کسی شخص نے حضرت سفیان ابن عیینہ سے اس حدیث قدسی کے معنی دریافت کئے انہوں

لائق ہے کہ اس کی اطاعت اس کے منہ پر مار دی جائے اور اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کے روزہ کی کچھ پرواہ نہیں اور وہ اس کی طرف نظر عنایت نہ فرمائیں۔

اسی لئے کہتا ہوں کہ صرف کھانا پانی چھوڑ دینا تو آسان ہے لیکن جب ایسا روزہ رکھے گا جس میں جھوٹ نہ ہو، غیبت نہ ہو، لغویات نہ ہو، بیہودگی اور بے شرمی کی باتیں نہ ہوں تو مشکل پڑ جائے گی۔ چنانچہ بہت سے لوگ یہاں دنیا میں روزہ کی مشقت برداشت کر رہے ہیں مہینہ بھر کا روزہ رکھ کر سوکھ کر کانٹا ہو جاتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ غیبت شکایت اور کذب اسی طرح کی بہت سی لایعنی باتوں کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اس لئے روزہ سے جو مقصود ہے یعنی تقویٰ وہ حاصل نہیں ہوتا تو آخرت میں ایسے روزہ کا بھلا کیا ثواب ملے گا افسوس کہ کھانے پینے سے بھی محروم رہے اور ثواب بھی نہ ملا۔ اس سے بڑھ کر خسران کیا ہوگا۔

خسر الدنیا والآخرۃ

الغرض اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزہ کی مقبولیت ان معاصی کے ترک پر موقوف ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں روزہ کی ایک خاص شان ہے اس لئے کہ یہ دین کا ایک اہم فریضہ اور شعائر اسلام میں سے ہے اسی وجہ سے اس کا اہتمام بھی زیادہ ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ماہ مبارک کا بہت اہتمام فرماتے تھے اور پورے سال ہی اس کے انتظار میں رہا کرتے تھے اور اس کے آنے سے پیشتر ہی صحابہ کو اس کے فضائل کی جانب متوجہ فرمایا کرتے تھے چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ماہ مبارک کے بڑے بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رض روایت کرتے ہیں کہ شعبان کی آخری تاریخ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک خطبہ دیا اس میں یہ فرمایا کہ اے لوگو! تم پر ایک مبارک مہینہ سایہ فگن ہوا ہے وہ ایسا مہینہ ہے کہ اس میں ایک رات ہے جو ہزار راتوں سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزوں کو فرض کیا ہے اور اس کے قیام کو نفل قرار دیا ہے جو شخص اس مہینہ میں کوئی بھی نفل کام کرے تو وہ ایسا ہے کہ جیسے دوسرے ایام میں فرض ادا کرنا اور جو شخص اس میں کسی فرض کو ادا کرے تو وہ ایسا ہے جیسے کہ غیر رمضان میں ستر فرض ادا کئے ہوں اور یہ صبر کا مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے جو شخص اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو یہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ بنے گا۔ اور ایسا ہوگا گویا کہ اس نے جہنم سے ایک رقبہ کو آزاد کیا۔ اور اس کو بھی اس روزہ دار کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ اس کے اجر میں کچھ کمی ہو۔ صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں تو بہت سے لوگ ایسے نادار ہیں کہ کسی روزہ دار کو افطار کرانے کی استطاعت ہی نہیں رکھتے۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اسے بھی دیگا جو کسی کو ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی ہی سے افطار کرا دے اور جو شخص کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کھانا کھلا دے تو اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض سے ایسا پانی پلائیں گے کہ پھر دخول جنت تک وہ پیاسا نہ ہوگا۔ اور آپ نے اسی خطبہ میں یہ بھی فرمایا کہ یہ ایسا مہینہ ہے جس کا اول رحمت ہے اور اوسط مغفرت اور آخر دوزخ سے رہائی ہے اور جو شخص اس ماہ میں اپنے غلام پر تخفیف کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائیں گے اور اس کو دوزخ سے رہائی دیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آخری شب میں اللہ تعالےٰ میری امت کے صائمین (روزہ داروں) کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ کیا وہ لیلۃ القدر ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں مگر بات یہ ہے کہ مزدور کی مزدوری کام ختم ہونے پر دی جایا کرتی ہے۔

اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جنت رمضان کے لئے شروع سال ہی سے سجائی جاتی ہے تو پس جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو عرش کے نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے اور جنت کے پتوں پر سے نکل کر کے حور عین پر سے گزرتی ہے تو وہ کہتی ہیں کہ اے ہمارے رب اپنے بندوں میں سے ہمارے لئے ازواج بنا دیجیے جن سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ہم سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

اور ارشاد فرماتے ہیں کہ جنت میں آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک کا نام باب الریان ہے اس میں بجز روزہ داروں کے اور کوئی داخل نہ ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کا روزہ ایمان کے ساتھ اور ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رکھا تو اس کے پچھلے گناہ سب معاف کر دیئے جائیں گے اور جس نے رمضان میں ایمان کے ساتھ اور ثواب حاصل کرنے کی نیت سے قیام کیا تو اس کے پچھلے گناہ سب معاف کر دیئے جائیں گے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صیام اور قرآن یہ دونوں بندے کی شفاعت کریں گے چنانچہ روزہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار میں نے دن کو اس کو کھانے اور شہوت سے روک رکھا تھا لہٰذا اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمایئے اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو رات میں سونے سے روک رکھا تھا لہٰذا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرمایئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ ہر انسان کی نیکیوں کا ثواب ایک کا دس اور دس سے لے کر سات سو تک ملتا ہے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ روزہ اس سے مستثنےٰ ہے اس لئے کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ کیونکہ بندہ اپنی شہوت اور کھانے پینے کو میری خاطر چھوڑتا ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ روزہ کتنی عظیم الشان عبادت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ عبادات میں سے سب سے بڑی نماز ہے لیکن اس کا بھی یہ حال ہے کہ وہ پیشاب پاخانہ اور سونے سے ختم ہو جاتی ہے لیکن روزہ ہی ایک ایسی عبادت ہے کہ آپ جاگ رہے ہوں تو روزہ دار۔ سو رہے ہوں تو روزہ دار، پاخانہ میں جائیں تو روزہ دار کے ساتھ ساتھ۔ غرض کسی حال میں یہ آپ سے منفک اور جدا نہیں ہوتا۔ یہ اسی کی خصوصیت ہے اس شان کی کوئی دوسری عبادت نہیں۔ اور ایک بڑی خصوصیت اس عبادت کی آپ نے ملاحظہ فرمائی کہ اللہ تعالےٰ نے اس کو اور عبادتوں سے مستثنےٰ کر کے یہ فرمایا کہ اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّہٗ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ یعنی اور طاعات کا بدلہ تو فرشتوں کے ذریعہ دلوایا جائے گا مگر روزہ کا بدلہ خود حق تعالےٰ عطا فرمائیں گے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ اس حدیث کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ روزہ میرے لئے ہے اور اس کی جزا میں خود ہوں۔ یعنی اس کے روزے کی جزا آخرت میں میرا دیدار اور دنیا میں میری معرفت ہے۔ آگے لکھتے ہیں۔

بیہقی کی روایت میں ہے کہ کسی شخص نے حضرت سفیان ابن عیینہ سے اس حدیث قدسی کے معنی دریافت کئے انہوں

نے فرمایا کہ یہ حدیث نہایت صحیح اور مستند حدیث ہے اور مطلب یہ ہے کہ قیامت میں جب لوگوں کے درمیان باہمی حقوق کا فیصلہ کیا جائے گا پس اگر کسی کے ذمے کچھ حقوق العباد ہونگے تو اس کے بدلے میں اس کی نیکیاں اہل حقوق کو دیدی جائیں گی یہاں تک کہ اسکا کوئی نیک عمل باقی نہیں رہے گا۔ مگر جب نوبت روزہ کی آئے گی تو حق تعالیٰ اس کے روزے کو حقوق کے عوض میں نہ دینگے اور یہ فرمائیں گے کہ اسے چھوڑ دو اس لئے کہ یہ خاص میرے لئے ہے اور اس شخص کے بقیہ مظالم کو خود رکھ لیں گے اور اہل حقوق کو اپنے پاس سے ثواب دے کر راضی فرما دیں گے بس روزہ، روزہ دار کے ہمراہ ہو کر اس کو جنت میں کھینچ لے جائے گا۔

(کذا فی فتح القدیر)

سبحان اللہ کیسی حدیث ہے اور حق تعالیٰ کے کرم اور عنایات والطاف بے پایاں کو کس قدر ظاہر کرنے والی ہے۔ کہ بندوں کی یہ عبادت یعنی روزہ ان کے دربار میں کتنی باوقعت اور ذات باری کو کیسی پسند ہے کہ اسے بندہ کے اعمال میں سے الگ نکال لیتے ہیں اور اس کی قدر افزائی کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ یہ میرے لئے خاص ہے اور اس کا بدلہ میں ہی دونگا۔

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ والوں پر اس مژدہ کو سن کر کیا گزر جاتی ہوگی۔ یہ حضرات اس موقعہ پر یہی کہتے ہیں کہ ع

بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست

یعنی اس خوشخبری پر اگر اپنی جان نثار کر دوں تو روا، اور زیبا ہے۔ آپ کو جب یہ حدیث ہی نہ معلوم ہوگی تو پھر آپ روزے کی کیا قدر کریں گے اسی لئے کہتا ہوں کہ عمل کے لئے پہلے علم کی ضرورت ہے علم سے اعتقاد درست ہوتا ہے عمل کی طرف رغبت اور شوق پیدا ہوتا ہے کسی چیز کی رغبت عظمت اور اس کا درجہ معلوم ہوتا ہے چنانچہ علماء مصلحین ہر زمانے میں امت کی اصلاح اسی طرح کرتے ہیں کہ پہلے ان کو صحیح علم سے واقف کراتے ہیں اور اسی کے ذریعہ ان کو عمل پر ابھارتے ہیں اب شریعت چونکہ خدا کی ہے اللہ تعالیٰ نے خود اس میں حسن رکھا ہے اور کشش فرمائی ہے لہذا عالم دین اگر صرف خدا اور رسول کا آئین سیدھے سادے طریقے پر لوگوں کے سامنے پیش کر دے تو شریعت سے لوگوں کو محبت پیدا ہو جائے

علمائے ربانی نے ایسی ایسی تقریریں فرمائی ہیں کہ ایک ہی مجلس میں دوسرے مسلک والوں نے اپنے مسلک سے توبہ کر لی ہے اور مسلمان ہو گئے ہیں۔

بہر حال خدا اور رسول نے روزے کے جو فضائل بیان فرمائے ہیں ان کے سننے کے بعد کوئی ایسا نہیں جو خوشی خوشی اس کی مشقت برداشت نہ کر لے۔ اور ثواب کا طالب نہ ہو جائے۔

روزہ کی خصوصیت اور اس عبادت کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ اس میں فی الجملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبّہ ہوتا ہے یعنی اس میں سب چیزوں کا ترک ہوتا ہے۔ انسان نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے اور نہ لوازم بشریت کو کرتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک قسم کی مشابہت ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی ان سب چیزوں سے منزہ ہیں۔

اسی طرح سے اس میں فرشتوں سے مشابہت ہو جاتی ہے چنانچہ اس عبادت کی وجہ سے انسان کو تقدس حاصل ہو جاتا ہے روح پاک وصاف ہو جاتی ہے مگر یہ جب ہے کہ آپ کھانے پینے کے ساتھ ساتھ معاصی کو بھی ترک کر دیں کیونکہ فرشتے جس طرح کھاتے پیتے نہیں اسی طرح معصیت بھی نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ لا یعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یؤمرون یعنی اللہ تعالیٰ جو حکم ان کو دیتے ہیں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور ان کو جو کچھ حکم دیا جاتا ہے اس کو کرتے ہیں۔ پس اگر آپ روزے میں کھانے پینے کے ترک کے ساتھ معصیت بھی ترک کر دیں تو فرشتوں سے پوری مشابہت

ہوجائے اور یہی حاصل ہے تقویٰ کا جو کہ روزہ کی فرضیت سے مقصودِ اصلی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک دوسری مہتم بالشان عبادت یعنی حج کو اس کا مقدمہ بنایا ہے اور حج کے مہینہ رمضان شریف کے بعد مقرر کئے تاکہ انسان ماہ رمضان میں اپنے نفس کا تزکیہ کرکے اپنے اندر اصلاح اور تقویٰ پیدا کرلے اور حاضریٔ دربار کی استعداد اپنے اندر پیدا کرکے تب دربارِ خداوندی میں حاضر ہو۔ گویا رمضان ماہِ مجاہدہ ہے اور اس کے بعد ماہ شوال ماہِ مشاہدہ ہے اگر آدمی روزہ ٹھکانے سے رکھے تو اس کی وجہ سے نفس بالکل پاک صاف ہوجاتا ہے اس کو ٹھکانے سے رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کا حق ادا کرے یعنی کھانے پینے کے ترک پر اکتفا نہ کرے بلکہ زبان کی بھی حفاظت کرے کہ غیبت نہ کرے اور جھوٹ نہ بولے اور لایعنی باتوں میں اپنا وقت صرف نہ کرے یہی زبان کا روزہ ہے اور کان کی بھی یہ عبادت ہے کہ غیبت نہ سنے اور نہ لغو لایعنی بات سنے اور اس میں آنکھ کی بھی عبادت ہے کہ اس کو نامشروع محل میں نہ استعمال کرے۔

جب انسان ان سب امور کا لحاظ رکھے تو یہ علامت ہوگی اس کے تقویٰ کی کہ اس کے قلب میں تقویٰ موجود ہے اور مقصدِ صوم (روزہ) اسے حاصل ہو رہا ہے اور ظاہر معاصی کا ترک یہ تو تقویٰ کا پہلا درجہ ہے اور دوسرے درجات اس کے آگے ہیں وہ یہ کہ اس میں فرشتوں سے مشابہت ہوجاتی ہے گویا انسان کو ملکیت حاصل ہوجاتی ہے کہ آدمی نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے ہر وقت ذکر اللہ میں رطب اللسان رہتا ہے ظاہر بات ہے کہ یہ بڑا درجہ ہے اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ انسان متخلق باخلاق اللہ ہوجاتا ہے اس لئے کہ کھانے پینے کا عدم منجملہ صفاتِ الٰہیہ کے ہے اور بندہ بحالتِ روزہ اس سے متصف ہوتا ہے۔

بہرحال یہ مقامات تو عالیہ ہیں ان کو بڑے لوگوں کے لئے رہنے دیجئے آپ تو صرف یہی کرلیں تو بہت ہے کہ اپنے آپ کو معاصی سے بچالیں اور گناہ نہ کریں۔ اسی لئے تو میں ان کو غنیمت سمجھتا ہوں جو روزہ میں سوتے رہتے ہیں اس لئے کہ یہ سمجھتا ہوں کہ گو اس وقت یہ کوئی ظاہری طاعت تو نہیں کر رہا ہے تاہم غیبت اور معصیت سے تو بچا ہوا ہے اسے اجر گو کم ملے گا مگر اس کا روزہ نامقبول تو نہ ہوگا۔

اور یہ اس لئے کہتا ہوں کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ روزہ بھی رکھے ہوئے ہیں اور دو دو چار چار گھنٹے غیبت میں بھی گزارتے ہیں اور لطف یہ کہ اس کو برا بھی نہیں جانتے بلکہ کہتے ہیں کہ صاحب اگر اس طرح نہ کریں تو روزہ کٹے کیسے إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

اللہ والوں نے تو اپنا روزہ کاٹا تھا اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت کرکے۔ تم سے یہ سب تو ہوتا نہیں اس لئے تم اپنا روزہ کاٹتے ہو غیبت کرکے اور لوگوں کا گوشت کھا کر قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے غیبت کرنے کو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر فرمایا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ الآیہ۔ (یعنی اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے بچو اس لئے کہ بعض ظن گناہ ہے اور تجسس نہ کرو اور تم میں سے ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے کیا تم میں کا کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ (ظاہر بات ہے کہ) تم اس کو ناپسند کرتے ہوگے۔

اسی طرح حدیث شریف میں بھی آتا ہے کہ ایک شخص

نے فرمایا کہ یہ حدیث نہایت صحیح اور مستند حدیث ہے اور مطلب یہ ہے کہ قیامت میں جب لوگوں کے درمیان باہمی حقوق کا فیصلہ کیا جائے گا پس اگر کسی کے ذمے کچھ حقوق العباد ہونگے تو اس کے بدلہ میں اس کی نیکیاں اہل حقوق کو دیدی جائیں گی یہاں تک کہ اسکا کوئی نیک عمل باقی نہیں رہے گا۔ مگر جب نوبت روزہ کی آئے گی تو حق تعالےٰ اس کے روزے کو حقوق کے عوض میں نہ دینگے اور یہ فرمائیں گے کہ اسے چھوڑ دو اس لئے کہ یہ خاص میرے لئے ہے اور اس شخص کے بقیہ مظالم کو خود رکھ لیں گے اور اہل حقوق کو اپنے پاس سے ثواب دے کر راضی فرما دیں گے بس روزہ روزہ دار کے ہمراہ ہو کر اس کو جنت میں کھینچ لے جائے گا۔

(کذا فی فتح القدیر)

سبحان اللہ کیسی حدیث ہے اور حق تعالےٰ کے کرم اور عنایات والطاف بے پایاں کو کس قدر ظاہر کرنے والی ہے۔ کہ بندوں کی یہ عبادت یعنی روزہ ان کے دربار میں کتنی باوقعت اور ذات باری کو کیسی پسند ہے کہ اسے بندہ کے اعمال میں سے الگ نکال لیتے ہیں اور اس کی قدرافزائی کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ یہ میرے لئے خاص ہے اور اس کا بدلہ میں ہی دونگا۔

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ والوں پر اس مژدہ کو سن کر کیا گزر جاتی ہوگی۔ یہ حضرات اس موقعہ پر یہی کہتے ہیں کہ ع

بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست

یعنی اس خوشخبری پر اگر اپنی جان نثار کر دوں تو روا، اور زیبا ہے۔ آپ کو جب یہ حدیث ہی نہ معلوم ہوگی تو پھر آپ روزے کی کیا قدر کریں گے اسی لئے کہتا ہوں کہ عمل کے لئے پہلے علم کی ضرورت ہے علم سے اعتقاد درست ہوتا ہے عمل کی طرف رغبت اور شوق پیدا ہوتا ہے کسی چیز کی رغبت عظمت اور اس کا درجہ معلوم ہوتا ہے چنانچہ علماء مصلحین ہر زمانے میں امت کی اصلاح اسی طرح کرتے ہیں کہ پہلے ان کو صحیح علم سے واقف کراتے ہیں اور اسی کے ذریعہ ان کو عمل پر ابھارتے ہیں اب شریعت چونکہ خدا کی ہے اللہ تعالےٰ نے خود اس میں حسن رکھا ہے اور کشش فرمائی ہے لہذا عالم دین اگر صرف خدا اور رسول کی باتیں سیدھے سادے طریقے پر لوگوں کے سامنے پیش کردے تو شریعت سے لوگوں کو محبت پیدا ہو جائے

علمائے ربانی نے ایسی ایسی تقریریں فرمائی ہیں کہ ایک ہی مجلس میں دوسرے مسلک والوں نے اپنے مسلک سے توبہ کرلی ہے اور مسلمان ہو گئے ہیں۔

بہرحال خدا اور رسول نے روزے کے جو فضائل بیان فرمائے ہیں ان کے سننے کے بعد کوئی ایسا نہیں جو خوشی خوشی اس کی مشقت برداشت نہ کرلے۔ اور ثواب کا طالب نہ ہو جائے۔

روزہ کی خصوصیت اور اس عبادت کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ اس میں فی الجملہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ تشبہ ہوتا ہے یعنی اس میں سب چیزوں کا ترک ہوتا ہے۔ انسان نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے اور نہ لوازم بشریت کو کرتا ہے اس لئے اللہ تعالےٰ کے ساتھ ایک قسم کی مشابہت ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ بھی ان سب چیزوں سے منزہ ہیں۔

اسی طرح سے اس میں فرشتوں سے مشابہت ہو جاتی ہے چنانچہ اس عبادت کی وجہ سے انسان کو تقدس حاصل ہو جاتا ہے روح پاک وصاف ہو جاتی ہے مگر یہ جب ہے کہ آپ کھانے پینے کے ساتھ ساتھ معاصی کو بھی ترک کردیں کیونکہ فرشتے جس طرح کھاتے پیتے نہیں اسی طرح معصیت بھی نہیں کرتے۔ اللہ تعالےٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ لا یعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یؤمرون یعنی اللہ تعالےٰ جو حکم ان کو دیتے ہیں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور ان کو جو کچھ حکم دیا جاتا ہے اس کو کرتے ہیں۔ پس اگر آپ روزے میں کھانے پینے کے ترک کے ساتھ معصیت بھی ترک کردیں تو فرشتوں سے پوری مشابہت

جائے اور یہی حاصل ہے تقویٰ کا جو کہ روزہ کی فرضیت سے مقصود اصلی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی ایک دوسری مہتم بالشان عبادت یعنی حج کو اس کا مقدمہ بنایا ہے۔ حج کے مہینہ رمضان شریف کے بعد مقرر کئے تاکہ انسان ماہ رمضان میں اپنے نفس کا تزکیہ کرکے اپنے اندر اصلاح اور تقویٰ پیدا کرلے۔ اور حاضریٔ دربار کی استعداد اپنے اندر پیدا کرکے تب دربار خداوندی میں حاضر ہو۔ گویا رمضان ماہ مجاہدہ ہے اور اس کے بعد ماہ شوال ماہِ مشاہدہ ہے اگر آدمی روزہ ٹھکانے سے رکھے تو اس کی وجہ سے نفس بالکل پاک صاف ہوجاتا ہے اس کو ٹھکانے سے رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کا حق ادا کرے یعنی کھانے پینے کے ترک پر اکتفا نہ کرے بلکہ زبان کی بھی حفاظت کرے کہ غیبت نہ کرے اور جھوٹ نہ بولے اور لایعنی باتوں میں اپنا وقت صرف نہ کرے یہی زبان کا روزہ ہے اور کان کی بھی یہ عبادت ہے کہ غیبت نہ سنے اور نہ لغو لایعنی بات سنے اور اس میں آنکھ کی بھی عبادت ہے کہ اس کو نامشروع محل میں نہ استعمال کرے۔

جب انسان ان سب اُمور کا لحاظ رکھے تو یہ علامت ہوگی اس کے تقویٰ کی کہ اس کے قلب میں تقویٰ موجود ہے اور مقصد صوم (روزہ) اسے حاصل ہو رہا ہے اور ظاہر معاصی کا ترک یہ تو تقویٰ کا پہلا درجہ ہے اور دوسرے درجات اس کے آگے ہیں وہ یہ کہ اس میں فرشتوں سے مشابہت ہوجاتی ہے گویا انسان کو ملکیت حاصل ہوجاتی ہے کہ آدمی نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے ہر وقت ذکر اللہ میں رطب اللسان رہتا ہے ظاہر بات ہے کہ یہ بڑا درجہ ہے اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ انسان متخلق باخلاق اللہ ہوجاتا ہے اس لئے کہ کھانے پینے کا عدم منجملہ صفات الٰہیہ کے ہے اور بندہ بحالت روزہ اس سے متصف ہوتا ہے۔

بہرحال یہ مقامات تو عالیہ ہیں ان کو بڑے لوگوں کے لئے رہنے دیجئے آپ تو صرف یہی کرلیں تو بہت ہے کہ اپنے آپ کو معاصی سے بچالیں اور گناہ نہ کریں۔ آج کل لئے میں ان کو غنیمت سمجھتا ہوں جو روزہ میں سوتے رہتے ہیں اس لئے کہ یہ سمجھتا ہوں کہ گو اس وقت یہ کوئی ظاہری طاعت تو نہیں کر رہا ہے تاہم غیبت اور معصیت سے تو بچا ہوا ہے اسے اجر گو کم ملے گا مگر اس کا روزہ نامقبول تو نہ ہوگا۔

اور یہ اس لئے کہتا ہوں کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ روزہ بھی رکھے ہوئے ہیں اور دو دو چار چار گھنٹے غیبت میں بھی گزارتے ہیں اور لطف یہ کہ اس کو برا بھی نہیں جانتے بلکہ کہتے ہیں کہ صاحب اگر اس طرح نہ کریں تو روزہ کٹے کیسے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

اللہ والوں نے تو اپنا روزہ کاٹا تھا اللہ تعالےٰ کے کلام کی تلاوت کرکے۔ تم سے یہ سب تو ہوسکتا نہیں اس لئے تم اپنا روزہ کاٹتے ہو غیبت کرکے اور لوگوں کا گوشت کھا کر قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ نے غیبت کرنے کو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر فرمایا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا كَثِیۡرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوۡا وَلَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُكُمۡ بَعۡضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمۡ اَنۡ یَّاۡكُلَ لَحۡمَ اَخِیۡهِ مَیۡتًا فَكَرِهۡتُمُوۡهُ الآیہ۔ (یعنی اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے بچو اس لئے کہ بعض ظن گناہ ہے اور تجسس نہ کرو اور تم میں سے ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے کیا تم میں کا کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ (ظاہر بات ہے کہ) تم اس کو ناپسند کرتے ہوگے۔

اسی طرح حدیث شریف میں بھی آتا ہے کہ ایک شخص

غیبت کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے جو غیبت کی ہے اس کی وجہ سے مجھے تمہارے منہ سے کچے گوشت کھانے کی بو آ رہی ہے۔

اسی طرح بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ روزہ رکھ کر تاش کھیلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم روزہ بہلا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب دین سے دور ہو کر ذکر اللہ اور تلاوت سے مناسبت ختم کر لوگے تو پھر اپنا روزہ ادھر ادھر کی بکواس اور تاش کھیلنے سے نہ بہلاؤ گے تو اور کیا کرو گے۔ جب اچھی چیزوں کو ترک کر دو گے تو بری چیزیں ان کی جگہ لے ہی لیں گی۔

پس جب سنت کو چھوڑ دو گے تو بدعت اس کی جگہ آ جائے گی۔ یہ لوگ یہی کرتے ہیں کہ کچھ وقت تو اپنا سونے میں گزارتے ہیں اور کچھ غیبت و شکایت میں اور عصر بعد عمدہ عمدہ افطاری کی تیاری میں۔

میں کہتا ہوں کہ افطاری کی تیاری بھی بیشک مشروع ہے اور اچھی نیت سے ہو تو موجب اجر و ثواب بھی ہے، چنانچہ روزہ دار جب شام کو افطاریاں اپنے سامنے سجا کر اذان کے انتظار میں بیٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ ادا بہت پسند آتی ہے کہ کھانے پینے کی خواہش موجود اور سامنے کھانا پینا بھی موجود مگر یہ اذانِ الٰہی کا منتظر ہے، کھا نہیں رہا ہے جو اس کا غایت درجہ کا انقیاد و انکسار ہے، اور انتہائی عبدیت کا مظاہرہ ہے اس لئے یہ امر عمل موجب اجر و ثواب ہے، مگر کس کے لئے؟ اس شخص کے لئے جس نے روزہ کا حق ادا کیا ہو یعنی اپنے سارے اعضا و جوارح کو روزہ میں شریک رکھا ہو، آنکھ کو بھی زبان کو بھی، کان کو بھی، قدم کو بھی اور قلب و ذہن کو بھی اور محض اللہ تعالیٰ کے لئے کھانے پینے کو چھوڑا ہو تو بلاشبہ اس کے لئے افطار کا وقت غایت خوشی اور فرحت و مسرت کا وقت ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ یعنی روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی تو اس کو روزہ افطار کے وقت ہوتی ہے اور دوسری خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت ہوگی۔

باقی جس شخص نے غروب سے پہلے ہی اپنا روزہ غیبت سے، کذب سے، نمیمہ سے، بدنظری سے یا یمین کاذبہ (جھوٹی قسم) سے ہی افطار کر لیا ہو اس کے لئے بھلا کیا خوشی کا مقام ہے اس نے تو اپنے اوپر معصیت کا ایک انبار جمع کر لیا۔ ایک تو یہ کہ دن ہی میں قبل از وقت روزہ افطار کیا، دوسرے یہ کہ افطار بھی کیا تو کسی جائز اور حلال چیز سے نہیں بلکہ ایک حرام شئے یعنی غیبت نمیمہ وغیرہ سے۔ یہ اس نے ستم بالائے ستم کیا اور تیسرا گناہ یہ کہ اپنے اس معصیت بھرے عمل پر خوش بھی ہے اور سمجھ رہا ہے کہ میرا روزہ صحیح اور مقبول ہے حالانکہ اس کو چاہیئے تو یہ تھا کہ اپنے ایسے عمل پر روتا توبہ و استغفار کرتا اس کے بجائے وہ معصیت پر خوش ہو رہا ہے۔

برخلاف اس کے مومن متقی کا روزہ جو ہوتا ہے وہ معاصی تو بجائے خود رہے ان کو لغویات سے بھی بچاتا ہے چنانچہ جب وہ افطار کرتا ہے تو طاعت کی ادائیگی پر اللہ پاک کا شکر بجا لاتا ہے اور اس کی یہ خوشی کچھ افطار کرنے کی خوشی نہیں ہوتی بلکہ اس بات کی خوشی ہوتی ہے کہ روزہ جو اللہ کا فریضہ ہے خیریت سے ادا ہو گیا یعنی یہ کہ وہ تمام معاصی سے بچا رہا۔ پس اس کی یہ خوشی ایمانی خوشی ہوتی ہے اور دن بھر تعب پر صبر کرنے کے بعد جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے انواع و اقسام کی نعمتیں اپنے سامنے دیکھتا ہے اور اس کے استعمال کا اذن پاتا ہے تو زبانِ حال سے بھی

گویا یہ کہتا ہے ؎

للہ الحمد نہ مردیم و رسیدیم بدوست
آفریں باد بریں ہمتِ مردانۂ ما

(یعنی خدا کا شکر ہے کہ ہم مرے نہیں دوست تک پہونچ گئے پس ہماری اس ہمتِ مردانہ پر صد آفریں۔)

آج جو ہم لوگوں کو روزہ نماز کی قدر نہیں ہے اس کا منشاء شریعت سے جہل ہے قرآن وسنت میں اس کے فضائل موجود ہیں لیکن ہم لوگ بیان نہیں کرتے۔ ظاہر ہے جب کسی چیز کو بیان ہی نہ کیا جائیگا تو لوگوں کو اس کا علم کیونکر ہوگا اور جب علم نہ ہوگا تو اس پر عمل کیسے کریں گے اور جب عمل ہی نہ ہوگا تو اس کی برکات کیا ملیں گی۔

ہمارے اسلاف ایسے نہیں تھے۔ بزرگان دین رمضان شریف کے ایام کی بڑی قدر کرتے تھے اور اس ماہ میں طاعات وغیرہ کا بڑا اہتمام کرتے تھے کیونکہ جو شخص ٹھیک ہوتا ہے وہ اسی مہینہ میں ٹھیک ہوتا ہے اور جیسا عمل اس مہینہ میں کوئی شخص کرلیتا ہے سارا سال اسی طرح رہتا ہے۔

اور سنئیے :- اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب توریت دی تھی تو اس سے پہلے ایک مہینہ کے روزوں کا حکم فرمایا اور پھر کسی وجہ سے دس دن کے اضافہ کا امر ہوگیا جس کی وجہ سے مجموعہ چالیس دن کا روزہ ہوگیا مگر ابتداً حکم تیس دن ہی کا تھا۔ جب ان روزوں کی کل تعداد انہوں نے پوری کرلی۔ تو اُن کو حق تعالےٰ نے اپنی کتاب تورات عطا فرمائی۔

آپ بھی اگر اللہ ورسول کے منشاء کے مطابق روزہ رکھیں تو آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ ہاں کچھ ملا۔ بزرگوں نے ان ایام کا بڑا اہتمام کیا ہے۔ آخر انہوں نے اس میں کچھ پایا نہ ہوگا۔ جبھی تو اس قدر اہتمام فرماتے تھے اگر اس عبادت کے لئے خاص شان نہ ہوتی تو حق تعالےٰ یہ نہ فرماتے کہ فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اُجْزِیْ بِہٖ یعنی روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اسکا بدلہ دوں گا یا ایک روایت کی رو سے میں خود اس کا بدلہ ہونگا چنانچہ مشائخ اپنی کتابوں میں اس حدیث قدسی کو نقل فرماتے ہیں مَنْ قَتَلْتُہٗ فَاَنَا دِیَتُہٗ اس میں بھی اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں جس کو میں قتل کر دوں اس کی دیت میں خود ہوں یوں تو مراد یہاں قتل سے قتل محبت ہے یعنی جو شخص اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کی محبت میں فنا کردے۔ اور ختم کر دے تو اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں پھر وہ مجھ سے واصل ہو جاتے گا یعنی میں اس سے مل جاؤنگا لیکن روزہ دار جو صحیح نیت کے ساتھ محض اللہ تعالےٰ کے لئے کھانا پانی بلکہ جملہ خواہشات کو ترک کرتا ہے اور اپنے نفس کو مارتا ہے تو یہ بھی ایک طرح کا قتل کرنا ہی ہے۔ پس مقصود ان دونوں حدیثوں کا ایک ہی ہے اور اَنَا اُجْزِیْ بِہٖ گویا اَنَا دِیَتُہٗ کا مترادف ہے اسی حدیث میں ہے کہ یَدَعُ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ مِنْ اَجْلِیْ یعنی صوم کے متعلق یہ جو فرمایا کہ وہ میرے لئے خاص ہے اور میں ہی اس کا بدلہ ہوں گا اس خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ اس بندے نے اپنے کھانے پینے کو اور اپنی شہوت کو میری خاطر چھوڑا ہے۔

دیکھا آپ نے اللہ تعالےٰ کے نزدیک یہ قدردانی ہے آپ کے روزے کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے کھانے پینے کے ترک کرنے کی وہاں قدر ہے جب کہ اخلاص کے ساتھ ہوا اور یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کو اس کے کھانے اور پانی کو ترک کرنے کی کوئی پرواہ نہیں تو یہ اس وقت ہے جب کہ اس کے شرائط کو نہ پورا کیا جائے۔ اور اس کو اللہ ورسول کے منشاء کے مطابق نہ رکھا جائے۔ ورنہ تو روزہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک قابل قدر عبادت ہے اور اس کے متعلق تو حدیث شریف میں بھی آتا ہے کہ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِہٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّہٖ یعنی روزہ دار کے لئے

دو خوشیاں ہیں ایک تو افطار کے وقت ہوتی ہے۔ اور دوسری اس وقت ہوگی جب کہ اپنے رب سے ملاقات کریگا اور ان کے ہاتھوں اس کا صلہ اور بدلہ پائے گا یہ بھی حدیث قدسی ہی کا ٹکڑا ہے۔ اس حدیث میں اگرچہ اللہ تعالیٰ صائمین کی فرحت کو بیان فرما رہے ہیں مگر اس سے یہ معلوم ہوا کہ بندہ ہی نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ بھی مسرور ہیں کہ بندے نے اپنے طعام اور جملہ شہوات کو محض ان کی رضا کی خاطر چھوڑ دیا اب اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے۔

اب سنئے :۔ افطار کے متعلق حدیث قدسی میں آیا ہے کہ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَحَبُّ عِبَادِیْ اِلَیَّ اَعْجَلُہٗ فِطْرًا یعنی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب میرے نزدیک وہ لوگ ہیں جو افطار میں جلدی کرتے ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ لَایَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ یعنی لوگ ہمیشہ خیر پر رہیں گے جب تک کہ افطار میں تعجیل کرتے رہیں گے یعنی جب تک اس سنت پر قائم رہیں گے شر و فساد سے مامون رہینگے۔

توربشتی نے کہا یہ اس لئے کہ تعجیل میں اہل کتاب کی مخالفت ہے اس لئے کہ وہ لوگ خوب ستارے چھپ جانے تک انتظار کرتے ہیں۔

چنانچہ ہماری ملت کے اہل بدعت کی یہی عادت ہو گئی ہے اور یہ تعجیل افضل اور محبوب اس لئے ہے کہ اس میں اپنی عاجزی کا اظہار ہے جو کہ عبدیت کے مناسب ہے اور حق تعالیٰ کی جانب سے رخصت اور اجازت کی جانب مبادرت ہے۔ آگے علامہ توربشتی فرماتے ہیں کہ اس میں دلیل ہے کہ متابعت رسول ہی صراط مستقیم ہے جو شخص اس سے کج ہوا تو اس نے گویا گمراہی کی کجی اختیار کی اگرچہ عبادت ہی میں کیوں نہ ہو۔

اسی طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السُّحُوْرِ بَرَکَۃً یعنی سحری کھاؤ اسلئے کہ اس میں برکت ہے۔

علماء نے فرمایا ہے کہ مراد برکت سے اگلے دن کے روزہ پر قوت کا حاصل کرنا ہے اس لئے کہ دوسری روایت میں آپ نے فرمایا کہ اَسْتَعِیْنُوْا بِمُقَابَلَۃِ عَلٰی قِیَامِ اللَّیْلِ وَبِاَکْلِ السُّحُوْرِ عَلٰی صِیَامِ النَّھَارِ یعنی مدد لو دن کے قیلولہ سے رات کے قیام پر اور رات کی سحری سے دن کے صیام پر۔ یا مراد برکت سے زیادتی ثواب ہے اسلئے کہ اس نے مرسلین کا طریقہ اختیار کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزے کے درمیان میں جو چیز فارق ہے وہ یہی سحری کا کھانا ہے۔

صاحب مرقاۃ حدیث اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ :۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ کے تحت فرماتے ہیں کہ راوی ابْنُ مَاجَہ اِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِہٖ دَعْوَۃً لَاتُرَدُّ۔ یعنی روزہ دار کے لئے اس کے افطار کے وقت ایسی دعا ہوتی ہے جو رد نہیں کی جاتی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت یہ دعا مانگا کرتے تھے یَا وَاسِعَ الْفَضْلِ اِغْفِرْلِیْ یعنی اے وسیع فضل و کرم والے میری مغفرت فرما۔ اور آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَعَانَنِیْ فَصُمْتُ وَرَزَقَنِیْ فَاَفْطَرْتُ یعنی تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے میری اعانت کی تو میں نے روزہ رکھا اور مجھ کو رزق دیا تو میں نے افطار کیا! دیکھا آپ نے یہ دعائیں آپ نے مانگیں تو کیا کسی بھی نہ ہونگی۔ اس سنت پر عمل کیجئے۔ ایک دعا تو افطار کے وقت

مانگ لیجیے۔ فرماتے ہیں کہ دعا اس وقت رد نہیں ہوتی اور رد اس لئے نہیں ہوتی کہ اس نے روزہ رکھا تو جب روزہ قبول ہوا تو اسی کی جزا یہ دیتے ہیں کہ دعا بھی قبول فرما لیتے ہیں اور روزہ کے بارے میں فرما چکے ہیں کہ فَاِنَّہٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ

پس ایک تو دعا عبادت تھا۔ دوسرے عبادت کے اندر اس کو شامل کیا اس لئے وہ بھی مقبول اور روزہ چونکہ افطار کے وقت ختم ہو جاتا ہے اس لئے اسی وقت دعا کی تاکہ اس کا جب یہ عمل صالح اوپر جائے تو ساتھ ساتھ دعا بھی جائے۔

انبیاء علیہم السلام چونکہ عارف کامل ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کی شیئون سے پورے واقف ہوتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کے ختم پر یہ دعا اس لئے فرمائی کہ یہ عبادت یعنی روزہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے تو ان کی محبوب شئے کے ساتھ اپنی حاجت کو بھی پیش کر دیا کہ ان کی ذات کریم ہے وہ یہ نہیں کریں گے کہ بندے کے روزہ کو تو لے لیں جو ان سے متعلق ہے اور دعا کو رد کر دیں جو بندے سے متعلق ہے اس لئے روزہ کے ساتھ ساتھ دعا بھی لے لی جاتی ہے۔ اسی واسطے آپ نے اس وقت دعا مانگ کر امت کو یہ تعلیم فرمائی ہے کہ کریم سے مانگنے کا سلیقہ اور طریقہ بھی سیکھنا چاہیئے کہ آدمی جب طریقہ سے مانگتا ہے تو پھر کامیاب ہو جاتا ہے۔

اس لئے کہتا ہوں کہ سنت کا علم حاصل کرو کیونکہ عمل بدون علم کے ہو نہیں سکتا اور بدون سنت کے جانے ہوئے اور طریق سنت پر چلے ہوئے راستہ بہت دشوار ہو جائے گا اور محنت اٹھانے اور مجاہدہ کرنے کے بعد بھی جہاں کے تہاں ہی رہو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا راستہ سنت پر منحصر ہے۔

مپندار سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

حضرت عرباض ابن ساریہؓ روایت کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں سحری کھانے کے لئے یہ فرماتے ہوئے بلایا کہ هَلُمَّ اِلَی الْغَدَاءِ الْمُبَارَکِ یعنی آؤ اور مبارک کھانا کھاؤ۔

دیکھیے اس میں سحر کو مبارک کھانا فرما رہے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو کھلانا چاہتے ہیں مگر آج کتنے لوگ ہیں کہ سحری ہی نہیں کھاتے اور کہتے ہیں کہ ہم تو ایک گھونٹ پانی پی لیتے ہیں بس کافی ہے۔ اللہ و رسول کا یہ منشا نہیں بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کو یہودیوں کا طریقہ بتایا ہے کہ وہ لوگ روزہ تو رکھتے ہیں مگر سحری نہیں کھاتے۔ سحری کھانا روزہ دار کو قوت بخشتا ہے۔ چنانچہ یہ ایسا مقبول کھانا ہے کہ اگر کچھ زیادہ بھی کھا لو تو شرعاً مواخذہ نہیں ہے اور جس طرح سے روزہ میں کھانے پینے کا ترک موجب اجر و ثواب ہے اسی طرح سے رات میں سحری کھانے میں ثواب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل چیز تو ثواب کی اللہ تعالیٰ کے حکم کا امتثال ہے۔ جب وہ منع کر دیں تو کھانا حرام اور جب پسند فرما دیں تو پھر کھانا ہی موجب اجر و ثواب ہے۔

سبحان اللہ! کیا سہل ہے شریعت کی کہ کھلا پلا کر خدا تک پہونچا دیا۔ یعنی کوئی ضروری چیز چھوڑوائی نہیں۔

ایک صاحب ہمارے یہاں کے کہتے تھے کہ ہم لوگوں کو کھلا پلا کر خدا تعالیٰ تک پہونچا دیتے ہیں۔ میں نے سنا تو کہا کہ شاید نہ پہونچا سکتے ہوں اور جو یہ کہہ رہے ہیں غلط کہتے ہوں۔ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے لوگوں کو کھلا پلا کر خدا تک پہنچا دیا ہے۔

دیکھیے اللہ تعالیٰ نے روزہ فرض فرمایا تو آپ نے

افطار میں جلدی کرنے اور سحری کو مسنون فرما دیا۔ ان صحابی کو سحری کھانے کے لئے بلا رہے ہیں اور پھر اس کو مبارک فرما رہے ہیں۔

غرض روزہ ایسی عبادت ہے کہ اس جیسی طویل کوئی عبادت نہیں ہے اگر اس میں قصد اور نیت صحیح ہو اور معصیت بھی نہ کرے بلکہ خدا کے حکم کے مطابق اس کو ادا کرے تو اسی رمضان کے ایک ہی مہینے میں انسان خدا تعالیٰ تک پہونچ جائے اور یہ بھی اس کے لئے بہت کافی ہو جائے مگر روزہ کو روزہ کی طرح رکھنا تو یہ بہت مشکل ہے، کھانا پینا ترک کر دینا تو آسان ہے باقی تقویٰ اختیار کرنا یہ مشکل ہے اور سارا دن آدمی ہر قسم کے گناہ سے آنکھ کے، کان کے، ہاتھ کے، زبان کے اسی طرح تمام جوارح کے گناہ سے اپنے کو محفوظ رکھے یہ بڑا مشکل کام ہے اس لئے کہ کوئی عبادت ایسی نہیں ہے کہ عین عبادت کے اندر گناہ ہوتا ہو اور وہ عبادت صحیح ہو جائے۔ پس روزہ تو دن بھر کا ہوتا ہے اب اس اتنے طویل وقت میں آدمی اپنے جملہ اعضاء کو معاصی سے بچائے رکھے یہ بہت مشکل بات ہے۔

اسی لئے حقیقی روزہ کے متعلق بڑا اجر و ثواب بھی وارد ہے مگر یہ روزہ آسان نہیں ہے۔ کھانا پینا چھوڑنا تو بہت آسان ہے مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق بھی ہو ایسا روزہ رکھنا بہت مشکل ہے حالانکہ یہی مقبول ہے اور اگر مرضی کے مطابق نہ ہوا بلکہ اس میں اس نے غیبت وغیرہ بھی کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر التفات نہ فرمائیں گے اس لئے کہ جو چیز سال بھر حرام تھی اس کو تو اس نے نہیں چھوڑا اور جو چیزیں غیر ایام صوم میں حلال تھیں انھیں چھوڑ دیا کیونکہ معاصی تو ہر زمانہ میں حرام ہوتے ہیں اس لئے روزہ میں اور زیادہ حرام ہو جائیں گے۔

پس ان ایام میں گناہ کرنا بہت ہی برا ہے ایک تو ماہ رمضان کی وجہ سے۔ دوسرے روزہ رکھے ہوئے ہے پھر غیبت کر رہا ہے اس کے متعلق پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ أَفْطَرَ مَنْ ظَلَّ يَأْكُلُ مِنْ لُحُوْمِ النَّاسِ یعنی جو شخص لوگوں کا دن بھر غیبت کیا کرتا ہے اس نے اپنا روزہ توڑ دیا۔

اسی طرح سے حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے ایک موقع پر فرمایا کہ أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رض جو راوی حدیث ہیں وہ فرماتے ہیں کہ لَا لِلْحِجَامَةِ وَلٰكِنْ لِلْغِيْبَةِ یعنی حاجم اور محجوم کے افطار کو جو آپ نے فرمایا تو وہ حجامت (سینگی لگوانے) کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ دونوں کسی کی غیبت بھی کر رہے تھے اس کی وجہ سے۔

ہم لوگ ہوتے تو آپ کے سامنے یہ سب باتیں نہ بیان کرتے مگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ بیان کر رہے ہیں تاکہ آپ کو بتائیں کہ مقصد شریعت کا محض کھانا پینا چھوڑنا نہیں ہے بلکہ اس صوم سے مقصود تقویٰ حاصل کرانا ہے۔ اب تم خود دیکھ لو کہ کتنے تقویٰ حاصل کیا ہے۔

واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب ہی چور پکڑا یعنی یہ فرمایا کہ قول زور اور عمل زور اگر روزہ میں ترک نہ کیا تو وہ روزہ تمہارا اللہ تعالیٰ کے یہاں نہیں پہونچے گا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ مقبول نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں بھی مقبول نہیں۔

حدیث شریف میں صائم کے لئے افطار کے وقت جس خوشی کا تذکرہ ہے وہ خوشی بھی اس شخص کو ہوگی جس نے روزہ کو روزہ کے طریقہ پر رکھا ہوگا کیونکہ افطار کے وقت میں جس خوشی کو فرما رہے ہیں وہ بھی دراصل دو خوشیوں کا مجموعہ ہے

ایک تو ان میں جسمانی ہے اور وہ یہی کھانے پینے کی خوشی ہے چنانچہ جب آپ افطار میں کھاتے پیتے ہیں تو دیکھئے افطاری کیسی لذیذ معلوم ہوتی ہے اس کا اندازہ اس طرح کر سکتے ہیں کہ روزے کے علاوہ اور دنوں میں جب کھائیے تو اتنی لذت نہیں معلوم ہوتی جس قدر کہ روزے میں ہوتی ہے۔

یہ تو جسمانی فرحت ہوئی۔ ایک دوسری فرحت افطاری کے وقت روحانی ہوتی ہے جو مومن کو نصیب ہوتی ہے وہ یہ کہ اس کو اس بات کی خوشی ہوتی ہے کہ اللہ تعالے کا ایک حکم ادا ہو گیا۔ چنانچہ ہر مومن بوقت افطار زبان حال سے گویا یہ کہتا ہے کہ ؎

بلله الحمد نمردیم و رسیدیم بدوست
آفریں باد بریں ہمت مردانۂ ما

یعنی خدا کا شکر ہے کہ ہم مر کر ختم نہیں ہوئے اور دوست تک پہونچ گئے، ہماری اس ہمت مردانہ پر مبارکباد ہو۔

مومن متقی جب روزہ پورا کر لیتا ہے اور اپنے آپ کو معاصی سے بچائے جاتا ہے تو اس پر اس کو روحانی ایمانی خوشی ہوتی ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں بھوک پیاس اور مخالفت شہوات کا تعب مجھے برداشت کرنا پڑا مگر میں نے خدا کا حکم خدا کی مرضی کے مطابق ادا کر لیا اور اپنے روزے کو فانہ لی وانا اجزی بہ کا مصداق بنالیا۔

ظاہر بات ہے کہ یہ کچھ کم خوشی کی بات نہیں ہے جب کوئی بندہ روزہ نماز یا خدا کے کسی حکم کو قاعدہ کے مطابق پورا کر لیتا ہے تو اس سے اس کو بڑی مسرت ہوتی ہے اور ایسی روحانی لذت آتی ہے کہ جسمانی تمام تر لذتیں اس کے آگے کچھ بھی نہیں۔

بہر حال روزہ رکھنا اور صحیح طریقہ سے روزہ رکھنا بھی کچھ کم لذت اور فرحت کی چیز نہیں ہے ہاں مگر مشکل ضرور ہے پھر جب بندہ اخلاص کی وجہ سے اسکا کوئی عمل قبول ہو جاتا ہے تو ہر چیز مقبول ہو جاتی ہے۔ اور جب کوئی چیز مقبول ہو جاتی ہے تو اللہ تعالے بڑی قدر دانی فرماتے ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار نماز پڑھا رہے تھے کسی صحابی نے پیچھے سے کچھ کلمات کہے۔ نماز کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ کون بولا تھا۔ سب صحابہ سہم گئے وہ صحابی بھی ڈر گئے گھبرا گئے جب حضور نے دریافت فرمایا تھا اس لئے عرض کیا میں نے کچھ کلمات کہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے وہ کلمات اللہ تعالے کو اتنے پسند آئے اور ان کے یہاں ایسے مقبول ہوئے کہ اس کو لے جانے کے لئے بارہ فرشتے باہم منازعت کر رہے تھے کہ کون اس کو اوپر لے جائے۔

اسی طرح جب کسی کا روزہ اللہ تعالے کے یہاں مقبول ہو گیا تو اس کی وجہ سے جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں، سب اللہ تعالے کو پسند ہوتی ہیں ابھی آپ نے دیکھا کہ اس کا کھانا پینا اور شہوات ترک کرنا کیسا پسند ہوا۔ اسی طرح روزہ دار کے منہ کی بو جو انسانوں کے نزدیک کریہہ اور ناخوش گوار چیز سمجھی جاتی ہے اللہ تعالے کے نزدیک وہ مشک کی خوشبو سے بڑھ کر محبوب ہے۔

چنانچہ اسی حدیث میں آگے آتا ہے وَلَخَلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ

اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ جہاد فی سبیل اللہ جب اللہ تعالے کے نزدیک مقبول و پسند ہے تو اس کی وجہ سے اس مجاہد کے گھوڑے کی لید اور پیشاب بھی اللہ تعالے کے نزدیک وقیع اور قابل قدر ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت میں یہ سب چیزیں بھی ترازو پر تلی جائیں گی اور اس پر اسے اجر دیا جائے گا اور یہ اس لئے کہ ایک عمل کی وجہ سے عامل ہی مقبول ہوجاتا ہے اور پھر جب عامل مقبول ہوتا ہے تو اس کی ہر ہر چیز مقبول ہوجاتی ہے یعنی جن چیزوں سے اس کو ادنیٰ نسبت ہوتی ہے وہ بھی مقبول ہوجاتی ہے۔

اسی لئے میں کہتا ہوں کہ طریق بہت آسان ہے اس میں کچھ زیادہ مجاہدے کی ضرورت نہیں ہے بس آپ یہی نماز روزہ ٹھیک کر لیجئے یعنی نماز وقت سے پڑھیئے روزہ کو حکم الٰہی سمجھ کر رکھئے یعنی ان ایام میں طعام کو شہوت کو، معاصی کو یعنی صغیرہ اور کبیرہ سب کو چھوڑ کر دیکھئے کہ آپ کو کیسا لطف آتا ہے اور ادھر سے کتنی عزت افزائی کی جاتی ہے۔

اللہ والے اپنے قلب سے مشاہدہ کرتے ہیں کہ کتنا تقرب ہوا اور کتنی صفائی پیدا ہوئی اور کتنی مشابہت اللہ تبارک تعالےٰ سے ہوئی۔

اس میں شک نہیں کہ بڑی قدر کا مہینہ ہے بزرگوں نے اسے ماہِ مجاہدہ بھی کہا ہے یہ سب کچھ اس لئے کہہ رہا ہوں تاکہ اس ماہِ مبارک کی قدر کرو اور اس کی حیثیت پہچانو اور کچھ کرنا چاہتے ہو تو کرو۔ اور نہیں تو جو بھی چاہے کرو۔ جو لوگ اس کی قدر پہچان لیتے ہیں وہ اسی رمضان کو پاکر بہت بہت ترقی کر جاتے ہیں اور جو نہیں سمجھتا اس پر کتنے رمضان آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔

ایک صاحب مجھ سے کہتے تھے کہ کیا کریں کہ لوگوں پر اثر ہو۔ میں نے کہا کہ بھائی اثر کے لئے تو قرآن وحدیث ہی ہے اسی کے مضامین کو اس کی ترغیبات و ترہیبات کو ا[...] عنوان سے بیان کرو کہ لوگ سمجھ لیں جب سمجھ لیں گے تو ا[...] بھی ہوگا۔

قرآن و حدیث میں جنت و دوزخ کا اور اہل جنت اہل دوزخ کا ذکر اسی لئے کیا گیا ہے کہ لوگ اس سے متاثر ہو[...] اسی طرح احکام سے متعلق نصوص میں ایسی ترغیبات موجود [...] کہ اگر ان میں غور سے امت کو سمجھایا جائے تو سب کے سب شریعت کے عاشق ہوجائیں۔ چنانچہ دیکھئے روزے ہی کے متعلق کیسے کیسے فضائل بیان کئے گئے کیا اثر لینے کے لئے یہ ارشادات نبویہ کچھ کم ہیں؟ ان کو بیان کیجئے اور ان کے ذریعہ لوگوں پر اثر ڈالئے۔

نیز اثر ہی لینے کے لئے قرآن اتارا گیا ہے اور اس میں زبردست تاثیر رکھی گئی ہے مگر اثر ڈالنے کے لئے شرط یہ ہے کہ ان مضامین کو پیش کرنے والا پہلے خود بھی ان سے متاثر ہو تب دوسروں پر اثر ہوگا۔

آپ اگر عوام الناس پر اثر ڈالنا چاہتے تو اس کی واحد صورت یہی ہے کہ قرآن وحدیث کو سمجھ کر ان کے مضامین سے پہلے خود اثر لیجئے پھر اس کے بعد دوسروں کے سامنے پیش کیجئے تو انشاء اللہ تعالیٰ ضرور اثر ہوگا۔ اور میں تو عیاناً دیکھ رہا ہوں کہ اس طریق سے مسلمانوں کو نفع پہنچ رہا ہے۔

فالحمد للہ علی ذالک

مہتمم دارالعلوم دیوبند

روزہ کے مسائل فقہ حنفی میں

اگرچہ بعض اعمال صالحہ (صدقات) کا ثواب سات گنا ہے لیکن روزہ ثواب اسقدر ہے کہ سوائے مولیٰ تعالیٰ کے کوئی بھی نہیں جانتا ۔ رمضان المبارک کا روزہ تو بڑی قیمت رکھتا ہے ۔ نفلی روزے کے لئے حدیث سے وارد ہے کہ اگر زمین بھر سونا دیا جائے تو جب بھی اس کا ثواب پورا نہ ہوگا پھر اس کے ترک کا گناہ بھی اسی قدر ہے ۔ جبریل امین لعنت فرماتے ہیں مسلمانوں کا یہ نیت عبادت صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے اور پینے و جماع سے رکنے کا نام روزہ ہے ۔ رمضان شریف کے روزے ہر مسلمان عاقل و بالغ پر فرض ہیں بلا عذر صحیح نہ رکھنے سے عذاب کا مستحق ہوگا

روزہ اور نیت

روزے میں نیت شرط ہے (نیت کے معنے دل کے ارادے کے ہیں) اگر روزے کا ارادہ نہیں کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ ادا نہ ہوگا ۔ رمضان کے روزے کی نیت آدھے دن شرعی تک کر سکتا ہے یعنی تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تک ۔ اس کے بعد اگر نیت کرے گا تو معتبر نہ ہوگی ۔ زبان سے نیت کرنی فرض نہیں لیکن بہتر اور مستحب یہ کہ سحر کھا کر اس طرح نیت کر لیا کرے

اگر افطار کے وقت ہی نیت کرے تب بھی جائز ہے ۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نیت کے بعد کھانا پینا جائز نہیں ۔ یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ صبح صادق ہونے سے پہلے کھانا پینا وغیرہ بلاشبہ درست ہے نیت کی ہو یا نہ کی ہو ۔

مفسدات روزہ

بھول کر کھانا پینا روزہ کو نہیں توڑتا ۔ بلا اختیار حلق میں گرد و غبار یا مکھی یا مچھر چلے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ۔ آٹا پیسنے والے اور تمباکو کوٹنے والے کے حلق میں جو آٹا وغیرہ اڑ کر جاتا ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ۔ کان میں پانی چلا جائے یا خود بخود قے آئے خود بخود دستے آکر لوٹ جائے ان سب باتوں سے روزہ نہیں جاتا اور کچھ حلق نہیں آتا ۔ بلغم نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ۔ اگر قصداً قے کی مگر تھوڑی سی (یعنی منہ بھر سے کم) تو روزہ نہیں جاتا ۔ تھوڑی سی

قے آئی اور قصداً الٹا کر نگل گیا تو اس میں اختلاف ہے۔ اگر روزہ میں کوئی بھول کر کچھ کھاپی رہا ہے اور قوی اور تندرست ہے تو اس کو یاد دلا دینا ضروری ہے۔ اگر ضعیف و ناتواں ہے تو نہ یاد دلانا درست ہے۔ اگر خود بخود مسواک وغیرہ کرنے سے دانتوں سے خون نکلے لیکن حلق میں نہ جائے تو روزہ میں خلل نہیں آتا۔ اگر خواب میں یا صحبت کرنے سے غسل کی حاجت ہوئی اور صبح صادق سے پہلے غسل نہ کیا تو روزہ میں خلل نہیں آتا اگر دن کو سوتے ہوئے غسل کی حاجت ہوگئی تو روزہ میں ذرا بھی نقصان نہیں آتا۔

موجبات قضا

کان میں یا ناک میں دوا ڈالنا، قصداً منہ بھر قے کرنا، منہ بھر قے آئی تھی اس کو نگل جانا۔ کلی کرتے وقت منہ میں پانی چلا جانا، یہ سب چیزیں روزہ توڑنے والی ہیں مگر صرف قضا آئے گی کفارہ واجب نہیں۔ کنکر یا لوہے، تانبے وغیرہ نگل جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں۔ رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھائی تو اس روزہ کی واجب قضا ہوگی۔ دن باقی تھا غلطی سے سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہوگیا، روزہ کھول لیا تو صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں۔ جان بوجھ کر بدون بھولے صحبت کرنا، کھانا پینا روزہ کو توڑنا ہے اور قضا بھی آتی ہے اور کفارہ بھی۔ کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کیا جائے اس کی طاقت نہ ہو تو متواتر ساٹھ روزے رکھنا اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا۔

افعال مکروہہ اور غیر مکروہہ

بلا ضرورت کسی شے کو چبانا، یا نمک وغیرہ کو ذائقہ دیکھ کر تھوک دینا مکروہ ہے۔ قصداً منہ میں تھوک اکٹھا کر کے نگل جانا مکروہ ہے۔ تمام دن ناپاک رہنا سخت گناہ ہے اور روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ فصد کرانا، پچھنے لگوانا روزہ میں مکروہ ہے۔ غیبت، بدگوئی، لڑائی جھگڑا روزہ کو مکروہ کر دیتے ہیں اور ثواب بہت کم رہ جاتا ہے۔ مسواک کرنا سر پر یا مونچھ پر تیل لگانا مکروہ نہیں۔ آنکھوں میں سرمہ ڈالنا مکروہ نہیں۔ ہوا لگنے یا سر پر ٹھنڈا کپڑا رکھنے سے روزے میں خلل نہیں آتا۔ ناواقف لوگ جو مکروہ سمجھتے ہیں وہ غلط ہے۔ خوشبو سونگھنا مکروہ نہیں۔ اگر بیوی کو اپنے خاوند، نوکر کو آقا کے غصہ کا اندیشہ ہو تو کھانے کا نمک چکھ کر تھوک دینا مکروہ نہیں۔

روزہ رکھنے کی رخصت

اگر مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو رمضان میں روزہ نہ رکھے، تندرستی کے وقت قضا کرے اگر روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کے زیادہ ہو جانے کا خوف ہے تب بھی روزہ چھوڑ دینا جائز ہے، پھر قضا رکھے۔ حاملہ کو بچے یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ چھوڑ دینا اور پھر قضا کر لینا جائز ہے۔ اپنے یا غیر کے بچے کو دودھ پلاتی ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے ضرر ہو تو قضا کر لینا جائز ہے۔ ہمارے دراج کے ۳۶ کوس یعنی انگریزی ۴۸ میل کا سفر ہو یا اس سے زیادہ ہو وہ سفر شرعی کہلاتا ہے یعنی ایسے سفر میں مسافر کو اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے واپس آجانے کے بعد قضا کرے۔ اگر کوئی مسافر دوپہر سے پہلے اپنے وطن پہنچ گیا اور اب تک کھایا پیا نہیں تو اس پر واجب ہے کہ روزہ پورا کرے کیونکہ اب سفر کا عذر باقی نہ رہا۔ اگر کوئی تیز سواری یا ریل میں دو تین گھنٹہ میں ۴۸ میل پہنچ جائے گا تو اس کے لئے بھی سفر کی رخصت یعنی نماز کا قصر اور افطار کی اجازت حاصل ہو جائے گی۔ بہت بوڑھا ضعیف جس کو روزہ میں نہایت شدید تکلیف ہوتی ہے روزہ نہ رکھے اور ہر روزے

بدلے پونے دو سیر گندم (بوزن انگریزی) مسکین کو دے لیکن
اگر پھر کبھی طاقت آجائے تو پھر قضا رکھنی ضروری ہوگی۔ عورت
کو اپنے معمولی عذر (یعنی حیض) کے ایام میں روزہ رکھنا جائز
نہیں۔ اسی طرح پیدائش کے بعد جتنے روز خون آوے، جب
خون بند ہوجاوے روزہ رکھنا چاہیئے۔ جن لوگوں کو روزہ
چھوڑ دینے کی اجازت ہے ان کو بلا تکلف سب کے سامنے
کھانا پینا نہیں چاہیئے بلکہ تعظیم رمضان المبارک لازم ہے۔

نواقض روزہ اور قضا کا ذکر

فرض روزے کو بلا کسی شدید تکلیف اور قوی عذر
کے توڑنا جائز نہیں۔ پس اگر ایسا سخت بیمار ہو کہ روزہ نہ
توڑے تو جان کا اندیشہ غالب ہے یا بیماری بڑھ جانے کا
احتمال قوی ہے۔ یا ایسی شدید پیاس لگی ہے کہ مر جائے گا
تو روزہ توڑ دینا جائز بلکہ واجب ہے۔ اگر کسی عذر سے
روزے قضا ہوگئے ہوں تو جب عذر جاتا رہے تو جلد ادا
کر لینا چاہیئے کیونکہ زندگی کا بھروسہ نہیں۔ کیا خبر موت آجائے
اور فرض ذمہ پر رہے۔ مثلاً بیمار کو مرض سے صحت پانے
کے بعد اور مسافر کو سفر سے آنے کے بعد جلد ادا کر لینا چاہیئے
قضا رکھنے میں اختیار ہے کہ متواتر (یعنی لگاتار) رکھے یا جدا
جدا متفرق، اگر قضا رکھنے کا وقت پایا لیکن ادا کئے بغیر مر گیا
مناسب ہے کہ وارث ہر روزے کے بدلے پونے دو سیر گندم
صدقہ کریں اور اگر مال چھوڑ گیا ہے اور روزے کے صدقہ کی
وصیت کر گیا ہے تو ادا کرنا لازم اور واجب ہے۔

سحری کی فضیلت

روزے کے لئے سحر کھانا سنت اور باعث ثواب ہے
جناب رسول مقبول صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سحر
کھایا کرو کہ اس میں بڑی برکت ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ پیٹ بھر کر
بھر کر کھائے بلکہ ایک یا دو لقمہ یا چھوارے کا ٹکڑا یا دو چار
دانے چبالے کا تب بھی ثواب پائے گا۔ افضل اور بہتر یہ ہے کہ
رات کے آخری حصہ میں صبح صادق ہونے سے پہلے کھائے اور اگر
دیر ہوگئی اور گمان غالب یہ ہے کہ صبح ہوگئی اور کچھ کھا لیا تو شام
تک رکنا اور پھر قضا رکھنا لازم ہے۔ اور اگر کسی مرغ یا موذن نے
صبح صادق سے پہلے اذان دیدی تو سحر کھانے کی ممانعت نہیں ہے
جب تک کہ صبح صادق نہ ہوجائے بلا تکلف کھاؤ پیو۔

افطار کا بیان

آفتاب غروب ہوجانے کے بعد افطار میں دیر نہ کرنی
چاہیئے۔ البتہ جس روز ابر ہو احتیاط کے لئے دیر کرنا بہتر ہے
کھجور یا خرما سے افطار کرنا مسنون اور باعث ثواب ہے
اور یہ نہ ہوں تو پانی بہتر ہے۔ آگ کی پکی ہوئی چیز مثلاً روٹی
چاول، شیرینی وغیرہ سے افطار کرنے سے ہرگز کراہت
اور نقصان روزے میں نہیں آتا۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ کوئی پھل
وغیرہ ترش چیز اور خرما کھجور سب سے افضل ہے۔ اگر کسی
کسی روزے دار کو ذرا سی چیز سے افطار کرادو گے تو تمہارا ثواب ہرگز
کم نہ ہوگا۔ اس کو اللہ تعالےٰ اپنے پاس سے ثواب عطا فرمائیگا
پھر تم اس کو نہ پیش کر کے کیوں بخیل کہلاتے ہو۔ البتہ
یہ کہ مال حرام یا مشتبہ ہو تو ہرگز قبول نہ کرو۔ حدیث و
فقہ سے ثابت ہے اگر روزہ افطار کرنے اور کھانے پینے
کی وجہ سے مغرب کی نماز جماعت میں دس بارہ منٹ کی دیر
ہوجائے تو کچھ مضائقہ نہیں اور افطار سے پہلے یہ دعا
پڑھ لینا کافی ہے اَللّٰھُمَّ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِكَ
اَفْطَرْتُ اور افطار کے بعد یہ دعا پڑھے
ذَھَبَ الظَّمَاُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی

رکعات تراویح اور وتر

عشاء کے فرض اور سنت کے بعد بیس رکعت تراویح

باجماعت مسنون ہے۔ اگر حافظ بلا معاوضہ مل جائے تو تمام رمضان میں ایک قرآن ختم کیا جائے۔ اسقدر زیادہ پڑھنا مکروہ ہے جس سے اکثر مقتدیوں کو تکلیف ہوتی ہو۔ اور تین دن سے کم میں ختم کرنا اچھا نہیں۔ اگر تراویح میں دو رکعت پڑھنا بھول گیا اور پوری چار پڑھ کر سلام پھیر لیا۔ تو ان چار کو دو کی جگہ شمار کرنا چاہیئے چار نہ سمجھے، جس شخص کی دو چار رکعت تراویح کی رہ گئیں وہ امام کے ہمراہ باجماعت وتر پڑھ لے اور پھر اپنی باقی تراویح ادا کرے تو درست ہے جس شخص کو عشاء کے فرض باجماعت نہیں ملے وہ وتر کو امام کے ساتھ باجماعت پڑھ سکتا ہے۔ جو حافظ روپے کی طمع میں اگر اجرت مقرر کر کے قرآن مجید سنا جائے تو نہ امام کو ثواب ہوگا نہ مقتدیوں کو۔ اسقدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں کہ سخت گناہ ہے۔ نابالغ کو تراویح میں امام بنانا جائز نہیں

اعتکاف اور شب قدر

آخر عشرہ میں اعتکاف سنت ہے۔ اگر تمام بستی میں کوئی کوئی بھی نہ کرے تو سب کے ذمہ ترک سنت کا وبال رہتا ہے۔ اعتکاف اس کو کہتے ہیں کہ اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں رہنا اور سوائے حاجت ضروری اور غسل فرض کے باہر نہ آنا۔ خاموش رہنا اعتکاف میں ہرگز ضروری نہیں۔ البتہ نیک کلام کرنا اور بدکلامی لڑائی جھگڑے سے بچنا چاہیئے۔ اعتکاف اس مسجد میں ہو سکتا ہے جس میں پنجگانہ نماز باجماعت ہوتی ہے۔ اگر پورے آخر عشرہ کا اعتکاف کرنا ہو تو ۲۰ تاریخ کو آفتاب غروب ہونے سے پہلے مسجد میں چلا جائے اور جب عید کا چاند نظر آئے تو اعتکاف سے باہر ہو۔ یہ بھی جائز اور باعث ثواب ہے کہ ایک دو روز یا ایک آدھ گھنٹہ کے لئے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں رہے۔ شب قدر کا رمضان کے آخر عشرہ میں ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ کو ہونا احادیث میں وارد ہے

لہٰذا ان مخصوص راتوں میں بہت محنت سے عبادت میں مشغول رہنا چاہیئے۔

صدقۃ الفطر اور اس کی مقدار

صدقۃ الفطر اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس ضروریات خانہ کے علاوہ ساڑھے باون تولہ چاندی یا اسی قدر وزن کے چاندی کے برتن ہوں یا زیور یا مال و جائداد یا تجارت کا مال ہو۔ یا ساڑھے سات تولے سونا یا اسی قدر وزن کی اشرفیاں یا زیور ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ اس مال پر سال بھر بھی گذر گیا ہو۔ اگر کسی کے مال بہت ہے لیکن قرضا اسقدر ہے کہ ادا کیا جانے تو ساڑھے ۵۲ تولہ چاندی یا اسی قیمت کا اسباب باقی رہتا ہے تو اس پر صدقہ فطر واجب نہیں جس شخص کے پاس مذکورہ بالا مال یا اس سے زیادہ ہو وہ اپنی طرف سے بھی صدقۃ الفطر ادا کرے اور اپنی چھوٹی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی۔ صدقۃ الفطر ایک آدمی کا بوزن انگریزی پونے دو سیر گندم ہیں یا اس کی قیمت اور جو ساڑھے تین سیر ہے۔ اپنے عزیز و اقارب سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ ایک شخص کو کئی آدمیوں کا صدقۃ فطر دیا جائے تو درست ہے اور اگر ایک آدمی کا صدقۃ الفطر کئی محتاجوں کو دیں تب بھی درست ہے۔ عید کی نماز سے پہلے ادا کر دینا بہت زیادہ ثواب ہے۔ جس نے عذر سے یا غفلت سے روزے نہیں رکھے اس پر بھی صدقۃ الفطر واجب ہے۔ بشرطیکہ مذکورہ بالا مقدار مال رکھتا ہو — صدقۃ الفطر مؤذن یا امام وغیرہ کو اجرت میں دینا جائز نہیں اور مسجد کی تعمیر اور اس کے مصارف میں بھی لگانا درست نہیں ہے۔

از سید رشید احمد ایم، اے،
لیکچرار شعبۂ عربی کراچی یونیورسٹی

زندہ معاشرت

اسلام کا نظام زکوٰۃ

نماز اور زکوٰۃ کا نہ صرف اسلام نے حکم دیا ہے بلکہ قدیم زمانے سے تمام انبیاء کرام یہ حکم دیتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم کی آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل کے پیغمبروں کا ذکر کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُوْنَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءَ الزَّكٰوةِ ۔ وَكَانُوْا لَنَا عَابِدِيْنَ ۔ (پ ۱۷ انبیاء ۔ ۴)

ہم نے ان کو (انسانوں کا) رہنما بنایا اور وہ ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کو ہدایت کرتے تھے اور ہم نے وحی کے ذریعے ان کو نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی تلقین کی اور وہ ہماری عبادت کرتے تھے۔

حضرت اسماعیلؑ کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا (پ ۱۶ مریم ۴)

وہ اپنے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ تھے۔

حضرت موسیٰؑ کو حکم

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر تھے، ان کی یہودی قوم نہایت سرمایہ پرست بخیل اور کنجوس تھی وہ روپے پیسے پر جان دیتی تھی، اس لئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی بھلائی کے لئے خدا سے دعا مانگی تو اس کے جواب میں خدا نے یہ ارشاد فرمایا۔

عَذَابِيْٓ أُصِيْبُ بِهٖ مَنْ أَشَآءُ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۔ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ (پ ۹ اعراف ۱۹)

میں جسے چاہوں گا عذاب دوں گا میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے مگر اس رحمت کو صرف ان لوگوں کے حق میں لکھوں گا جو مجھ سے ڈریں اور زکوٰۃ دیں گے اور ہماری آیات پر ایمان لائیں گے۔

مذکورہ بالا آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر خدا کی رحمت نازل ہونے کی شرط زکوٰۃ رکھی گئی تھی تاکہ ان کی زبردستی کا علاج ہو سکے چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بہت سرکش اور لالچی تھی اس لئے بار بار ان سے نماز اور زکوٰۃ کا عہد و پیمان لیا گیا (ملاحظہ ہو پ سورۂ بقرہ رکوع ۱۰) یہاں تک کہ انھیں صاف طور پر یہ کہدیا گیا کہ خدا کی مدد اور اس کی رحمت اسی وقت ان کے شامل حال ہوگی جب کہ وہ نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کریں چنانچہ ارشاد فرمایا گیا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ إِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ

اللہ نے فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں بشرطیکہ تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو

وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔ (پ ۶ المائدہ ۳)

اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اُن کی مدد کرو۔ اور اللہ کو قرض حسنہ دو۔ (خدا کی مدد ان چیزوں کے ساتھ مشروط ہے)

زکوٰۃ کا عالمگیر حکم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم دیا جیسا کہ سورۂ مریم میں خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا۔ (پ ۱۶۔ سورۂ مریم رکوع ۲)

اللہ تعالیٰ نے مجھے بابرکت بنایا جہاں بھی رہوں اور مجھے ہدایت فرمائی ہے کہ میں نماز پڑھوں اور زکوٰۃ دیتا رہوں جب تک میں زندہ ہوں۔

ان تمام آیات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تمام پیغمبروں کا دین فطرت یہی رہا ہے کہ وہ اپنی قوموں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیں کیونکہ ان کا تہذیبی اور اخلاقی مشن اور ان دو چیزوں کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا تھا، اور کوئی قوم اُن کے بغیر فلاح و نجات حاصل نہیں کر سکتی تھی۔

اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت

ان تمام پیغمبروں کے بعد جب تمام پیغمبروں کے سرتاج اور آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپؐ نے تمام سابقہ پیغمبروں کی تعلیمات کو قائم رکھا بلکہ ان کا اعلیٰ نمونہ پیش کر کے دینِ الٰہی کی تکمیل کی، اس سلسلے میں زکوٰۃ جیسے اہم فریضہ کا وہ اعلیٰ نظام پیش کیا کہ اگر اسے صحیح طریقے سے جاری رکھا جاتا تو اس وقت مسلمانوں کے علاوہ اور کوئی قوم روئے زمین پر موجود نہ ہوتی۔

قرآن مجید میں اول تا آخر نماز اور زکوٰۃ کا بار بار حکم دیا گیا ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں ان دو فرائض کی اہمیت سب سے زیادہ ہے چنانچہ قرآن کریم کو کھولتے ہی سورۂ فاتحہ کے بعد جو پہلی آیت ہم تلاوت کرتے ہیں وہ اس طرح ہے۔

ذَالِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ۔ (پ ۱ البقرہ ۱۱)

یہ (قرآن) ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے یہ اُن پرہیزگاروں کے لئے ہدایت (کا ذریعہ) ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ (راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے دائرہ میں داخل ہونے کے لئے نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا نہایت ضروری ہے جیسا کہ آگے چل کر اس طرح واضح کر دیا گیا ہے۔

أُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ (بقرہ)

یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور فلاح و کامرانی ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے۔

زکوٰۃ کا مفہوم

زکوٰۃ کے لغوی معنی پاکیزگی و طہارت اور نشو و نما کے ہیں، جب صاحبِ سرمایہ مال کمانے کے بعد غریبوں پر مقررہ رقم خرچ کرتا ہے تو اس کا ضمیر مطمئن ہو جاتا ہے اور اس کو پاکیزگیٔ قلب حاصل ہوتی ہے۔ مال کو اس طرح خرچ کرنے کا نام شرعی اصطلاح میں زکوٰۃ قرار پایا ہے جب کوئی مال میں سے زکوٰۃ کا حق ادا کر دیتا ہے تو باقی ماندہ مال پاک و صاف ہو جاتا ہے اور صاحبِ مال دنیا و آخرت کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔

اس طرح صدقہ اور زکوٰۃ سے نہ صرف مال پاکیزہ ہو جاتا ہے بلکہ خود صاحبِ مال کی فطرت بھی پاک و صاف ہو جاتی ہے، اور وہ نفس کے کمینہ پن اور خود غرضانہ رجحانات سے چھٹکارا پا لیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا

(اے پیغمبر) تم ان کے مالوں سے صدقہ لو جس کے ذریعہ تم انہیں پاک صاف کر سکو۔

آگے چل کر سود کی مذمت اور زکوٰۃ ادا کرنے کی حکمت اور مصلحت کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے۔

وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رِبًا لِيَرْبُوَ

وہ سود جو تم ادا کرتے ہو تاکہ وہ لوگوں کے

فِیۡ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرۡبُوۡا	مال میں اضافہ کرے تو وہ خدا کے
عِنۡدَ اللّٰہِ وَمَاۤ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ	نزدیک کوئی اضافہ نہیں کرتا (مگر)
زَکٰوۃٍ تُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَ	وہ زکوٰۃ جو تم اللہ کی رضامندی کے
اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ	ارادہ سے دیتے ہو۔ تو یہ مال کو دوگنا

کرنے والی ہے۔

زکوٰۃ سے دولت میں اضافہ

مذکورہ بالا آیات میں زکوٰۃ کا فلسفہ اور اس کی اہمیت کو نہایت لطیف پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ اگرچہ مال و دولت بے شمار فوائد و برکات کا سرچشمہ ہے اور اس کے ذریعے نظام کائنات قائم ہے مگر اسی کے ساتھ ساتھ اس کے اندر کئی برائیاں اور نحوستیں بھی پائی جاتی ہیں۔ ایک دولت مند انسان میں مال کمانے کے بعد خواہ خون پسینے کی کمائی کیوں نہ ہو، ایک قسم کا غرور اور نخوت پیدا ہو جاتی ہے اسے انسانوں سے ہمدردی باقی نہیں رہتی بلکہ اس کا نفس اسے ہر وقت مال جمع کرنے اور اسے غریبوں پر خرچ نہ کرنے پر آمادہ کرتا رہتا ہے اس میں بخل اور خباثتِ نفس کے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ مگر جب وہ زکوٰۃ دیتا ہے تو وہ نفسانی خباثت کے علی الرغم انسانی ہمدردی کے جذبہ کا اظہار کرتا ہے اس طرح اسے انسانوں کی مدد کر کے روحانی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اب اس کا ضمیر جو مال جمع کرنے اور کمانے کی جدوجہد میں مضطرب اور پریشان رہتا تھا، ایک حد تک مطمئن ہو جاتا ہے بلکہ صدقہ و زکوٰۃ دینے سے اسے دلی سکون ملتا ہے۔

قومی دولت میں اضافہ

چنانچہ پہلی آیت میں صاحبِ مال کی طہارت اور پاکیزگی کی نفسیاتی توجیہہ یہ ہے جو ہم نے بیان کی ہے، مگر اس سے بڑھ کر ملک و قوم کو جو فائدہ پہنچتا ہے اور زکوٰۃ کی بدولت قوم اور خود افراد کی معاشی زندگی میں جو انقلاب برپا ہو سکتا ہے اس کی طرف دوسری آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ سود خوری جسے بظاہر مال کی زیادتی کا سبب سمجھا جاتا ہے دراصل قومی دولت میں خدا کے نزدیک کچھ اضافہ نہیں کرتی بلکہ قومی معیشت کو تباہ کرتی ہے اور جب خود سود خوری کی بدولت پیدائش دولت کے عاملین کی معاشی حالت تباہ ہو جائے تو سرمایہ دار اور سود خوار افراد بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اس طرح سود خوری ان کے تمام معاشی نظام کو تباہ کر دیتی ہے لیکن زکوٰۃ کے ذریعے پیدائش دولت کے غریب عاملین کی امداد ہوتی ہے جو بعض اوقات ناگہانی اور قدرتی حالات کے تحت عاجز اور بے دست و پا ہو جاتے ہیں لہٰذا جب سماج ان کی کفالت کرتا ہے تو اُن کے یا اُن کی اولاد کے ذریعے پیدائش دولت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس طرح قوم خوش حال ہو جاتی ہے۔

خدمتِ خلق کا ذریعہ

زکوٰۃ، رفاہ عام اور خدمت خلق کے کاموں کو اسلام نے بڑی اہمیت دی ہے۔ اسلام میں مذہبی رسوم بھی خدمت خلق کا ذریعہ ہیں۔ اسلام میں ایمان اور نماز و عبادت کے ذریعے انسان کی روحانی فطرت کو بیدار کیا جاتا ہے تاکہ وہ مخلوق خدا کی خدمت، خود غرضی اور اور طمع کے جذبہ کے بغیر محض خدا کی خوشنودی کے لئے سرانجام دے۔ یعنی خدا کے تصور اور توحید و عبادت سے انسانوں کے تصور اور توحید و عبادت سے انسانوں کے دلوں میں خلوص کا وہ جذبہ پیدا ہوتا ہے جس کی بدولت انسان جوش و خروش کے ساتھ بنی نوع انسان کی خدمت کر سکتا۔ چنانچہ اسی حقیقت کی وضاحت مندرجہ ذیل آیات میں کی گئی ہے۔

لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡہَکُمۡ	نیکی محض اسی کا نام ہے کہ تم مشرق
قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰکِنَّ	یا مغرب کی طرف رُخ کرو بلکہ نیکی
الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ	اُس شخص کی ہے جو اللہ، روز
الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓئِکَۃِ وَالۡکِتٰبِ	آخرت، فرشتوں اور پیغمبروں پر
وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَی الۡمَالَ عَلٰی	ایمان رکھتا ہے اور اللہ کی محبت
حُبِّہٖ ذَوِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی	میں رشتہ داروں، یتیموں، غریبوں
وَالۡمَسٰکِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ	مسافروں، سائلوں، غلاموں یا
وَالسَّآئِلِیۡنَ وَفِی الرِّقَابِ ۔	قیدیوں) کو چھڑانے میں مال صرف

وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ	کرتا ہو۔ وہ نماز قائم کرتا ہو اور زکوٰۃ
وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا	دیتا ہو (نیک لوگ وہ بھی ہیں) جو عہد
عَاھَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی	کرنے کے بعد اپنے عہد کو پورا کریں
الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ	اور مصیبت، نقصان اور جنگ کے
الْبَاْسِ۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا	موقعہ پر صبر اختیار کریں ایسے ہی
وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (پ ۲)	لوگ سچے مسلمان ہیں اور یہی لوگ
	پرہیزگار ہیں۔

مذہبی شعار

نماز و زکوٰۃ مسلمانوں کا قومی اور مذہبی شعار ہے اسلام کے نزدیک اسی کے ذریعے دوست دشمن میں امتیاز ہو سکتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ مومنوں کی یہی نشانیاں ہیں اور ان میں دوستی اور اخوت قائم کرنے کے لئے انہی دو چیزوں کو سب سے بڑا ذریعہ قرار دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ اور رسولؐ اور مسلمانوں کو دوست بنانے کا یہی سب سے بڑا ذریعہ ہے بلکہ کفار دشمن اور مشرکین کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ ان سے جنگ جاری رکھی جائے اور جنگ کو اُس وقت بند کیا جائے جب کہ وہ توبہ کر کے نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کرنے لگیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ	پھر اگر وہ (کفر و شرک سے) توبہ کریں
وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ	اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں
فِی الدِّیْنِ۔ (پ ۱۰ التوبہ رکوع ۲)	تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

چونکہ زکوٰۃ اسلامی شعار اور اسلام کا سب سے بڑا بنیادی فریضہ ہے اس لئے یہ عبادت میں شامل ہے اور اسی لئے زکوٰۃ صرف مسلمانوں سے لی جاتی ہے غیر مسلموں کے لئے اس کے بجائے جزیہ مقرر کیا ہے جس کا ادا کرنا اسلامی ریاست کا شہری بننے کے بعد ان کے لئے ضروری ہو جاتا ہے۔

سماجی حق

اگرچہ زکوٰۃ عبادت اور مذہبی فریضہ ہے تاہم اس کا دوسرا یہ فائدہ ہے کہ اس کے ذریعے اسلامی معاشرہ کو اس بات کا ذمہ دار بنایا گیا ہے کہ زکوٰۃ دے کر ان عاجز اور ناتواں افراد کی دستگیری کرے جو ناگہانی حادثات یا قدرت کے ہاتھوں بے دست و پا اور لاچار ہو جاتے ہیں تاکہ وہ سماج کے لئے ناسور نہ بن سکیں اس کے ساتھ ساتھ اس میں یہ بھی صلاحیت ہے کہ سرمایہ محض بڑے بڑے دولتمندوں اور سرمایہ داروں کے درمیان نہ گردش کرتا رہے بلکہ سرمایہ کی منصفانہ تقسیم ہو جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ (تاکہ یہ دولت محض تمہارے مالداروں کے درمیان نہ گردش کرتی رہے)

زکوٰۃ کا فلسفہ

زکوٰۃ کا فلسفہ یہ ہے کہ اسلام عوام کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا چاہتا ہے بلکہ اسلام کا منشا یہ ہے کہ ہر ایک کو نہ صرف روٹی اور کپڑا میسر ہو بلکہ ہر ایک زندگی سے بھی جائز طور سے لطف اندوز ہو سکے۔ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ لوگ نکمے اور ناکارہ بن کر خیرات پر گذارا کریں، اس لئے اس نے ہر ایک کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ جائز طریقے سے محنت کر کے روزی کمائیں اس لئے گداگری اور بھیک مانگنے کو ممنوع قرار دیا ہے تاہم معاشرہ میں کچھ افراد ایسے بھی رہتے ہیں جو پیدائشی اندھے اور اپاہج ہوتے ہیں یا ناگہانی حادثوں میں بے دست و پا ہو جاتے ہیں، یا وہ کمانے کے قابل ہیں مگر ان کے لئے ذرائع معاش نہیں ہیں یا مفلسی اور تنگدستی کی وجہ سے قرضدار ہو گئے ہیں۔ یہ تمام صورتیں ایسی ہیں جن کی بنا پر معاشرہ اور سماج کے لئے یہ لازمی قرار دیا گیا ہے کہ وہ کمزور اور ناتواں بھائیوں کی مدد کریں تاکہ وہ بھی اپنی بنیادی ضروریات سے بے فکر ہو کر انسانیت کے بلند مقاصد کی تکمیل کریں کیونکہ خداوند کریم نے فرزندانِ آدم کو اشرف المخلوقات بنایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَ	یہ حقیقت ہے کہ ہم نے فرزندانِ
حَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ	آدم کو عزت بخشی، انہیں خشکی
وَرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ	اور سمندر پر سوار کرایا انھیں پاکیزہ
وَفَضَّلْنٰھُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ	رزق عطا فرمایا، اور اپنی بہت سی

خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۔ (پ ۱۵) مخلوق پر انھیں فضیلت عطا فرمائی۔

احترامِ انسانیت کا ذریعہ

فرزندانِ آدم کی اس سے بڑھ کر اور کیا عزت ہوگی کہ خدا نے انہیں عقل اور لطیف جذبات سے سرفراز کیا اور انھیں وہ روحانی ذوق و شوق عطا فرمایا جس کا درجہ مادی اور جسمانی ضرورتوں سے بہت بلند ہے لہٰذا اگر عوام بنیادی ضروریات سے محروم رہیں یا روٹی کپڑے کی ضروریات کو پورا کرنے میں ان کا تمام وقت صرف ہو جائے تو وہ روحانی اور مذہبی زندگی کی اعلیٰ قدروں کی کیسے تکمیل کر سکیں گے بلکہ جب وہ نان و نفقہ کی کش مکش میں مبتلا رہیں گے تو ان میں احترامِ انسانیت اور خود داری کیسے باقی رہ سکتی ہے؟ ان کی زندگی جانوروں اور چوپاؤں سے بدتر ہو جائے گی کیونکہ حیوان اور چوپائے تو اپنی بنیادی ضروریات پوری کر لیتے ہیں یہ کھانے پینے سے فارغ ہو کر اچھلتے کودتے اور زندگی کی مسرتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں یہاں تک کہ پرندے چہچہا کر اپنی خوشحالی اور شادمانی کا اظہار کرتے ہیں۔

مگر وہ انسان جو اشرف المخلوقات کہلاتا ہے اور جو تمام کائنات کا مالک ہے، وہ بدنصیب اپنے کھانے پینے کی ضروریات کو حاصل کرنے میں اس قدر منہمک رہتا ہے کہ وہ پرندوں اور جانوروں سے بھی کمتر ہے وہ زندگی کی عام مسرتوں سے بھی لطف اندوز نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ وہ انسانی اور روحانی قدروں کی تکمیل کر سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سماج جس کے افراد اس قدر محتاج ہو جائیں، انسانی سماج کہلانے کا مستحق نہیں ہے کیونکہ وہ احترامِ انسانیت کے جذبہ سے خالی ہے۔ اس نے خدا کی بخشی ہوئی عزت اور فضیلت کو پامال کر دیا ہے اور مقاصدِ خداوندی کی مخالفت کرتا ہے۔

انسان خدا کی سرزمین میں اس کا خلیفہ ہے، خدا نے اس کو اپنا نائب اس لئے بنایا کہ کائنات میں زندگی کے آثار نمایاں ہوں اور زندگی پروان چڑھے اور ہر طرف تازگی ہو تاکہ انسان فطرت کے حسن و جمال سے لطف اندوز ہو کر خدا کی نعمتوں کا شکر کرے مگر وہ نامراد انسان کیا خاک زندگی سے لطف اندوز ہو سکتا ہے جو زندگی بھر نانِ شبینہ کا محتاج رہے۔

امیر و غریب کا غیر معمولی فرق

لہٰذا اسلام اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ اسلامی سماج کے مختلف طبقوں میں امیر و غریب کا اس قدر زیادہ فرق نمایاں ہو کہ ایک طبقہ سونے چاندی کے ڈھیروں سے کھیلتا ہو اور دوسرا طبقہ بھوکا ننگا رہے۔ اسلامی معاشرہ کی یہ شان ہرگز نہیں ہو سکتی کیونکہ پیغمبرِ اسلام جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

"اُس بستی سے جہاں کوئی بھوکا ہو خدا اس سے ذمہ داری اُٹھا لیتا ہے" (مسند امام احمد (مطبوعہ شاکر ۴۸۸۰) آپؐ کا ارشاد گرامی یہ ہے۔ "تم میں سے کوئی اس وقت تک صاحبِ ایمان نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز نہ پسند کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہو۔" اسلام اس طرح کی طبقاتی تقسیم کو اس لئے ناپسند کرتا ہے کہ اس کے پس پردہ طبقاتی رقابتوں، حسد اور کینہ پروری کا وہ سلسلہ شروع ہوتا ہے جس سے صحیح معاشرہ کی بنیادیں منہدم ہو جاتی ہیں اس طرح طمع خود غرضی اور سنگدلی کے ناپاک جذبات اُبھر کر انسان کے نفس اور ضمیر کو خراب کر دیتے ایسی حالت میں یہ بھوکے ننگے انسان یا تو چوری ڈکیتی اور لوٹ مار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں یا ذلیل و خوار ہو کر انسانیت اور شرافت کو فروخت کر بیٹھتے ہیں۔

نظامِ زکوٰۃ

چونکہ اسلام کے منصفانہ سماج میں یہ تمام باتیں ممنوع ہیں لہٰذا اس قسم کی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے زکوٰۃ کا نظام قائم کیا گیا ہے اگرچہ تمام مذاہب میں زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات کا حکم دیا گیا ہے مگر ان تمام مذاہب میں ان احکام کی حیثیت محض

اخلاقی اور مذہبی تھی۔ قانونی طور پر ان کا باقاعدہ نظام نہ تھا اور نہ خاص ضابطے مقرر کیے گئے تھے بلکہ ان مذاہب میں صدقہ و خیرات کی حیثیت محض بخشش کی تھی مگر اسلام میں اسے غریبوں کا جائز حق قرار دیا گیا ہے اور اسی مقصد کے لئے زکوٰۃ کا ایک خاص نصاب مقرر کیا گیا ہے چنانچہ مال کی مقررہ حد اور مقررہ مدت پوری ہونے کے بعد مال دار کے لئے زکوٰۃ کو ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ مال صاحب مال کی جائز ضروریات سے فالتو ہو اور کسی کا قرضہ واجب الادا نہ ہو اور اس پر ایک سال گزر گیا ہو۔

نصاب زکوٰۃ

زکوٰۃ کم از کم ساڑھے باون تولہ چاندی پر اور سونے کی مقدار میں کم از کم ساڑھے سات تولے پر فرض ہوتی ہے ہر اس سرمایہ پر ٹیکس ہے جو سال بھر کسی کے پاس جمع رہے جس قدر سرمایہ سال بھر تک جمع ہوگا اسی قدر اس پر اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر اسلامی حکومت کے کارکن وصول کریں گے اس میں زیورات، جواہرات، بنک کا اندوختہ سب شامل ہیں۔ مال و تجارت اور مکانوں کے کاروبار پر بھی زکوٰۃ فرض ہے یعنی رہنے کے مکان کو چھوڑ کر وہ مکانات جو کرایہ پر دیئے جاتے ہیں۔ تو ان کی آمدنی پر مذکورہ بالا نصاب کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ مویشی کے ریوڑوں پر بھی جو ضرورت سے زیادہ ہوں، زکوٰۃ فرض ہے جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خلیفہ بننے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق بحرین کے گورنر حضرت انس بن مالک کو سرکاری فرمان کے ذریعے مطلع کیا تھا، اس صورت میں تعداد میں اضافہ کے ساتھ ساتھ مویشی کی شکل میں زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی۔ اونٹ کے ریوڑ کی زکوٰۃ کے لئے کم از کم تعداد پانچ ہے۔ گائے بھینس کے ریوڑ پر زکوٰۃ دینے کی کم از کم تعداد تیس ہے اور بھیڑ بکری کے گلہ میں چالیس سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

زکوٰۃ کے احکام

زکوٰۃ ادا کرنے کے سلسلے میں اسلامی شریعت کے ا
کو پیش نظر رکھنا چاہیے لہذا قرآن و احادیث میں ہدایات دی
اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کسی قانون دباؤ، نام و نمود، ریا
کسی دنیاوی نفع اور طمع کی توقع پر نہ ادا کی جائے اس طر
اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے اور اس کا ثواب جاتا رہے گا۔ ق
میں ارشاد ہے "اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان ج
اذیت دے کر اس شخص کی طرح ضائع نہ کرو جو لوگوں کو د
کے لئے خرچ کرتا ہو اور اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہ
اس (کے خرچ کی) مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان پر مٹی پڑ
اس پر زور کا مینہ برسے تو ساری مٹی بہہ جائے اور چٹان
صاف رہ جائے" (پ ۳)

احسان نہ جتانا

دوسری ہدایت یہ ہے کہ کسی کو زکوٰۃ دے کر اس
نہ جتایا جائے اور نہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے ج
اس کے دل کو تکلیف پہونچے کیونکہ زکوٰۃ دینا کسی پر بخشش
نہیں ہے بلکہ یہ غریبوں کا جائز حق ہے اور مال دار زکوٰۃ د
اپنے مال پر تصرف کرنے اور اسے کام میں لانے کا جائز اور
حقدار بن جاتا ہے اس طرح وہ زکوٰۃ دے کر خدا کے روز
بنتا ہے اور اس کا شکریہ ادا کرتا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا۔
"وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں خرچ کر کے احسان ن
اور نہ کسی کو تکلیف دیتے ہیں تو ان کے لئے خدا کے ہاں ا
اور انہیں کوئی نقصان یا رنج نہیں ہوگا۔ اگر خیرات کے
تکلیف پہنچائی جائے تو اس سے یہی بہتر ہے کہ سائل کو نر
ٹال دیا جائے اور اس سے معافی مانگ لی جائے" (پ
ایک ہدایت یہ بھی ہے کہ خدا کی راہ میں اچھا
جائے اور مقصد آخرت مال زکوٰۃ دینے کی کوشش نہ کی

[redacted]

اگر ممکن ہو تو نام و نمود اور ریاکاری سے پرہیز کرتے ہوئے پوشیدہ طور پر زکوٰۃ ادا کی جائے اس کے ساتھ یہ بھی خیال رکھا جائے کہ اس قدر زکوٰۃ نہ ادا کی جائے کہ آدمی قرضدار ہو جائے یا اپنے بال بچوں کی جائز ضروریات میں خلل پڑے بلکہ شرعی حکم یہ ہے کہ صرف ضرورت سے زائد مال میں سے زکوٰۃ اور خیرات ادا کی جائے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

وہ پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں؟ اے پیغمبر! کہہ دو کہ جو ضروریات سے زائد ہو۔ (سورۂ بقرہ) (اللہ کے نیک بندے وہ ہیں) کہ جب خرچ کریں تو فضول خرچی نہ کریں اور نہ بہت تنگی اختیار کریں بلکہ ان کا طریقہ ان دونوں کے درمیان ہو۔" (پ ۱۹ سورۂ الفرقان رکوع ۵)

تم اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیڑ لو کہ وہ گردن سے بندھا ہوا رہے اور نہ اتنا کھول دو کہ حسرت زدہ بیٹھے رہو اور لوگ بھی تم کو ملامت کریں۔ (پ ۱۵ بنی اسرائیل رکوع ۲)

زکوٰۃ کے مستحقین

قرآن مجید میں زکوٰۃ کے مستحق حضرات کے بارے میں مختلف آیات میں اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے "اپنے رشتہ دار کو اس کا حق دو اور غریب مسافر کو (بھی دو)"

"نیک وہ ہے جو خدا کی محبت میں اپنے رشتہ داروں، یتیموں، اور غریبوں، مسافروں پر خرچ کرے اور (ایسے لوگوں کے لئے بھی خرچ کرے) جن کی گردنیں غلامی اور اسیری میں پھنسی ہوئی ہوں۔"

"اپنے ماں باپ رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، رشتہ دار اور اجنبی پڑوسیوں، پاس بیٹھنے والوں، مسافروں اور لونڈی غلاموں کے ساتھ بھی نیک سلوک کرے۔"

"صدقہ و زکوٰۃ" اُن غریبوں کے لئے ہے جو اپنا سارا وقت خدا کے کام میں لگا کر ایسے گھر گئے ہوں کہ (روزی کمانے کے لئے) زمین پر سفر نہیں کرتے، اُن کی خودداری کو دیکھ کر تم گمان کرتے ہو کہ وہ دولت مند ہیں مگر ان کی صورت دیکھ کر تم پہچان سکتے ہو۔ وہ ایسے نہیں کہ لوگوں سے اصرار کر کے (اور لپٹ کر) مانگ سکیں۔ (لہٰذا انہیں) جو کچھ بھی تم خیرات دو گے اللہ کو اس کا علم ہے (پ ۳)

مستحق افراد

مندرجہ ذیل آیات کریمہ میں زکوٰۃ و صدقات کے مصارف کو پوری تفصیل بیان کیا گیا ہے۔ صدقات (زکوٰۃ) فقرا اور مساکین (غریبوں) کے لئے ہیں اور ان لوگوں کے لئے ہیں جو زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر ہوں اور ان کے لئے ہے جن کی تالیف قلوب منظور ہو، اور (زکوٰۃ) گردنیں چھڑانے کے لئے بھی دی جائے نیز قرضداروں، راہ خدا کے کاموں اور مسافروں کے لئے بھی ہیں۔ اللہ بہتر جاننے والا اور حکمت والا ہے۔" (پ ۱۰)

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں زکوٰۃ کے حقدار بیان کئے گئے ہیں۔ فقراء اور مساکین کی ائمہ کرام نے جو تشریح کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان سے مراد وہ غریب طبقہ ہے جو بالکل کنگال ہو اس قدر معذور ہو کہ کما نہ سکتا ہو یا اگر کمانے والا ہو تو اس کی کمائی اس قدر قلیل ہو کہ اس کے اور اس کے خاندان کی ضروریات کے لئے ناکافی ہو، ان میں وہ افراد بھی شامل ہیں جو کما سکتے ہیں مگر انہیں روزگار نہ ملتا ہو۔

فقراء اور مساکین کے دو طبقوں کے علاوہ زکوٰۃ کے مستحق وہ افراد بھی ہیں جو خوشحال تھے مگر بھاری قرض یا مسافر ہونے کی وجہ سے مالی مشکلات کو زکوٰۃ کے ذریعہ دور کرنا کار ثواب ہے۔

زکوٰۃ دینے کا ایک مصرف غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کرنا بھی تھا گزشتہ زمانے میں اسلام نے اس زمانے کے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے قانونی اور شرعی طور پر غلامی کا مکمل انسداد نہیں کیا مگر ایسے احکام جاری کئے کہ بتدریج غلامی کا انسداد ہو سکے اس مقصد کے ماتحت زکوٰۃ و صدقات کے فنڈ سے غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کیا جاتا تھا اس مد میں وہ قیدی بھی شامل تھے جو جنگ میں دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے ہوں، ایسی صورت میں انہیں فدیہ دیکر آزاد کرایا جاتا تھا موجودہ زمانے میں غلاموں کو آزاد کرانے کی صورت باقی نہیں رہی۔

امۃ اللہ تسنیم
مہاراشٹر کالج بمبئی

قرآن اور خیرِ امت

الحمد للہ کفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ
امابعد! فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ان ھذا القرآن
یھدی للتی ھی اقوم ویبشر المومنین الذین
یعملون الصلحت ان لھم اجرًا کبیرا وان الذین
لایومنون بالآخرۃ اعتدنا لھم عذابًا الیما ہ
(بنی اسرائیل $\frac{1}{18}$)

اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت جس پر دیگر تمام نعمتوں کا دار و مدار ہے وہ اللہ کی مرضیات کا علم ہے۔ قرآن کریم اللہ کی وہ آخری اور اکمل ترین کتاب ہے کہ جس میں خداوند تعالیٰ نے راست اپنے بندوں سے مخاطب ہو کر اپنی مرضیات و نامرضیات کا اہم ترین علم عطا فرمایا ہے۔ قرآن وہ واحد کتاب ہے کہ جس کا خطاب انسان و انسانیت سے ہے۔

لقد انزلنا الیکم کتٰبا فیہ ذکرکم افلا تعقلون ہ
(ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں خود تمہارا تذکرہ ہے پھر بھی تم غور و فکر سے کام کیوں نہیں لیتے)

قرآن کریم کا مصنف و متکلم کوئی ہم جیسا گوشت پوست رکھنے والا محدود عقل کا انسان نہیں ہے بلکہ یہ اس اللہ عزّ وجل کا کلام ہے جو بیک وقت عقل کل رکھتا ہے اور قادر مطلق اور علیم و خبیر بھی ہے اور یہ صحیفۂ الٰہی اور اس کی ایک ایک آیت جس ذی روح سے مخاطب ہے وہ کوئی فرد یا کوئی خاص ملت نہیں بلکہ تمام کی تمام انسانیت اور ہر ابن آدم و بنت حوا ہے۔ تمام کائنات میں وہ قرآن ہی وہ واحد کتاب ہے کہ جس نے تخلیق انسان، اس کی کارکردگی اور حیات ما بعد الموت اور اس کے نتائج و عواقب کے بارے میں واضح اور متعین نقطۂ نظر پیش کرتا ہے حتمی فیصلے صادر کر دیئے ہیں۔ اور ایسے فیصلے صرف وہی ذات کر سکتی ہے جو خود زمان و مکان کی خالق ہو۔

قرآن لفظ قَرَاءَ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں پڑھنا، جمع کرنا یا اعلان کرنا۔ گویا قرآن پڑھنے سمجھنے عمل کرنے اور اس کی تعلیمات کا اعلان کرنے کی چیز ہے۔ قرآن کی وجہ تسمیہ یہ بھی ہے کہ وہ سابقہ تمام صحائف آسمانی کی تعلیمات کا نچوڑ ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لکل اجل کتاب یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت (الرعد ۳۸)
(ہر وقت کے لئے ایک کتاب ہے اللہ جس کو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے نقش کر دیتا ہے)

پس جب اللہ تعالیٰ نے سابقہ قوانین کو منسوخ کر کے نئے قوانین نافذ کرنا چاہا تو اس نے قرآن کریم نازل کی۔ واضح رہے کہ جہاں تک اسلام کی بنیادی تعلیمات کا معاملہ ہے از آدم تا ایں دم اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

تعارف قرآن :-

قرآن کی خاص بات یہ ہے کہ وہ خود اپنا مکمل تعارف کرواتا ہے۔ قرآن کریم کو ۵۵ مختلف ناموں سے ملقب کیا گیا ہے۔ مثلاً فرقان، برہان، رحمت، نعمت، ذکر وغیرہ اس کی بیشتر صفات میں سے ایک صفت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف راغب کرتا ہے۔

قد جاءکم من اللہ نور وکتب مبین یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام ویخرجھم من الظلمت الی النور باذنہ ویھدیھم الی صراط مستقیم
(تحقیق تمہارے پاس تمہارے رب کے پاس سے اور روشن چیز اور واضح کتاب آئی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو مرضیات الٰہی کے طلب گار ہیں راہیں بتلاتا ہے اور اللہ اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتا ہے اور راہ ہدایت بتلاتا ہے۔)

سورۃ الشعراء کی ۱۹۲ ویں آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن خداوند تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔
وانہ لتنزیل رب العالمین (الشعراء ۱۹۲)
(اور بیشک یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے) (الشعراء)

اسی سورۃ کی بعد والی آیت اس امر کی تشریح کرتی ہے کہ قرآن کس طرح نازل ہوا۔
نزل بہ الروح الامین (الشعراء ۱۹۳)
(یہ حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ نازل کیا گیا)

قرآن کی ایک دوسری آیت یہ تشریح کرتی ہے کہ یہ کس پر نازل ہوا۔ نزل علی محمد (سورہ محمد)
(یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا)

ایک اور جگہ یہ تشریح کی گئی ہے کہ یہ کب نازل ہوا۔
شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن (سورہ بقرہ)
(ماہ رمضان میں قرآن نازل کیا گیا۔)

حتیٰ کہ یہ تک معلوم ہوتا ہے کہ قرآن دن میں اترا یا رات میں۔
انا انزلنہ فی لیلۃ القدر (سورہ القدر۔ ۱)
(یعنی ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل فرمایا ہے)

اس کے علاوہ قرآن میں مختلف جگہ مختلف آیات تعارفی بھی آئی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے اور نام کیا ہیں۔ پہلے کہاں تھا وحی کے طریقے کیا ہیں۔ کس لئے نازل ہوا۔ احکام قرآن کیا ہیں۔ عامل قرآن و منکرین قرآن کیا جزاو سزا ملےگی وغیرہا اب یہ تلاش کرنے والے پر اور اس کی ہمت پر منحصر ہے کہ قرآن کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات خود قرآن کریم کی زبانی حاصل کرے۔

خیرِ اُمت :-

اللہ تعالیٰ نے انسان کی خاطر بے شمار مخلوقات پیدا کیں اور اس کے آرام و آسائش کی ہر ممکن سہولت بخشی لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات اس کے صلے میں انسانی ہدایت کی مطلقاً محتاج نہیں ہے اور نہ ہی خداوند تعالیٰ نے ان تمام آسائشات کی فراہمی پر کبھی کوئی احسان جتلایا ہے لیکن ایک موقع اور صرف ایک نہایت ہی عظیم موقع ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین پر اپنے ایک عمل کا احسان جتلایا ہے۔ ارشاد ہے

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا
من انفسھم یتلو علیھم آیاتہ و یزکیھم
و یعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل
لفی ضلال مبین ۵ (آل عمران ۱۶۴)

(تحقیق اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا کہ جب ان میں سے ہی ایک، ایسے پیغمبر بنا کر بھیجا جو لوگوں کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کا تزکیۂ نفس کرتے ہیں اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے)

اللہ تعالٰے نے بنی اسرائیل کو تمام امم سابقہ پر فضیلت عطا فرمائی تاکہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اپنے رسول کی اطاعت کریں۔ بنی اسرائیل نے اس سے روگردانی کی اور تباہ ہو گئے۔ سچ تو یہ ہے کہ جس قوم نے بھی اللہ کی عبادت سے اور اس کے رسول کی اطاعت سے روگردانی کی بہت جلد عذاب الٰہی نے انھیں آ گھیرا۔ بنی اسرائیل کی تباہی کے بعد اللہ تعالٰے اُمّت محمدیہ کو تمام امتوں سے برتر بنا کر چند فرائض اس کے ذمے سونپ دیئے جیسا کہ ارشاد باری تعالٰے ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف
وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ (آل عمران ۱۱۰)

(تم تمام امتوں میں سب سے بہتر ہو کیونکہ تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور تمہیں یہ قوت اس لئے حاصل ہوئی کہ تم اللہ پر ایمان لائے ہوئے ہو)

گویا امت مسلمہ اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ وہ انسانیت کو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔

جب کوئی قوم لا الٰہ الا اللہ کے مطلب کو سمجھ کر اس کے اقتضاء پر عمل کرتی ہے تو وہ اپنی خودی کی پوشیدہ صلاحیتوں کو استعمال کرتی ہے جس کی وجہ سے اس میں بے پناہ قوت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا وجود انسانیت کے لئے رحمت بن جاتا ہے قوت کا دوسرا نام جلال اور تقوی کا دوسرا نام جمال ہے یعنی وہ قوم اشداء علی الکفار رحماء بینھم (یعنی نافرمانوں پر شدید اور آپس میں رحم کرنے والی) کے مصداق ہو جاتی ہے اور جس قوم میں یہ دونوں صفات بدرجۂ اتم داخل ہو جائیں وہ صرف خالق کی محکوم ہو سکتی ہے مخلوق کی نہیں۔

اگر ہمیں خیر امت ہونے کا دعویٰ ہے تو صفات متذکرہ بالا سے متصف ہونا ضروری ہے لوگوں کو نیکی کا حکم ہم اسی وقت دے سکتے ہیں جب ہم خود اس پر عامل ہوں اسی طرح برائی سے روکنے کی جرأت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جبکہ ہم خود برائی سے احتراز کرتے ہوں۔

لوگوں کو خیر کی طرف بلانا اور شر سے منع کرنا دراصل پیغمبروں کا کام ہے لیکن چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا گیا ہے اور آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول آنے والا نہیں ہے اسی لئے یہ پیغمبرانہ شان والا کام خود اس کی امت کے سپرد کیا گیا ہے جہاں تک اس کام کے کرنے میں اجر کا معاملہ ہے وہ تو بلاشبہ بہت ہے اور اللہ تعالٰے ہر ایک کی خواہش وظرف سے بہت زیادہ عطا کریگا۔ لیکن یہ سوچئے کہ خود اس دنیا میں ایک امتی ہونے کے باوجود پیغمبرانہ کام کا دیا جانا ہمارے لئے کس قدر خوش نصیبی کی بات ہے مثال کے طور پر ایک دوکاندار یا ہوٹل کے مالک کی غیر حاضری میں نوکر غلہ پر بیٹھنے کو عزت کی بات سمجھتا ہے اسی طرح جب کسی ادنیٰ ملازم کو افسر اعلیٰ کی غیر موجودگی میں انچارج بنا دیا جاتا ہے تو وہ اس فعل کو اپنے لئے باعث صد افتخار سمجھتا ہے حالانکہ نہ تو ایسا کرنے سے ہوٹل یا دوکان کا مالک بن جاتا ہے اور نہ ہی یہ حقیقت میں افسر اعلیٰ ہو جاتا ہے لیکن اس زاید

کام کی وجہ سے جب ترقی کا یا اجر کا موقع آئے گا تو دوسروں
کے مقابلے میں اس فرد کو ترجیح دی جائیگی۔

چونکہ خداوند تعالےٰ کے پاس خزانوں کی کمی نہیں ہے اسی
لئے اس نے اپنے فضل وکرم سے ساری کی ساری امت کو اس
عظیم المرتبت کام کا اہل قرار دیا ہے اور اس کام کے کی دعوت و
اجازت دی ہے۔ ع

ہر کسے بقدر ہمت اوست

پھر اس کام کو کرنے کا طریقہ سکھلانے کے لئے اس نے
تمام مخلوقات میں سے سب سے زیادہ محبوب ہستی حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے لئے اپنا رسول بنا کر مبعوث فرمایا
تو اب اس دعوت دین و تبلیغ حق کے کام کو سکھنے اور
کرنے کے لئے ہمارے پاس دو رہبر ہیں یعنی قرآن کریم اور
اسوۂ حسنہ یعنی حضور اکرمؐ کا کردار۔

قرآن کریم کی حفاظت اللہ تعالےٰ نے اپنے ذمے لی ہے
انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون (الحجر ۹/۱۵)
(بے شک ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی
حفاظت کرتے ہیں)

اب اس کے بعد جو شخص قرآن کریم یا اس کی افادیت سے
انکار کرے وہ بڑی سزا کا مستحق ہوگا۔

ان الذین کفروا بایتنا سوف نصلیھم نارا کلما نضجت
جلودھم بدلنٰھم جلودا غیرھا لیذوقوا العذاب
ان اللہ کان عزیزا حکیما (النساء ۵۶/۴)
(بیشک وہ لوگ جو ہماری آیات کے منکر ہوئے انھیں ہم آگ میں
ڈالیں گے جب ان کی کھال جل جائے گی تو ہم ان کی کھال بدلتے
رہیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔)

ایک اور جگہ فرماتا ہے۔

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ
من بعد ما بینٰہ للناس فی الکتاب اولئک
یلعنھم اللہ ویلعنھم اللعنون (البقرہ ۱۵۹/۲)
(جو لوگ ہماری ان آیات وہدایت کو چھپاتے ہیں جو ہم نے عام
لوگوں کے لئے اس کتاب میں نازل کی ہیں تو ان پر اللہ بھی لعنت
کرتا ہے اور لعنت کرنے والے سبھی ان پر لعنت کرتے ہیں)

اب ان دو آیات کے پیش نظر سوچئے کہ عصر حاضر میں اس
خیر امت کا کیا کردار ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ ہر کلمہ گو مسلم کے لئے رب کریم نے
جنت واجب کر دی۔ لیکن ذرا ہم غور تو کریں کیا ہم دنیاوی
معاملات میں محض کسی اصول کو تسلیم کر لینا کافی سمجھتے ہیں۔ مثال
کے طور پر دستور ہند کی دفعہ ۱۴۴ کے مطابق جب وہ نافذ
کی جائے تو پانچ افراد سے زیادہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اگر
آپ یہ کہیں کہ ہاں صاحب ہم یہ تسلیم تو کرتے ہیں کہ جمع نہیں
ہونا چاہیئے لیکن جمع برابر ہوتے رہیں تو ظاہر ہے کہ آپ جیل
کی آہنی دیواروں کے پیچھے پھینک دیئے جائیں گے۔ حکم اسی لئے
دیا جاتا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے نہ اس لئے کہ اس کو محض
پڑھ کر اور جلدیں بنا کر میز پر سجایا جائے یا یہ کہ اس کے باریک
نکتوں کو لے کر ذہنی عیاشی میں مبتلا ہو جائیں۔

جب ہم حقیر انسانوں کے نافذ کردہ قوانین کو نہ صرف
سنتے ہیں بلکہ اس پر عمل کرتے ہیں تو یہ ہماری کس قدر بدبختی
دیدہ دلیری احمقانہ جسارت اور مذموم حرکت ہوگی اگر ہم سارے
سارے جہانوں کے خالق مالک اور حاکم مطلق کے احکامات کو
کسی سے مثل مشاعرہ کے سنیں۔ واہ واہ سبحان اللہ کریں اور
پھر سب کچھ بھول کر اپنی من مانی کریں۔

ہائے افسوس! یہ انسان کس قدر بھولا، نادان اپنے
آپ پر ظلم کرنے والا اور اپنے رب کریم کی نعمتوں کو جھٹلانے
والا ہے کیا ہم واقعی مسلمان ہیں۔ کیا ہم آخرت پر یقین رکھنے

والے ہیں۔ ہم نے تو ابھی اسلام کو تسلیم کیا ہے ابھی ہم مومن نہیں بنے۔ اللہ تعالیٰ اسی بابت ہم سے مخاطب ہے۔

یا ایھا الذین امنوا ادخلو فی السلم کافۃ (بقرہ ۲۵/۲)

(اے مسلمانو دین میں مکمل طور سے داخل ہو جاؤ)

اگر ہمیں واقعی مومن ہونے کا دعوٰی ہے تو کیا ہم حیات مابعد الموت پر اسی طرح یقین رکھتے ہیں کہ جیسے ہم اپنی ان آنکھوں سے وہ تمام احوال دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نور بصیرت عطا فرمائے۔ آمین۔

آج دین اسلام محض ایک رسم بنکر رہ گیا ہے اس لئے کہ ہم نے کبھی اس پر یا اس کے دستور یعنی قرآن پر غور نہیں کیا اللہ نے ہماری اسی کیفیت کو محسوس کرکے ارشاد فرمایا ہے۔

افلا یتدبرون القرآن ام علیٰ قلوب اقفالھا (سورہ محمد ۲۴)

(آخر تم لوگ قرآن کے احکام و قوانین میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے کیا تمہارے دل مقفل ہو چکے ہیں۔)

سوچئے کہ حاکم مطلق محض ہمارے فائدے کے لئے ہمیں جھنجوڑ رہا ہے لیکن ہم ہیں کہ سنتے ہی نہیں گویا ہم بھی ان لوگوں کے برابر ہو گئے جن کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے کہ ان کے کان ہیں لیکن وہ سن نہیں سکتے ان کی آنکھیں ہیں لیکن وہ حقیقت کو دیکھ نہیں سکتے انہیں دماغ ہے لیکن وہ سمجھ نہیں سکتے" بقول اقبال اور دیگر مفکرین" بعض اوقات قوموں پر اس قسم کا عذاب نازل کیا جاتا ہے کہ ان سے غور و فکر اور تدبر کی تمام صلاحتیں سلب کرلی جاتی ہیں" اور یہ ایسا وقت ہوتا ہے کہ جب معاشرے میں خیالات، طرز فکر، طور طریق، لین دین غرض ہر چیز پر غیر اسلامی ہونے کی چھاپ لگ جاتی ہے۔ اس وقت تم پر ایک ظالم قوم مسلط کر دی جائیگی جو نہ تمہارے بڑوں اور بزرگوں کا احترام کریگی اور نہ ہی بچوں پر شفقت۔ اس وقت تمہارے بزرگ دعا بھی کریں تو ان کی دعائیں رد کر دی جائیں گی۔ اور اسی کے بعد واضح عذاب الٰہی کے آنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی۔

یہ تو صدقہ ہے اس مولائے کریم کا جس کے طفیل اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ پر سے عذاب الٰہی اٹھا لیا ہے ورنہ اگر ہم اگلی قوموں کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ معمولی معمولی غلطیوں پر ان کی پکڑ کی گئی اور جب گناہ عام ہو جاتے تو تمام قوم کو یکلخت و یکسر تباہ کر دیا جاتا۔ آسمان سے آگ برسا دی جاتی۔ زمین میں دفن کر دیا جاتا، سمندر میں غرق کر دیا جاتا۔ یا آسمان سے پتھر برسا کر قوم کے ایک ایک فرد کو بلا استثنیٰ ختم کر دیا جاتا تھا۔

ہم میں سے بہت سے جہلا و منافقین اور خصوصاً زبان اردو کے شعراء نے یہ اعلان کر رکھا ہے کہ ہم تو حضور اکرم ؐ کی امت میں سے ہیں اگر خدا ہمیں نہ بخشے گا تو اور کسے بخشے گا۔ العیاذ باللہ! اس قسم کی حماقت آمیز گفتگو تو شاید اولین منافقین بھی نہیں کر پاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اھم یقسمون رحمت ربک (کیا اللہ نے انہیں اپنی رحمت کی تقسیم پر داروغہ مقرر کیا ہے)

ذرا غور تو کرو کس قدر سخت تنبیہہ ہے اور پھر یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہونا جہاں شرف و عزت کی بات ہے وہیں آپ ؐ کی اطاعت سے روگردانی دوہرے عذاب کا باعث بھی ہے اس لئے عیسائی قوم تک مکمل علم نہیں پہنچا تھا لیکن اے قوم مسلم! کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ تم تک دین و ایمان کا علم نہیں پہنچا۔ کیا تم پر اور تمہاری عورتوں پر طلب علم فرض نہیں گردانا گیا۔ پھر کیا تم دوہرے عذاب سے نہیں ڈرتے۔ اللہ سے خوف کھاؤ۔ اور رجوع ہو جاؤ اسی کی جانب قبل اس کے کہ توبہ کے دروازے بند کر دیئے جائیں۔

ہم لوگ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ خدا کی ذات تمام مخلوقات سے حتیٰ کہ امت محمدیہ اور خود اپنی محبوب ترین مخلوق حضرت محمد ؐ سے بھی بے نیاز ہے اسے پروا نہیں

ساری کی ساری مخلوق جنت میں داخل ہوتی ہے یا جہنم رسید
دتی ہے۔ خداوند تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ اگر تم ہمارے حکم پر عمل
کرو تو ہم ایک دوسری مخلوق پیدا کریں گے جو اللہ کے حکموں
مکمل تابعداری کرے گی۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ کروڑ ہا کروڑ
رشتے خداوند تعالےٰ کی ہزاروں اور کروڑوں سالوں سے
س طرح تابعداری کر رہے ہیں جیسا کہ تابعداری کا حق ہے
ہمیں حیرت کیوں ہو اگر خداوند قدوس ہماری جگہ جیسی
پانی جرمن یا امریکن بلکہ انسانوں کے علاوہ دیگر سیارہ جات
مخلوق کو شرف اسلام بخش کر ہمیں جہنم کی بے پناہ آگ
میں جھونک ڈالے۔

متوجہ ہو جاؤ اے ارباب عقل و تدبر! شاید یہ
آخری اور سخت ترین تنبیہ ہے تمہارے رب جلیل کی طرف سے۔

الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ
وما نزل من الحق ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتٰب
من قبل فطال علیھم الامد فقست قلوبھم و
کثیر منھم فسقون ۝ (الحدید - ۱۶)

(کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے
دل اللہ کی نصیحت اور دین حق جو ان پر نازل ہوا ہے
اس کے باعث اللہ سے ڈریں اور اس کے سامنے جھکیں۔
اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جو اُن سے قبل اہل کتاب
تھے جب اسی حالت میں ان پر زمانہ دراز گزر گیا تو ان کے
دل سخت ہو گئے اور ان میں سے بہت سے آدمی کافر ہیں)

آؤ اے لوگو دین حق کی طرف کہ تمہیں اس کی امت
میں پیدا کیا گیا ہے جو خداوند رب العالمین کا محبوب ترین
پیغمبر ہے۔ اور تم اے مسلمانو! آؤ دعوت دین اور تبلیغ
حق کی کوشش کریں تمہیں انتخاب کیا گیا ہے جمیع نوع انسانی
سے اس مقدس کام کے لئے۔ اللہ دعوت دیتا ہے کہ
مسلمانوں میں سے ایک ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے جو
لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور شر سے روکے۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون
بالمعروف وینھون عن المنکر ط و اولٰئک
ھم المفلحون ۝ (۳ - ۱۰۴)

(یعنی تم میں سے ایک ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے
جو لوگوں کو خیر کی دعوت دے۔ نیکی کا حکم کرے اور
برائی سے روکے۔ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)

کیوں نہ ہم بھی خواہش کریں کہ اس کام کو
کریں۔ جس کی دعوت اللہ تعالےٰ خود دے
رہے ہیں۔ آؤ ہم دعا کریں کہ اے ہمارے
رب ہم نے اپنے نفسوں پر بڑا ظلم
کیا ہے اب اگر تو ہمیں نہ بخشے اور
رحم نہ کرے تو بے شک ہم خسارہ
اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے
والحمد للہ رب العالمین

ارشاداتِ نبویؐ :-

- اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ کوئی عبادت نہیں کہ تو کسی مسلمان بھائی کا دل خوش کر دے۔
- شرک کے بعد بدترین گناہ ایذا رسانی خلق ہے
- ایمان دو نصف ہیں۔ نصف صبر اور نصف شکر۔
- مظلوم کی دعا سے ڈرو۔ کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔
- برائی کے بتانے والا مثل اس کے کرنے والے کے ہے۔

ایم ۔ ایس شاکر منچری
بی۔ آئی۔ ٹی بلاک ۱۶/۷
بمبئی ۳ ۔

نذرانۂ عقیدت

نُورِ نگاہِ شاہِ رسالت ہے فاطمہ
مقبولِ بارگاہِ جلالت ہے فاطمہ

ہم عاصیوں کو گنجِ شفاعت ہے فاطمہ
یعنی ضمینِ بخششِ اُمّت ہے فاطمہ

فرزند نے اِسی کے بچایا ہے دین کو
"یوں دیکھیے" تو محسنِ ملّت ہے فاطمہ

لکھ کر تو نامِ پنجتنِ پاک دیکھیے
ظاہر ابھی ہو مرکزِ عصمت ہے فاطمہ

ہر پھول جس کا غیرتِ باغِ جناں ہے وہ
گلدستۂ حدیقۂ قدرت ہے فاطمہ

ختمِ رُسل سا باپ بھی تعظیم کو اُٹھے
بیٹی وہ بیٹی صاحبِ عظمت ہے فاطمہ

بھیجی ہے حق نے آیۂ تطہیر شان میں
کس درجہ پاک صورت و سیرت ہے فاطمہ

قدسی بھی اِس کے بچّوں کے خدمت گزار ہیں
وہ صاحبِ فضیلت و رفعت ہے فاطمہ

کیونکر بلند ہو نہ سیادت کا مرتبہ
جبکہ اساسِ قصرِ سیادت ہے فاطمہ

اس کا خیال باعثِ تسکینِ قلب ہے
خُلدِ نگاہِ اہلِ بصیرت ہے فاطمہ

واعظ! ڈرا نہ نارِ جہنّم سے تو ہمیں
ہم کو یقیں ہے بحرِ[1] شفاعت ہے فاطمہ

بچّوں کو اس کے آئے نہ کیوں حلّۂ بہشت
خاتونِ خُلد و مالکِ جنّت ہے فاطمہ

کردار میں جھلک نہ ملے کیوں رسول کی
گر پھول ہیں رسول تو نکہت ہے فاطمہ

پیغمبری کو فخر، اِمامت کو ناز ہے
قدرت بھی خوش ہے جس پہ "وہ عورت" ہے فاطمہ

شاکر! ترا یہ مُنھ کہ کرے مدحتِ بتول
ممدوحِ بارگاہِ جلالت ہے فاطمہ

[1] بحر / بہر — دونوں معنوں کا اطلاق ہوتا ہے

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

میری والدہ ماجدہ خیر النساء صاحبہ

میری والدہ ماجدہ خیر النساء صاحبہ مرحومہ اپنے والد بزرگوار کی تربیت یافتہ تھیں۔ ابتدائے شعور سے وفات تک فرائض و سنن کے علاوہ اوابین، چاشت، اشراق، شش عید، عشرۂ محرم، ذی الحجہ اور دیگر ایام کے روزے ان کی زندگی کے معمولات میں داخل تھے۔ نیز قرآن پاک، فقہ و حدیث کی کتابوں کا مطالعہ، دلائل الخیرات، حزب الاعظم، حزب البحر اور دوسری کتابوں کا ورد پورے اہتمام سے تھا۔ اس کے علاوہ ترجمہ مشارق الانوار، مشکوٰۃ المصابیح، مفتاح الجنۃ، ضمان الفردوس، حکایات الصالحین، طب روحانی، طب نبویؐ، معدن الجواہر، شفاء، رسالہ خوان نعمت و ہنس جواہر وغیرہ بھی برابر مطالعہ میں رکھتی تھیں۔

امور خانہ داری، حسن انتظام، کھانے پکانے کا سلیقہ اور عورتوں اور چھوٹے بچوں کے علاج و معالجہ میں بھی ان کو بہت ملکہ تھا۔ اعزہ کے ساتھ حسن سلوک اور محتاجوں اور غریبوں کے ساتھ ہمدردی و غمخواری۔ اصابت رائے، وجاہت و رعب اور اطمینان قلب میں اللہ نے ان کو بڑا حصہ عطا فرمایا تھا۔"

نانا صاحب کے دو صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں، میرے بڑے ماموں کا نام سیّد احمد سعید تھا، چھوٹے مولوی حافظ عبید اللہ صاحب تھے۔ میری والدہ اپنی بہنوں میں چوتھے نمبر پر تھیں ان سے تین بہنیں بڑی اور ایک چھوٹی تھیں، جن کا انتقال نانا صاحب کے زندگی ہی میں ہوگیا تھا۔

والدہ صاحبہ ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ء) میں پیدا ہوئیں نام خیر النساء رکھا گیا۔ والدہ صاحبہ نے کئی بار فرمایا اور سب اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ نانا صاحب کو مجھی اولاد میں سب سے زیادہ انھیں سے محبت و مناسبت تھی۔ فرماتیں کہ جب کوئی اچھی کتاب آتی مجھے دیکھنے کو دیتے اور مجھ سے تذکرہ کرتے کہ یہی ان کی سب سے بڑی خاطر اور محبت کی نشانی تھی۔ فرماتی تھیں میاں تہجد کے وقت جب کوٹھے سے اتر کر جانے لگتے تو میری آنکھ کھل جاتی اور میں اور منجھلی بہن صالحہ بی دونوں بی بی (والدہ کے پاس کوٹھے پر چلے جاتے اور وہیں ان کے ساتھ نفلیں پڑھتے

رہتے۔ اور مشغول رہتے۔ ہماری دوسری بہنوں اور ہمجولیوں
کو اس پر بڑا رشک آتا۔ اور وہ بھی اس کی کوشش کرتیں مگر اکثر آنکھ
نہ کھلتی۔ والدہ صاحبہ کو کاڑھنے، بیل بوٹے بنانے (کشیدہ
کاری) اور سلائی کے کام سے فطری مناسبت تھی اور وہ
اس میں استادانہ مہارت رکھتی تھیں۔ ان کا دماغ شروع سے ہی
جدتیں پیدا کرنے اور نئی تراش خراش نکالنے اور نئے نئے
تجربے کرنے کا عادی تھا۔ وہ ان تمام کاموں میں خاندان
میں موجد اور ایک طرح کی مجتہد سمجھی جاتی تھیں۔ ناناصاحب
کے مزاج میں بھی (بزرگی اور سادگی کے ساتھ) لطافت
اور خوش مذاقی تھی۔ خوش وضع اور موزوں چیزیں ان
کو پسند آتی تھیں۔ اس لئے اکثر والدہ صاحبہ سے اس طرح
کا کام لیتے۔ ناناصاحب کی ایک عبا جو وہ عید کے
موقع پر زیب تن فرماتے ابھی تک ہمارے پاس موجود
ہے جس پر والدہ صاحبہ کے ہاتھ کا ریشمی کام ہے
اور معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑا استاد ابھی کام ختم
کرکے اٹھا ہے۔

تعلیم ومطالعہ

خاندان میں لڑکیوں کی تعلیم کا بہت
مخصوص اور محدود پیمانہ پر رواج
تھا۔ لڑکیوں کی زیادہ تعلیم اور نوشت و خواند کو پسند نہیں
کیا جاتا تھا۔ تعلیم مذہبی کتابوں، مسئلہ مسائل کی واقفیت
اور انتظام خانہ داری تک محدود تھی۔ علماء حق کی کتابیں
جو اس خاندان کے مسلک اور عقیدے سے مطابقت
رکھتی تھیں۔ وہ ایک طرح سے نصاب میں داخل تھیں۔
میں نے جن کتابوں کا نام والدہ صاحبہ سے زیادہ سنا
ہے ان میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی
کتاب مالا بد منہ (عقائد و مسائل میں) "راہ نجات"
حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ دہلوی کی کتاب "آثار قیامت"

پر پہلی حدیث، شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ رفیع الدین
صاحبؒ کے ترجمہ قرآن پاک کے بارے میں مجھے یاد ہے
ابتدائی فارسی بھی پڑھائی جاتی تھی لیکن لکھنے کی مشق زیا
ہمت افزا نہیں کی جاتی تھی۔ بلکہ ایک درجہ میں اس کو پسند
نہیں کیا جاتا تھا۔ اور بعض بزرگ اس بارے میں بہت
سخت تھے۔ اور کہتے تھے کہ لڑکیاں لکھنا سیکھ جائیں گی
تو غیروں کو خط لکھیں گی۔ لیکن والدہ صاحبہ کو لکھنے
اور لکھنے کی مشق کرنے کا غیر معمولی شوق تھا۔ انہوں نے
اپنے بڑے چچازاد بھائی مولوی سید خلیل الدین صاحب
جو پورے خاندان کے ایک اتالیق کی حیثیت رکھتے تھے
اس کی اجازت چاہی انہوں نے ان کے تقاضے اور ان
کے دینی خیالات کو دیکھ کر اس کی بقدر ضرورت اجازت
دی اور والدہ صاحبہ نے اپنے ماحول کے رواج اور اپنے
خاندان کے معیار کے برخلاف اچھا خاصا لکھنا سیکھ لیا۔
اس چیز نے ان کو اپنی تصنیف و تالیف کے کام میں بڑی
مدد دی۔ جو کتابیں اس زمانہ میں ان کے مطالعہ میں رہیں
اور جن کا ان کی زندگی میں اور ذہن پر گہرا اثر پڑا۔ ان میں
قصص الانبیاء، مقاصد الصالحین، ماثر الصالحین، طریق
الفرائض الی منازل البرازخ اور طریق النجاۃ کا نام میں نے
بار بار سنا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد تین کتابیں اور بھی ان
کے مطالعہ میں آئیں۔ جن کا انہوں نے بہت اثر قبول کیا
ایک نواب سید صدیق حسن خان مرحوم کی کتاب الدار دال
جس سے ان کو مختلف آیات قرآنی کے خواص اور اعمال
قرآنی کا علم ہوا۔ اور انہوں نے ان میں سے بہت سی چیزوں
کو اپنا معمول بنا لیا۔ دوسری کتاب مجربات دیربی اس سے
بھی انہوں نے بہت فائدہ اٹھایا۔ اور کام لیا تیسری تعبیر الرؤ
جس میں وہ تعبیریں منقول ہیں جو حضرت ابن سیرین نے

لوگوں کو خوابوں پر دین اور اس کے اصول بیان کیئے ہیں والدہ صاحبہ کو اس کتاب کے مطالعہ اپنے تجربے اور خدا داد ملکہ کی بنا پر خوابوں کی تعبیر دینے سے بڑی مناسبت ہو گئی تھی۔ خاندان کے اکثر لوگ ان سے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھتے اور ان کی اکثر تعبیریں صحیح نکلتیں۔

اسی زمانے میں ایک نعمت عظمیٰ کی طرح ان کو ہاتف مرحوم کی ایک مناجات منظوم جس کا نام نعمت عظمیٰ ہے مل گئی۔ اس کا ہر شعر اسمائے حسنیٰ میں کسی ایک اسم سے شروع ہوتا ہے اور اس اسم کی مناسبت سے اسی مضمون کی دعا اور مناجات ہوتی۔ معلوم نہیں یہ ہاتف کون تھے اور ان کا پورا نام کیا تھا لیکن ہمارے خاندان کے لئے یہ ہاتف غیبی ثابت ہوئے۔ ان کی یہ مقبول مناجات جس کے لفظ لفظ سے خلوص اور دعا کا سچا جذبہ ظاہر ہوتا ہے۔ خاندان کی عورتوں اور بچیوں اور بہت سے مردوں کا ورد اور وظیفہ بن گیا۔ اکثر لوگوں کو یہ زبانی یاد تھی۔ خاص طور پر جب کوئی فکر اور پریشانی کی بات ہوتی یا کوئی غم یا حزن و ملال کا واقعہ پیش آتا تو یہ انفرادی یا اجتماعی طریقے پر بڑے ورد کے ساتھ پڑھی جاتی۔ اور اس سے بڑی تسکین اور تقویت ہوتی۔

حفظ قرآن

مردوں میں تو حفظ کا رواج ہمارے خاندان میں شروع سے رہا ہے اور ہر دور میں بڑے بڑے جید حافظ ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں مجھے معلوم نہیں کہ اس دور سے پہلے کوئی حافظ تھا۔ معلوم نہیں کیا خاص محرک پیش آیا کہ اس طبقہ میں قرآن مجید حفظ کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ سب سے پہلے والدہ ہی کو شوق پیدا ہوا۔ یا ان کی کسی اور بہن یا عزیزہ کو، لیکن ایک وقت میں میری والدہ ان کی منجھلی بہن صالحہ بی، ان کی بھانجی اور نند اور عزیز بہنوں نے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا ان میں سے ہر ایک نے اپنے کسی ایسے عزیز سے حفظ کرنا شروع کیا جو ان کے حقیقی بھائی یا محرم تھے۔ چھوٹے ماموں سید عبید اللہ صاحب خود جید حافظ تھے بہت صحیح اور عمدہ قرآن مجید پڑھتے تھے والدہ صاحبہ نے انہیں سے حفظ کرنا شروع کیا۔ ان دونوں بھائی بہنوں میں بڑی محبت تھی۔ میں نے کم بھائی بہنوں کو ایسا ایک دوسرے کا جاں نثار پایا۔ جیسا یہ دونوں بھائی بہن تھے۔ غالباً چار پانچ سال ہی کی چھٹائی بڑائی تھی۔ تین سال میں انہوں نے حفظ مکمل کر لیا۔ آگے پیچھے یہ سب بہنیں حافظ ہو گئیں ان کے حقیقی بڑے چچا زاد بھائی مولوی سید خلیل الدین صاحب اس سلسلے کی بڑی ہمت افزائی اور سرپرستی فرماتے تھے۔ والدہ کہتی تھیں کہ بھائی جی مرحوم ہر ہفتہ ہم لوگوں کی دعوت کرتے تھے اور جب حفظ مکمل ہوا تو انہوں نے ایک بڑی دعوت کی۔

رمضان کا مبارک معمول

کیا مبارک زمانہ تھا جب یہ سب تراویح میں ایک ایک پارہ پڑھتی تھیں بعض علماء کے فتوے کے مطابق ان کی اپنی جماعت ہوتی تھی جن میں عورت ہی امام اور عورت ہی مقتدی ہوتی تھیں۔ عشاء کے بعد سے سحری کے قریب تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ یہ سب قرآن شریف بہت اچھا پڑھتی تھیں۔ مخارج نہایت صحیح تھے اگر گستاخی نہ ہو تو یہ کہوں کہ آجکل کے بہت سے فضلائے مدارس سے زیادہ صحیح اور اچھا پڑھتی تھیں۔ اندرونی جذبہ اور فطری ترنم اس پر مستزاد۔ مجھے یاد ہے کہ میں ایک مرتبہ چھپ کر دیر تک والدہ صاحبہ کا قرآن کھڑا سنتا رہا۔ وہ تراویح پڑھا رہی تھیں

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے بارش ہو رہی ہے وہ لطف آج تک نہیں بھولتا۔ والد صاحب کے گھر آنے کے بعد انہوں نے والد صاحب کو قرآن مجید سنایا۔ اور اس میں مزید جلا پیدا ہوئی آخر عمر تک جب تک ان کا حافظہ کام دیتا رہا وہ اپنے بھتیجے حافظ سید حبیب الرحمٰن صاحب سے ہمیشہ دور کرتی رہیں آخر وقت تک جب تک انہوں نے اپنے معمولات ادا کئے وہ مختلف سورتیں مختلف رکوع اور آیات نہایت صحیح طریقہ پر اور ایک حد تک تجوید اور صحت مخارج کے ساتھ پڑھ پڑھ کر پڑھتی رہیں۔

بے کلی و بے چینی اور دعا و مناجات کا ذوق

اب وہ دَور آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اپنی نعمت خاص سے نوازتا ہے اور ان کو دعا و مناجات کی وہ دولت اور نسبت عطا فرماتا ہے جو ان کی قبولیت و ترقی کا اصل زینہ اور ہزاروں سعادتوں اور نعمتوں کا ذریعہ اور سرچشمہ بنا اور جس کی مثال میں نے اس دورِ آخر میں صرف خاصانِ خدا اور اکابر و مشائخ میں دیکھی۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب خدا کا کسی پر خاص فضل ہونے والا ہوتا ہے اور خدا کسی کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا ہے تو کسی نہ کسی سبب سے اس کے اندر بے کلی اور بے چینی اور اضطراب و پریشانی پیدا کر دیتا ہے ہزاروں سکون قربان اس بے چینی پر جو سب سے ہٹا کر خدا کے آستانے پر کھڑا کر دے اور سب سے توڑ کر اس سے جوڑ دے۔ اس ناکارہ اور گنہگار کو بہت سے بزرگانِ دین کی سوانح عمری اور حالات لکھنے کا اللہ نے موقع دیا۔ اکثر دیکھا کہ جس پر عنایت خاص ہوئی اس کی زندگی میں بے چینی کا کوئی سبب پیدا کر کے اس کو سب کے بیچ میں سے اٹھا کر اپنا بنا لیا۔ بہت سے بزرگوں کے حالات کی تبدیلی اور جذب و کشش کا ذریعہ بھی یہی اضطراب بنا۔ جس کو

بہت سے لوگ "اختلاج" کے نام سے یاد کرتے ہیں والدہ صاحبہ اکثر کہتی تھیں کہ میں ایک مرتبہ قرآن شریف پڑھ رہی تھی میں نے یہ آیت دیکھی:—

وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ
قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ
فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ
يَرْشُدُوْنَ ۝

(اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگیں تو چاہیئے کہ حکم مانیں میرا اور یقین لائیں مجھ پر تاکہ نیک راہ پر آئیں)

بارہا یہ آیت پڑھی ہو گی اور ممکن ہے کہ اس وقت تک حفظ بھی کر چکی ہوں لیکن وقت کی بات ایک دم سے آنکھیں کھل گئیں اور ایسا معلوم ہوا کوئی کھوئی ہوئی چیز پالی اور کوئی نئی حقیقت دریافت کی۔ کہتی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے دل پر لکھ دیا ہو اور کوئی چیز دل کی تہہ میں بیٹھ گئی ہو۔ بس کیا تھا جیسے کوئی خزانہ مل گیا اور سارے قفلوں کی کنجی ہاتھ آ گئی ہو۔ بس اسی کو مضبوط پکڑ لیا۔ اور دانتوں سے داب لیا۔ دعا کا ایسا ذوق پیدا ہوا کہ سارا وجود اس سے سرشار ہو گیا، ادھر اختلاج شروع ہوا ایک بے کلی اور بے چینی سی ہر وقت رہنے لگی۔ اپنی زندگی کا انجام آئندہ کی فکر، خوش نصیبی اور کامیابی کا شوق، ہر وقت دل و دماغ پر چھایا رہتا تھا۔ اس ہر وقت کی بے چینی اور اضطراب میں اگر کسی چیز سے تسکین ہوتی تو صرف دعا اور مناجات سے یہی درد کی دوا، روح کی غذا اور زخم دل کا مرہم تھا۔ ایک اندرونی طاقت تھی جو ان کو ہر وقت دعا اور مناجات میں مشغول رکھتی، خود ہی بے چین

کرتی۔ پھر خود ہی سکون عطا کرتی۔ خود ہی دل کو زخمی کرتا پھر
اس پر مرہم رکھتی، خود ہی رلاتی، خود ہی آنسو پونچھتی، دعا
کئے ہوئے روتے ہوئے ذرا دیر گزرتی تو پھر پہلو میں چٹکی
لیتی اور زخم دل کو جو ہرا تھا پھر ذرا سا چھیڑ دیتی پھر
جب تک وہ دل کھول کر دعا نہ کرلیتیں ان کے بے چین دل
کو تسکین نہ ہوتی۔ ان کو ہر دعا پر اعتماد اور اللہ تعالیٰ کی
رحمت پر ناز بھی بہت تھا۔ اچھے اچھے لوگوں میں میں نے
دعا کا وہ ذوق اور دعا میں ایسا یقین نہیں دیکھا جیسا کہ
اپنی والدہ صاحبہ کی زندگی میں دیکھا ہے ان کی زندگی اس
حدیث کی تعمیل کا نمونہ تھی جس میں کہا گیا ہے کہ:۔

" تمہاری ہانڈی کا نمک کم ہو جائے تو
اس کو دعا ہی کے ذریعے طلب کرو اور
تمہاری جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس
کو بھی اللہ ہی سے مانگو"

ان کی ساری زندگی دعا اور مناجات میں گزری، ماثورہ
دعائیں، منظوم مناجاتیں اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ہر فکر و
تردد کے موقع پر پڑھتی تھیں۔

بچپن سے ہم بھائی بہنوں کو اس کا عادی بنایا مجھے
یاد ہے کہ جب میں لکھنے پڑھنے کے قابل ہوا تو انھوں
نے مجھ سے فرمایا:

" تم جب کچھ لکھا کرو تو بسم اللہ کے بعد سب سے
پہلے یہ الفاظ لکھا کرو۔ اَللّٰھُمَّ اٰتِنی بفضلک افضل
ما توتی عبادک الصالحین اے اللہ اپنے فضل سے
مجھے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ چیز عطا فرما جو تو اپنے نیک بندوں
کو عطا کرتا ہے"

ان کو ہر موقع کی اتنی دعائیں اور مسنون وظائف یاد تھے
جو اس زمانے کے مدارس کے اچھے اچھے فضلاء کو بھی یاد نہ ہوں
گے ان کا یہ شعر بالکل حسب حال اور ان کے اصل ذوق
کی ترجمانی کرتا ہے۔

تیرا شیوہ کرم ہے اور میری عادت گدائی کی
نہ ٹوٹے آس اے مولا تیرے در کے فقیروں کی

ان کے یہ شعر ان کی اضطراری کیفیت کو ظاہر کرتے
ہیں اور میں نے ان کو اکثر ملتزم اور مطاف میں پڑھا ہے
اور بڑا ذوق اور فائدہ محسوس ہوا ہے:۔

کونسی سرکار ہے جس کا ہے سب کو آسرا
کونسا دربار ہے جس میں ہے ہر کوئی کھڑا
کونسا وہ شاہ ہے جس کا ہے ہر کوئی گدا
کونسا در ہے نہ جس در سے کوئی خالی پھرا
آج اسی سرکار سے میں بھی تو پاکر شاد ہوں
آج اسی دربار سے میں بھی تو خوش ہو کر پھروں

دعا میں اللہ تعالیٰ ان سے وہ مضامین ادا کرواتا
جو اہل یقین اور اہل قلوب کا خاصہ ہیں۔ طبیعت شروع سے
موزوں بہت تھی اس کے علاوہ مسنون دعاؤں اور بے
تکلف عرض حال کے وجوہ تہجد میں اور فرض نمازوں
کے بعد بالعموم کرتیں۔ اکثر نظم میں بارگاہ الٰہی میں اپنا
مدعا پیش کرتیں۔ اور اپنے مالک کے سامنے فریاد کرتیں
یہ مناجاتیں درد و اثر سے لبریز ہوتیں۔ یہ مناجاتیں بہت
جلد مقبول اور زبان زد ہو جاتیں اور خاندان میں بی بیاں
اور بچیاں ان کو یاد کرلیتیں۔ اور پڑھتی تھیں جس
وقت یہ مناجاتیں پڑھی جاتیں ایک سماں بندھ جاتا اور دل
امڈ آتے۔ عرصہ ہوا ان کی مناجاتوں کا مجموعہ "باب رحمت"
دیکھ کر ایک صاحب دل اور عارف نے کہا تھا کہ جس کے یہ
اشعار ہیں اس کو اپنے مالک سے ایک ناز اور اس کے ساتھ
بندگی کا ایک خاص تعلق معلوم ہوتا ہے۔" خود میرا یہ حال ہے

کر انکے پڑھنے سے ایک خاص کیفیت محسوس ہوتی ہے اور طبیعت دعا کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ والدہ صاحبہ نے خود اپنی ایک تصنیف میں اس زمانے کی کیفیت بیان کی ہے۔ اس سے زیادہ ان کی صحیح اور اچھی ترجمانی نہیں ہو سکتی۔

"دعا گویا میری غذا تھی بغیر دعا کئے مجھے سیری نہ ہوتی تھی۔ دعا کی مشغولیت اتنی بڑھی کہ تمام مشاغل چھوٹ گئے۔ اگر بات بھی کرتی تو دعا کے ساتھ کرتی، کوئی گھڑی دعا سے خالی نہ گزرتی۔ جمعہ گویا روز عید تھا۔ اور فی الحقیقت عید کا دن بھی ہے تمام دن دعا کرتی خاص کر عصر سے غروب آفتاب تک تنہا بیٹھ کر دعا میں ایسی مشغول رہتی کہ کسی طرف آنکھ نہ اٹھاتی، مرغ کی ہر آواز پر اسے اذان کے ساتھ دعا کرتی۔ حتی الامکان کوئی وقت دعا کا ضائع نہ کرتی اور کوئی بات نہ کرتی ہر خوف سے امان مانگتی اور ہر خوبی کی طالب ہوتی۔ یہ اس مالک حقیقی کی رحمت و عنایت تھی کہ جو جو معاملات زندگی میں پیش آنے والے تھے۔ دعا کے وقت سب پیش نظر ہو جاتے۔ اور اس قدر جوش پیدا ہو جاتا کہ بے خودی ہو جاتی اور تمام جگہ آنسوؤں سے تر ہو جاتی اور اس کی شان قدرت پر نظر کر کے تڑپ جاتی جس طرح مرغ ذبیح تڑپتا ہے مگر بے خودی میں بھی دعا جاری رہتی ہے۔ اور ہر وقت اپنے نیاز پر نظر کرتی اور کہتی ؎

جو عیب نسبت کے ہیں مٹا دے ترا ہی عالم میں نام ہوگا

سجدے سے سر ہرگز نہ اٹھاتی جب تک دل کو کچھ تسکین نہ ہو جاتی۔ دعا کے بعد مجھے اس قدر تسکین ہوتی کہ گویا رحمت کے دروازے کھل گئے ہیں اور میں خزانہ رحمت لوٹ رہی ہوں۔ کبھی خود بخود ہنسی آجاتی ہے اور کہتی ؎

کیوں نہ آئے رحم تجھ کو حال پر میرے رحیم
تیری ہی رحمت تو ہے مونس میری ہمدم مری
بے کسوں کا بس تو ہی مونس تو ہی غمخوار ہے
تجھ سے کہکر کیوں نہ ہو بیتابیٔ دل کم مری
کب نہیں ہوگی خبر تجھ کو دل بیتاب کی
آہ پہنچے تیرے دربار میں جب دم بدم مری
مالکوں میں اک ترے دربار کے میں بھی تو ہوں
کیوں رہے فریادِ دل یوں در ہم و برہم مری
کیوں نہ میں چاہوں کہ خود ہی چاہنے والا ہے تو
کب گوارا ہے تجھے کہ چشم ہو پُر نم مری

دعا کی محویت اور اس کا انہماک روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ اور اس میں ان کو عجیب لذت و سرور جوش و خروش اور سرشاری کی کیفیت محسوس ہوتی تھی۔ اسی زمانے میں ان کی موزوں طبیعت اور جذبِ دل نے اس کو نظم کا "قالب" عطا کیا۔ اور وہ اپنے دلی جذبات کو اشعار میں ادا کر کے اپنے دل کو تسکین دینے لگیں۔ فرماتی ہیں:-

"اس مالک حقیقی کو میری گریہ و زاری کچھ ایسی پسند آگئی کہ جو کچھ دیتا رولا کر دیتا مگر سب سے بہتر دیتا۔ ایک سال متواتر یہ مشغولیت رہی اس سے ایسی دلچسپی ہو گئی کہ دعا سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ ہوتی۔ تمام خوبیاں ہیچ ہو جاتیں دعا کی اتنی عادی ہو گئی تھی کہ اکثر نماز میں بجائے سورہ کے دعا نکلنے لگتی۔ اور کاموں کا کیا ذکر اس مالک حقیقی نے دعا سے ایسی دلچسپی پیدا کر دی تھی۔ کہ بغیر دعا کے مجھے آرام نہ ہوتا جب نماز اور دعا سے فارغ ہو جاتی تو حزب الاعظم کا ورد کرتی۔ اور بار بار دہراتی اور طلوع آفتاب سے

غروب آفتاب تک دعا سے غافل نہ ہوتی۔
زبان سے بھی ادا کرتی اور قلم سے بھی لکھتی دل اس طرف ایسا مائل تھا کہ خود بخود ایسے اشعار منہ سے نکلتے گویا اصلاح کئے ہوئے ہیں نہایت گریہ وزاری کے اشعار پڑھتی اور روتی اس مالک حقیقی کی قدرت اور رحمت پر اس قدر بھروسہ تھا کہ قسمت کو ہیچ سمجھتی اور اسے صاحب تدبیر سمجھ کر ہر وقت ناز کرتی، اور تمام مشکلوں کو آسان سمجھتی، وہ وہ خواہشیں ظاہر کرتی جو میری قسمت سے بعید اور دشوار تھیں، مگر اس کی شان کبریائی پر نظر کر کے کہتی ؎

ذرہ کو گر چاہے تو ہی پل میں کرے رشک قمر
تیری صفت یہ دیکھ کر کیوں حوصلہ میرا ہو کم

اس کی عنایت اور شفقت پر مجھے اس قدر ناز تھا کہ یہ کہتی تھی یا ارحم الراحمین اگر تو مجھے میری کوشش میں کامیاب نہیں کرے گا تو ایسی چیخ مارونگی کہ آسمان زمین ہل جائیں گے اور تیرے در سے ہر گز سر نہ اٹھاؤنگی

نہ اٹھوں گی میں اس در سے کوئی مجھ کو اٹھا دیکھے
مجھے ہے آرزو جس کی اٹھوں گی میں وہی لے کر

یہ اس کی محبت اور عنایت و رحمت تھی کہ اتنی بڑی سرکار میں مجھے ایسا مصیبت سے سر دیا تھا اور بے حجاب کہ میں کہتی اور کہہ کر اپنی بات پر اڑ جاتی اور اتنا بڑا بادشاہ مالک الملک ہو کر مجھ ادنیٰ حقیر کی ناز برداری کرتا ؎

یہ شان دیکھی تری نرالی جو مانگے تجھ سے تو اس سے راضی
بلا کے دینا کرم ہے تیرا یہ فضل بھی ہے کمال بھی ہے۔

ارشاداتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)

★

(بروایت ابوہریرہ رض) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے جو تمہیں کھانے پینے اور آرام لینے سے روکے رکھتا ہے جب تم میں سے کوئی اپنی ضرورت پوری کر لے تو اسے اپنے اہل و عیال کی طرف لوٹنے میں جلدی کرنی چاہیے۔

ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرے جو منہ کے بل اوندھا لیٹا ہوا تھا۔ آپ نے اسے اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگائی اور فرمایا اٹھ کھڑے ہو یہ جہنمی لیٹا ہے۔

(بروایت عبداللہ بن مسعود) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ مجھے کیسے معلوم ہو کہ میں اچھے کام کرتا ہوں یا برے کاموں میں مبتلا ہوں؟
آپ نے فرمایا۔ جب تم اپنے ہمسایوں کو یہ کہتے ہوئے سنو۔ کہ تم اچھا کام کر رہے ہو تو واقعی تم اچھا کام کر رہے ہو اور جب تم ان کو یہ کہتے ہوئے سنو کہ تم برا کام کر رہے ہو تو واقعی تم برا کام کر رہے ہو۔

شاہد ساگری

شبِ قدر

لیلۃالقدر شبِ قدر ہے اللہ کا نُور
رحمتِ حق کا اسی رات کو ہوتا ہے ظہور
اہلِ ایمان اسی رات کے متوالے ہیں
مے سے اس کی ہی بھرے آنکھوں کے دو پیالے ہیں
برکتوں والی یہ وہ رات ہے اللہ غنی
عام ہو جاتی ہے بندوں پہ عنایت رب کی
عابدوں کے لئے یہ رات ہے اِنعامِ خدا
اہلِ دنیا کے لئے باعثِ اکرامِ خدا
پوری اس رات کو کرتا ہے خدا سب کی دُعا
کہتے ہیں اہلِ فلک صلِّ علےٰ صلِّ علےٰ
رات بھر اس میں عبادت کا مزا آتا ہے
رات بھر سب کو نظر نورِ خدا آتا ہے
لوٹ لو برکتیں اس رات کی ایمان والو
حق تعالےٰ کی عبادت کرو قرآن والو
نُور ہی نُور شبِ قدر سے عالم پُرنو
شاہد اِس رات میں ہے رحمتِ باری کا ظ

ماہِ صیام نیکیوں کا موسمِ بہار

جب سے یہ دنیا وجود میں آئی ہے اس وقت سے موسم کے تغیر کا مشاہدہ انسان کر رہا ہے۔ گرمی کی تمازت کے بعد سردی کی خنکی اور پھر بارش کی پھوار کا تجربہ انسان ہر سال کرتا ہے ———— مگر جغرافیائی اور طبعی موسم کا مشاہدہ اور تجربہ کرنے والے انسانوں میں جو بھی شخص جب اپنے مادی جسم اور مادی ضروریات سے ذرا بلند ہو کر اس شئے لطیف کے غور و خوض کرے گا جسے رُوح کہتے ہیں تو اُسے اس راز تک رسائی اور اس حقیقت کو پالینے میں کوئی دقت نہیں ہوگی جو طبعی نہیں بلکہ مابعد الطبعی ہے۔

انسان اپنی جسمانی بقا اور حیات کے لئے ہوا، غذا اور پانی کا محتاج ہے۔ وہ اپنی ستر پوشی اور زینت و آرائش کے لئے لباس کا ضرورت مند ہے۔ وہ قیام و آرام کے لئے مکان کا حاجتمند ہوتا ہے۔ یہ تمام چیزیں انسان کی مادی ضرورت کی تکمیل اور جسمانی آسودگی کا ذریعہ ہے۔

مگر انسان صرف مادی جسم کا نام نہیں۔ انسان کی زندگی کا مدار اور اس کی حرکت و عمل کی محرک اسکی روح ہوتی ہے۔ انسانی روح کی رفاقت ہی سے انسان زندہ ہے۔ جس دن روح انسان سے جُدا ہوجاتی ہے انسان اپنے عزیزوں کے کاندھے پر سوار منوں مٹی کے تلے دفن کیا جاتا ہے۔

انسان کو اپنی جسمانی ضرورت کا بڑا خیال اور ان کو مہیا کرنے کی بڑی فکر ہے۔ مگر وہ روح کی غذا اور اسکی تن درستی اور بقا کی طرف سے غافل ہے۔

ہر نیک عمل انسانی رُوح کی غذا ہے۔ ہر نیک عمل انسانی روح کو تازگی اور توانائی بخشتا ہے۔ اور ہر انسانی رُوح کو نشاط و سکون عطا کرتا ہے۔

اسلام جو دین فطرت ہے۔ مکمل نظام حیات ہے۔ انسان کی مادی اور روحانی دونوں ضرورتوں کا لحاظ رکھتا ہے۔ اسلام نے جسم کو اذیت پہونچا کر رہبانیت کی راہ اختیار کرنے کی کبھی دعوت نہیں دی۔ اسلام نے جسم کے تقاضوں کا پورا لحاظ رکھا اور دوسری طرف اس نے انسانی روح کو مضمحل، بیمار اور کمزور ہونے سے روکا۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ خیرات، صدقات اور ہر نیک عمل کی ترغیب دیکر اسلام نے انسان کو اُس دائمی مسرت و راحت سے ہمکنار کیا جو سکون و عافیت کا سرچشمہ ہے۔

ماہ رمضان المبارک، روح کی ترقی اور اس کی فرحت کا

(بقیہ صفحہ ۹۹ پر)

معدے کا روزہ

جو روزہ خدا نے فرض کیا ہے اُس کا اجر و ثواب تو اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی اور اس کے فوائد اتنے زیادہ ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے یہ کیا کوئی چھوٹا انعام ہے کہ انسان روزہ رکھ کر متقی بن سکتا ہے، اور اللہ اور بندوں کے نزدیک سب سے زیادہ عزت اس کی ہوا کرتی ہے جو متقی ہو۔ متقی سے مراد یہ نہیں کہ اُس نے خاص قسم کا لباس پہنا ہو یا وہ خاص خاص اوراد و وظائف کا پابند ہو۔ بلکہ متقی سے مراد یہ ہے کہ وہ ہر کام ہر بات ہر حرکت میں خدا سے ڈرنے والا اور اس کی مقرر کردہ حدود کو ملحوظ رکھنے والا ہو لیکن ہم لوگ عام طور پر معدے کے روزے کو اصل روزہ سمجھ بیٹھے ہیں اور اس سے وہ امیدیں باندھ لیتے ہیں جو اصل روزے سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ بلاشبہ معدے کا روزہ بھی فائدے سے خالی نہیں اس سے جسمانی صحت ٹھیک ہو جاتی ہے اور بیشمار امراض کا قلع قمع ہو جاتا ہے لیکن وہ روزہ جو انسان کو خدا کے نزدیک معزز و مکرم بناتا ہے وہ روزہ ہے جس میں سارے اعضائے جسم مثلاً آنکھ کان زبان اور ہاتھ پاؤں کے علاوہ دل اور دماغ بھی شریک ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ویسے ہی روزے رکھنے کی توفیق عطا کرے۔ اور ہماری ایمانی اور اخلاقی حالت رمضان المبارک کے بعد بہت بہتر ہو جائے۔ آمین!

اس صحبت میں ہم اپنی کوئی بات اپنے الفاظ میں سنانے کے بجائے ہمارے اور آپ کے رہنما، ہادیٔ برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشاداتِ گرامی سناتے ہیں۔ جو سارا سال بالعموم اور اس ماہ مبارک میں بالخصوص یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ شعبان کے آخری دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا کہ اے لوگو ایک بڑے مہینے نے تم پر سایہ ڈالا ہے جو بڑا بابرکت مہینہ ہے یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے خداوند تعالیٰ نے اس مہینے کے روزے فرض قرار دئیے ہیں اور اس کی رات کی عبادت نفل قرار دی ہے جو شخص اس مہینہ میں کسی نیکی سے خدا کا قرب تلاش کرے یعنی خدا کی خوشنودی کے لئے نفل عبادت کرے اس کا ثواب اتنا ہی ہوتا ہے جتنا فرض کا رمضان کے سوا دوسرے مہینوں میں ستر فرض ادا

کرنے کا ثواب ہو اور یہ مہینہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے اور یہ مہینہ غم خواری کا مہینہ ہے۔ اور یہ مہینہ ایک ایسا مہینہ ہے جس میں زیادہ کیا جاتا ہے رزق مومن کا۔ جو شخص اس مہینہ میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے وہ اس کے گناہوں کی بخشش کا سبب ہوتا ہے اور دوزخ کی آگ سے نجات کا ذریعہ اور روزہ دار کے ثواب کے برابر اس کو ثواب ملتا ہے اور اس سے روزہ دار کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوتی۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ ہم سب کے پاس اتنا سامان نہیں کہ اس سے ہم روزہ داروں کے روزے افطار کرائیں۔ آپ نے فرمایا: یہ عطا فرماتا ہے خداوند تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی جو لسی کے ایک گھونٹ یا ایک کھجور یا پانی کے ایک گھونٹ سے کسی کا روزہ افطار کرائے اور جو شخص روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، سیراب کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض سے ایسا پلائے گا کہ پھر کبھی اس کو پیاس نہیں لگے گی یہاں تک کہ وہ جنت میں جائے اور یہ مہینہ ایک ایسا مہینہ ہے کہ اس کی ابتدا میں رحمت ہے درمیان میں مغفرت اور آخر میں دوزخ سے نجات۔ اور جس شخص نے اس مہینے میں اپنے غلام روزہ دار سے کام لیا اور اس کے کام میں تخفیف کردی بخشتا ہے اللہ اس کو اور دوزخ سے نجات دیتا ہے۔ (بیہقی)

صرف معدے کا روزہ رکھنے والوں اور اپنے باقی اعمال و افعال سے بے نیاز روزہ داروں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وعید فرمائی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "جو شخص جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل (یعنی برے کام) نہ چھوڑے پس خدا کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے (بخاری)

اوّل الذکر حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ صبر کا مہینہ ہے اور غم خواری کا مہینہ ہے۔ صبر اور غمخواری کا مفہوم بہت وسیع ہے اس کو ہمیں خود اپنی پوری زندگی میں پھیلا کر دیکھیں کہ کہاں کہاں کس کس طریقے سے صبر کی ضرورت ہے اور کہاں کہاں خلق خدا سے غم خواری اور محبت کی۔ اس سلسلے میں چند احادیث علیحدہ شامل کی جا رہی ہیں۔ اللہ ان کے لکھنے پڑھنے والوں سب کو عمل کی توفیق دے اور ہم سچے مسلمان بن جائیں۔

(ماخوذ)

(بقیہ ماہ صیام نیکیوں کا موسم بہار)

(صفحہ ۴۷ سے آگے)

سامان مہیا کرنے میں ایک مثالی مہینہ ہے۔ یہ ماہ مبارک مادہ کے پیچھے سرپٹ دوڑنے والے انسان کو جو تھک کر چور ہو گیا ہے ایسی حقیقی راحت مہیا کرتا ہے جو اسے خدا کے قرب اور جنت کی ابدی لذتوں کا مستحق بنا دیتے ہیں اور وہ دنیا میں بھی جنت کا لطف حاصل کرتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس ماہ مبارک میں جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور شیاطین کو مقید کر دیا جاتا ہے۔ حدیث کے ان الفاظ کی معنویت کا اندازہ نہیں اس ماہ مبارک میں ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت اپنی ہمت اور توفیق الٰہی کے بقدر اس ماہ مبارک میں نماز و تراویح اور روزہ کا اہتمام کرتی ہے۔ زکوٰۃ و خیرات اور صدقۂ فطر کے ذریعہ سے اپنے غریب بھائیوں کی مدد کرتی ہے۔ اس ماہ مبارک میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر وقت سایہ فگن رہتی ہے۔ اور ہر سال آنے والے نیکیوں کے اس موسم کو اگر یہ نام دیں تو کیا بجا ہے۔

ماہ رمضان ــــــ نیکیوں کا موسم بہار

وحید الدین خان

نفس پرستی

جدید تہذیب نے آدمی کے اندر آزادی اور خود پرستی کی جو ہوا بھر رکھی ہے۔ اس کا یہ لازمی نتیجہ ہوا ہے کہ اب انسان اپنے سے بالاتر کسی قوت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے وہ صرف اپنی رائے پر چلنا چاہتا ہے۔ یہ چیز انفرادی زندگی میں خواہش پرستی اور اجتماعی زندگی میں جمہوری قانون سازی کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے۔ میں ٹرین میں سفر کرتے ہوئے یا کسی راستے میں چلتے ہوئے جب لوگوں کی گفتگو سنتا ہوں تو بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ بولنے والا کسی دوسرے کی شکایت بیان کر رہا ہوتا ہے۔ شاید ہی میں نے یہ کسی کی زبان سے یہ سنا ہو کہ فلاں معاملہ میں غلطی میری ہے ہر آدمی یہ ثابت کرتا ہوا ملتا ہے کہ دوسرے نے اس کے اوپر ظلم کیا ہے۔ دوسرا اس کی بات نہیں مانتا۔ دوسرے نے غلط طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ جب ہر شخص مظلوم ہے اور ہر شخص نے صحیح رویہ ہی اختیار کیا ہے تو وہ شخص کہاں ہے، جو غلط کار ہے جو دوسروں پر ظلم کرتا ہے اگر سب لوگ ظالم ہیں تو مظلوم کون ہیں؟ تو ظالم کو کہاں تلاش کیا جائے؟۔

یہ صورت حال اسی لئے ہے کہ آدمی اپنی غلطی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ غلطی وہ نہیں ہے جو جس کو میں کروں، غلطی صرف وہ ہے جس میں دوسرا شخص مبتلا ہے یہ موجودہ زمانہ کا عام رجحان ہے ہر شخص اپنے آپ کو صحیح سمجھتا ہے اس کے نزدیک قابل قبول ہی نہیں ہے الّا یہ کہ ڈنڈے کے زور سے اسے ماننے پر مجبور کر دیا جائے اس خود رائی نے سارے سماج کے اندر نراج کی کیفیت پیدا کر دی ہے اور ہر شخص اپنی غرض کا بندہ بنکر رہ گیا ہے کوئی ایسی درمیانی شخصیت باقی نہیں رہ گئی ہے جس کا حکم آخری حکم ہو۔ اور جس کے حوالے سے ہر ایک کو خاموش کیا جا سکے آدمی اپنے حق خود مختاری سے صرف وہاں دستبردار ہوتا ہے۔ جہاں اپنے سے بڑے خداوند کا مقابلہ ہو۔ ورنہ عام حالات میں وہ یہی سمجھتا ہے کہ اس کو حق حاصل ہے کہ جو چاہے کرے کوئی اس کے اوپر روک ٹوک کرنے والا نہیں ہے اس کو مجبور کیا جا سکتا ہے منوایا نہیں جا سکتا آدمی کو غلط طرز عمل

(باقی صفحہ ۵۸ پر)

سچّی عید

الحمدللہ کہ وہ مبارک مہینہ آگیا جس کے بعد عید آئیگی ورسب بچے بوڑھے خوش ہوں گے لیکن سچی عید اُنہی کی ہوگی جنھوں نے رمضان المبارک کے روزے ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے ہوں گے اور اللہ سے قریب ہوگئے ہوں گے۔ پھر یہ عید اُن لوگوں کی ہے جنھوں نے اس ماہ مبارک میں سچی توبہ کی ہوگی اور خدا اور خلق کے جو حقوق ان کے ذمہ تھے ان کو ادا کرنے کی پوری کوشش کی ہوگی۔ نماز روزہ بھی خدا کے فضل اور اس کی دی ہوئی توفیق کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ لیکن خلق خدا کے حقوق ادا کرنے کے لئے بھی خالق سے خاص کوششوں اور محنت کی ضرورت ہے یہ بھی اسی کے فضل وکرم کے بغیر ہرگز ادا نہیں ہوسکتے جو ان کو ادا کررہا ہے وہ خدا کا شکر گذار ہو کہ اس نے اس کی توفیق دیدی اور جو نہیں ادا کررہا ہے اور کرنا چاہتا ہے وہ خدا سے مدد مانگے اور اللہ کا در ایسا ہے جہاں سے کوئی محروم نہیں رہتا۔ گزشتہ شمارے میں دعا کے سلسلے میں جو کچھ شائع ہوچکا ہے کمال آدمیت کے تحت اس کو پھر تازہ کرلیا جائے اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کی جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر میں لیلۃ القدر کو پالوں تو اس میں اللہ سے کیا مانگوں"۔ تو آپ نے فرمایا تم کہو اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ (اے اللہ تو بہت معاف کرنے کو پسند کرتا ہے مجھے معاف کردے) یعنی معافی اگر مل جائے تو مومن کے لئے بڑی چیز ہے، اور اسی کی طلب اور آرزو کرنی چاہیے جو رمضان المبارک میں اس کو حاصل کرلیں گے سچی عید انہی کی ہوگی۔

زبان سے معافی مانگ لینا کافی نہیں اس کے ساتھ یہ شرط بھی لازمی ہے کہ جن جن کے حقوق ہمارے ذمہ ہیں وہ بھی ادا کئے جائیں۔ سب سے پہلے حقوق ماں کے ہیں پھر باپ کے پھر ان دونوں کے رشتہ داروں کے۔ ان میں سے اگر کسی کو ہم نے ناراض کر رکھا ہے تو ان کو راضی کرلیا جائے اور اگر وہ بلاوجہ ناراض ہیں تو بھی انھیں اپنی ملاقات اور تحفہ تحائف سے خوش کرنے کی کوشش کی جائے جو دُور ہیں ان کو خطوط کے ذریعہ سلام بھیجا جائے۔

والدین میں سسرالی والدین اور اُستاد بھی شامل

ہیں۔ جس طرح بیوی کی ماں بھی اپنی ماں ہے اس طرح شوہر
کی ماں بھی اپنی ماں ہے۔ ساس سسر کو والدین کے زمرے
سے خارج کرنا اور سسرالی بہن بھائیوں کو اپنے بہن بھائیوں
کے زمرے سے خارج کرنا ٹھیک نہیں۔ اسی طرح مشفق و مہربان
اُستادوں کو بھلا دینا بھی اللہ کو پسند نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا
ہے تمہارے تین باپ ہیں۔ ایک وہ جس کے گھر پیدا ہوئے
ایک وہ جس کے گھر بیاہے گئے۔ اور ایک وہ جس نے تعلیم دی
پھر ہمسائے ہیں ان کے ساتھ بھی تعلقات
درست رکھنا مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ ان سب کے حقوق
کو لوگ جانتے ہیں۔ خدا کرے ان کو ادا کرنے کی توفیق بھی
مل جائے۔ آمین۔

بہنوں کے لئے تحفے

رمضان المبارک کی خوشی میں ہم اپنی بہنوں کی خدمت
میں چند تحفے پیش کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ وہ ان کو پسند کریں گی
اور یہ عمر بھر ان کے کام آئیں گے۔

خاموشی عبادت ہے بغیر محنت کے
ہیبت ہے بغیر سلطنت کے
قلعہ ہے بغیر دیوار کے
فتحیابی ہے بغیر ہتھیار کے
آرام ہے کراماً کاتبین کا
شیوہ ہے عاجزوں کا
دبدبہ ہے حاکموں کا
مخزن ہے حکمتوں کا
جواب ہے جاہلوں کا

(امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ)

ابن ابی حاتم نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جو شخص چاہتا ہے کہ سب انسانوں سے طاقتور ہو جائے،

پانچ چیزیں پانچ چیزوں میں

(حدیث قدسی)

میں نے پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں میں رکھ دیا ہے
لوگ ان کے علاوہ اور چیزوں میں انہیں تلاش کرتے ہیں۔ بھلا
وہ کیسے پائیں گے؟

(۱) میں نے آرام کو جنت میں رکھ دیا ہے لوگ اسے
دنیا میں تلاش کرتے ہیں۔۔۔ بھلا وہ کیسے پائیں گے؟

(۲) میں نے علم و حکمت کو بھوک میں رکھ دیا ہے
لوگ اسے سیری میں تلاش کرتے ہیں۔۔ بھلا وہ کیسے پائیں گے؟

(۳) میں نے تونگری کو قناعت میں رکھ دیا ہے لوگ
اُسے مال میں تلاش کرتے ہیں۔۔۔ بھلا وہ کیسے پائیں گے؟

(۴) میں نے عزت کو اپنی اطاعت میں رکھ دیا ہے
لوگ اسے بادشاہوں کے دروازوں پر تلاش کرتے ہیں۔
۔۔۔ بھلا وہ کیسے پائیں گے؟

(۵) میں نے اپنی رضا کو نفس کی مخالفت میں
رکھ دیا ہے۔ لوگ اسے نفس کی موافقت میں تلاش کرتے ہیں۔

اگر بہنیں اپنے رشتہ داروں ہمسایوں اور ملنے والوں
تک بھی یہ تحفے پہنچا سکیں تو انشاءاللہ انھیں کچھ کمی نہیں آئیگی۔
اے اللہ! ہم سب کو اپنا بندے بنا۔ ہماری عید
بھی ہے۔ (ماخوذ)

اُسے چاہیے کہ اللہ پر توکل کرے۔
جو شخص چاہتا ہو کہ سب سے بڑھ کر غنی ہو جائے اُسے
چاہیے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس پر زیادہ بھروسہ رکھے۔
بہ نسبت اس چیز کے جو اُس کے اپنے ہاتھ میں ہے اور
جو شخص چاہتا ہو کہ سب سے زیادہ عزت والا ہو جائے
اُسے چاہیے کہ اللہ عزوجل سے ڈرے۔"

رمضان المبارک کی تیاری

رمضان المبارک کی تیاری

الحمدللہ۔ کہ ہم پھر ایک مرتبہ اس ماہ معظم تک آپہنچے جو رمضان المبارک کی خوشی پیش کر رہا ہے اور چند دنوں تک ہم انشاءاللہ اس ماہ عظیم میں داخل ہوجائیں گے جس میں جنت کے دروازے کھل جائیں گے اور دوزخ کے دروازے بند ہوجائیں گے۔

رمضان ہمارے سامنے جو پیغام پیش کرتا ہے وہ پورے قرآن میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ مہینہ اسی پیغام کو اچھی طرح سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی مشق کا مہینہ ہے۔

قرآن کا پیغام کیا ہے۔ یہ صرف قرآن ختم کرنے سے نہیں، بلکہ قرآن کو اچھی طرح سمجھنے اور اس کی ایک ایک آیت پر عمل شروع کر دینے سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کی تلاوت بڑا ثواب ہے اس کے ہر حرف پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ لیکن تلاوت کی اصل غرض جنت کا حصول اور دوزخ سے نجات ہے۔ اور جب تک قرآن کا ترجمہ اور تفسیر سنی، پڑھی نہ جائے یہ کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ کن کاموں سے آدمی جنت میں جائے گا اور کن کاموں سے دوزخ میں؟ پھر قرآن ہی کافی نہیں اس کو سمجھنے کے لئے کچھ نہ کچھ حدیث اور سیرت النبی کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ ورنہ یہ معلوم کرنا بڑا مشکل ہے کہ قرآن پر عمل کس طرح کیا جائے اور کن حالات میں کیا طرز عمل اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

جن گھروں میں روزے رکھے جائیں گے انشاءاللہ انھیں کھانے پینے کی طرف سے کچھ نہ کچھ فراغت ضرور حاصل ہوجائے گی۔ اگر یہ فرصت اور فراغت قرآن و حدیث کے مطالعہ کے لئے وقف کر دی جائے اور ارادہ یہ ہو کہ اللہ رسول کے احکام کی تعمیل بھی کریں گے تو خدا ہماری مدد فرمائے گا اور ہم رمضان کے بعد ایمانی اور اخلاقی لحاظ سے یقیناً بہت بہتر ہوجائیں گے۔

اپنی فکر

رمضان نیکیوں کا موسم بہار ہے۔ ہر شخص کی طبیعت نیکی کی طرف مائل ہوتی ہے اور بالعموم خواتین قرآن و حدیث سننے پر پہلے سے زیادہ مائل ہوجاتی ہیں۔ ان کی اس پیاس کی تسکین کا سامان کیجئے، لیکن اپنی فکر نہ بھولئے۔ ہمیں جو کچھ ملے گا اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا، اور اعمال سے بھی

زیادہ نیت کا۔ اپنی نیت صرف خدا کو راضی کرنے کی رہے اور اس میں کوئی آمیزش نہ ہونے پائے۔ تو ساری اجتماعی تگ و دو بھی مفید ہے۔ اور اگر مقصود صرف دنیا کی اصلاح رہ جائے تو پھر خطرہ ہے کہ کہیں اپنا پلڑا ہلکا نہ ہو جائے، زیادہ سے زیادہ مطالعہ اسی نیت سے کیجئے کہ مجھے اس پر عمل کرنا، مجھے دوزخ سے بچنا اور جنت میں پہنچنا ہے۔ اور یہ مقصد صرف اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ اپنے حقوق کے لئے لڑائی جھگڑا کرنے کی نسبت دوسروں کے حقوق پہچاننے اور ان کو ادا کرنے کی تگ و دو کی جائے۔ یہ مہینہ مہربانی محبت اور ایثار و قربانی کا مہینہ ہے۔ اسی مہینے میں ان نو (۹) باتوں پر صرف عمل کیا جائے جن کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے رب نے مجھے ۹ چیزوں کا حکم دیا ہے:۔

۱۔ کھلے اور چھپے ہر حال میں خدا سے ڈرتا ہوں۔
۲۔ کسی پر مہربان ہوں یا کسی کے خلاف غصہ میں ہوں، دونوں حالتوں میں انصاف ہی کی بات کہوں۔
۳۔ خواہ فقیری کی حالت میں ہوں یا امیری کی حالت میں، بہرحال راستی و اعتدال پر قائم رہوں۔
۴۔ اور یہ کہ جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں۔
۵۔ اور جو مجھے محروم کرے میں اُسے دوں۔
۶۔ اور جو مجھ پر زیادتی کرے میں اُسے معاف کردوں۔
۷۔ اور یہ کہ میری خاموشی تفکر کی خاموشی ہو۔
۸۔ اور میری گفتگو ذکر الٰہی کی گفتگو ہو۔
۹۔ اور میری نگاہ عبرت کی نگاہ ہو۔

ان اوصاف مطلوبہ کا ذکر کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ نیکی کا حکم دوں اور بدی سے روکوں۔

ماؤں کی آرزو

نیک ماؤں کی سب سے بڑی آرزو یہی ہوتی ہے کہ اُن کے بچے نیک ہوں، ان سے بھی زیادہ نیک۔ اگر وہ گھر کے اندر اور اپنے عزیزوں، ملنے والوں کے حلقے میں اس حدیث پر خلوص دل سے عمل کرتی ہیں اور اس لئے عمل کرتی ہیں کہ اللہ اس سے راضی ہوگا، تو یقیناً بچے بھی آپ کی ریس کریں گے۔ پہلے نقل سے اور پھر عقل سے اسلام کی پیروی کریں گے۔ انشاء اللہ

پانچ سے پہلے پانچ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ پانچ حالتوں کو دوسری پانچ حالتوں کے آنے سے پہلے غنیمت جانو۔

غنیمت جانو جوانی کو بڑھاپے کے آنے سے پہلے۔ غنیمت جانو تندرستی کو بیمار ہونے سے پہلے۔ غنیمت جانو خوشحالی اور فراخ دستی کو ناداری اور تنگ دستی سے پہلے۔ غنیمت جانو فرصت اور فراغت کو مشغولیت سے پہلے اور غنیمت جانو زندگی کو موت سے پہلے۔ (ترمذی)

بقیہ ام عمارہ (صفحہ ۹۵ سے آگے)

اُحد کا معرکہ ختم ہوا مسلمان کافروں کا دور تک پیچھا کرکے آئے۔ ام عمارہ بھی گھر آئیں۔ ان کے کندھے پر گہرا زخم آیا تھا جو کہیں سال بھر میں جا کر اچھا ہوا لیکن زندگی بھر اس جگہ ایک گڑھا سا رہا۔ آپ کے بچے اور پوتے اس سے کھیلتے اور فخر کرتے۔ ام عمارہ بھی اپنی قسمت پر ناز کرتیں ان کی غیر معمولی جرأت اور بہادری کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سراہا۔ ارشاد ہوا۔ قیامت میں ام عمارہ رضی اس طرح میرے پاس رہیں گی جیسے میدان احد میں!

عید سے پہلے

آج گیارہواں روزہ تھا سردی میں وہ شدت اور تیزی تو باقی نہ تھی مگر پھر بھی کافی ٹھنڈ ہوتی تھی۔ صفیہ صبح کے کام سے فارغ ہو کر باہر انگنائی میں نکل آئی۔ دھوپ کے رخ ایک پلنگ بچھا تھا۔ اس پر وہ آکے ٹک گئی۔ دھوپ تیز معلوم ہوئی تو سر سے پیلے رنگ کی گرم چادر اتار کر اس طرف رکھ دی۔ اس کے بعد بھی گرمی محسوس ہوئی تو سوئٹر بھی اتار دیا۔ اور آخر کار پلنگ دھوپ سے ہٹا کر سائے میں لانا پڑا۔ اور اصل وہ سوچنا چاہ رہی تھی کہ اس فرصت کے وقت میں کونسا کام کرے۔ ظہر کے وقت تک اسے فرصت تھی۔ ظہر کے بعد تو اسے کھانا پکانے میں لگنا ہوگا۔ سلائی بھی اس کے پاس خاصی جمع ہو گئی تھی۔ رمضان میں پڑھنا اور سینا خوب ہوتا ہے۔ پکانے کا دھندا کم ہو جاتا ہے نا۔ اس نے سکینہ کو آواز دے کر مشین اور اپنے سینے کی پٹلیا منگائی۔ تیز دھوپ میں بیٹھنے سے بری اکساہٹ محسوس ہو رہی تھی سکینہ نے سب چیزیں لا کر سامنے رکھ دیں۔ اس نے ان چیزوں پر ایک اچٹتی سی نگاہ تو ڈالی مگر مشین اس کی توجہ جذب نہ کر سکی۔ وہ کسی اور ہی ادھیڑ بن میں لگی ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کے پاؤں پھیلتے چلے گئے پھر پٹلیا پہ سر رکھ کر لیٹ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ تو اپنے بچوں کے عید کے کپڑے سی رہی ہے مگر محلے میں جو چند غریب گھر ہیں، ان کے بچوں کے کپڑوں کا وہ کس طرح انتظام کرے وہ زیادہ سے زیادہ ایک بچہ کے لئے کپڑے بنا سکتی ہے مگر ایک کو کپڑے مل گئے تو باقیوں کا کیا ہوگا۔ اگر وہ سب کا انتظام نہ کر سکے تو کیا ایک کا بھی نہ کرے اس کا مطلب تھا کہ وہ اس بے حسی اور بے دردی کو گوارا کرے۔ محلے کے زیادہ گھر غربت اور افلاس کے جنگل میں تھے۔ اس افلاس اور زبوں حالی کا دن رات مشاہدہ کرتے کرتے کھاتے پیتے گھرانوں کے لوگوں میں ایک بے حسی سرایت کر گئی تھی کہ جیسے خدا نے ان غریب لوگوں کی قسمت میں افلاس لکھ دیا ہے اور ان پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ صفیہ سمجھتی تھی کہ اس کی ذمہ داری ہے اور یہ بھی کہ صرف ایک کا انتظام نہیں بلکہ اگر ممکن ہو تو سب کا انتظام کرے اور اس طرح نہیں

کہ ایک بچے کے لئے کپڑے بنا کر اپنے آپ کو بے انتظام فرض کرے۔ مگر کس طرح؟

مگر کس طرح؟

یہ سوال ہتھوڑے کی طرح اس کے دماغ پر ضربیں لگانے لگا۔ وہ گھبرا کر سینا لپیٹی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس الجھن کا کوئی حل نہیں مل سکتا۔ انسان اتنا مجبور اور بے بس تو نہیں کہ وہ کوئی کام کرنا چاہے اور نہ کر سکے اس کا وہ تمام دن اسی الجھن اور پریشانی میں گزرا۔ وہ کچھ سی بھی نہ سکی ظہر کے بعد وہ کپڑے اور مشین جوں کی توں اندر اٹھا کر رکھ دی۔ اور رات کو اس نے بچوں سے بات کی کہ شاید وہی کچھ ترکیب بتا سکیں۔ بات چیت کے دوران ممکن ہے کوئی ایسا دھیان سوجھ جائے جو کارآمد ہو۔ مگر بے چارے بچے کیا بتاتے۔

شام کو اس کا میاں دفتر سے آیا۔ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر جب سب لوگ اکٹھے بیٹھے تو صغیر نے بیوی کا سے پوچھا کہ عید تو قریب آرہی ہے سارے خرچ کا اندازہ کر کے بتاؤ کہ کچھ انتظام کروں۔ یہ سن کر صفیہ سوچ میں پڑ گئی۔ سال کے سال تو عید کا ایک تہوار آتا ہے جی چاہتا ہے کہ اس خوشی کو خوشی کی طرح منائیں مگر یہ خوشی بھی اپنی قیمت وصول کرتی ہے اس خوشی کے لئے روپیہ فراہم کرنا مسئلہ بن جاتا ہے۔ بچے نئے کپڑے نئے جوتے مانگتے ہیں۔ ملنے جلنے والوں کی خاطر تواضع کا انتظام کرنا پڑتا ہے دو چار چھوٹے موٹے تحفے دینے کو جی چاہتا ہے رشتہ دار بچوں کو عیدی بھی دینی ہوتی۔ وہ صغیر کو کیا بتاتی کہ کتنے اخراجات ہیں اور کتنا روپے چاہیئے اسے خاموش دیکھ کر صغیر نے پھر کہا۔

کس سوچ میں پڑ گئیں میری بات کا جواب نہیں دیا؟

"عام بچوں کا [illegible] ہر عید پر بہت سے [illegible] کیا بنا ؤں کیا چھوڑوں۔ بچوں کے کپڑے کا [illegible] انتظام ہے [illegible] کے خیال سے ایک ایک دو دو [illegible] رہی اندازاً رکھی تھی بس جوتے آئیں گے اور لڑکیاں مہندی چوڑیوں کا پیرا نے مانگیں گی۔ صفیہ نے رک کر کہا۔

"یہ سب تو بھی ہوتا ہی ہے بچے تو اپنی پوری منائیں گے۔ یہ بتاؤ عید کے دن کیا کیا پکاؤ گی شام کے وقت دو دوستوں کو بلانا چاہتا ہوں اور فطرہ بھی نکالنا ہوگا اس کے کتنے پیسے بنیں گے؟

دودھ سویاں تو ہوتی ہی ہیں اور جو آپ کہیں کو جائیگا۔ اس کا کیا ہے فطرہ کے پانچ روپے بنتے ہیں پندرہ بیس روپیوں کی اس کے علاوہ بھی ضرورت ہو اور ایک بات اور تھی۔"

"ہاں وہ بات کیا ہے وہ بھی بتا دو" صغیر آج بہت خوش تھا۔ وہ اچھی طرح عید منانے کی فکر میں تھا

اپنے محلہ میں بہت سے غریب بچے ہیں عید پر ایک بچے کو تو کم سے کم نئے کپڑے بنا دیتی۔ اگر آپ کے پاس اتنی گنجائش ہو ورنہ کوئی اور تدبیر سوچوں۔"

اب صغیر کے سوچ میں جانے کی باری تھی سر ذرا سا پیچھے چلا گیا۔ پتلیاں پھیل سی گئیں۔ وہ ایک نیک طینت شخص تھا۔ اچھا خاوند اور اچھا باپ، اپنے بال بچوں کے علاوہ کسی شئے سے اسے خاص دلچسپی نہ تھی تھوڑی سی کمائی تھی آپس کے اتحاد و اتفاق کی برکت تھی اطمینان سے گزر بسر ہو جاتی تھی۔ کچھ صفیہ کی سلیقہ مندی تھی کہ گھر کا اجالا دکھائی دیتا تھا۔ پانچ بچوں کا مختصر سا کنبہ۔ دو بڑے لڑکے پڑھنے جاتے۔ اور چھوٹے تین ابھی گھر پر [illegible]

...خاموش کر دیا۔

یہ کوئی ایسی بات تو نہیں کہ ایسی خوشی کے موقع پر ہم اپنے
وں کے ساتھ ایک غریب بچہ کا بھی خیال کریں۔ مگر اس دنیا میں
یسہ فراہم کرنا بڑا ہی مشکل کام ہے جو کماتا ہوں تمہیں ہی لاکر
یتا ہوں پھر بھی کسیوں ضرورتیں ٹلتی ہی چلی جاتی ہیں۔ میں نے
یک چھوٹی سی کمیٹی ڈال تھی اور یہ وعدہ لیا تھا کہ پندرہویں
ز مجھے کمیٹی ملے۔ سوچا تھا مدت سے تمہارا کوئی کپڑا میں نے
ہیں بنایا۔ عید پر تمہارے لئے اور اپنے لئے نئے کپڑے
اؤں گا۔ پھر اوپر کا خرچ نکل آئے گا۔ سو روپیہ ہے میرے
س۔ اس میں کیا کیا ہوگا۔ تم خود دیکھ لو۔ یا اس وقت یہ خیال
توی کر دو پھر بنا دینا۔ بچے تو یہیں ہیں۔"

"یہ بات تو ٹھیک ہے مگر بچوں کو خوشی تو عید پر ہی ہوتی ہے۔"

"اچھا تو ایسے کرو۔ فطرہ کے پیسوں میں کپڑے بنا دو۔ فطرہ بھی تو غریبوں کا حق ہے۔ یہ رقم بھی تو کسی غریب ہی کو دی جائے گی۔"

صفیہ کو جیسے وہ تدبیر سوجھ گئی جس کی تلاش میں تھی اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

ہاں یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔ پانچ روپیہ میں آسانی سے بچہ کے دو تین کپڑے آ سکتے ہیں۔ مگر کیا فطرہ اس طرح خرچ کیا جا سکتا ہے؟"

یہ کوئی فکر کی بات نہیں میں مولوی صاحب سے پوچھ لوں گا۔ ورنہ جمیل صاحب سے معلوم کر لوں گا وہ بڑے دیندار آدمی ہیں۔ دن رات ان کو اسلام کی دھن ہے اپنے محلے کے سب آدمی ان سے مسائل پوچھتے رہتے ہیں۔"

"اچھا آپ یہ بات جلد ہی پوچھ کر بتائیے گا۔"

صفیہ نے اطمینان سے کہا۔ اسے اپنی طبیعت اس وقت بڑی ہلکی محسوس ہو رہی تھی۔ جیسے ایک بوجھ اتر گیا جب صفیہ نے اسے بتایا کہ جمیل صاحب کہتے ہیں کہ کپڑے بنا کر دینے میں کچھ حرج نہیں۔ اور اب صفیہ نے سوچا کہ اب تو صرف ایک بچے کو نئے کپڑے نہیں ملیں گے بلکہ بہت سے بچوں کو مل سکیں گے۔ اب اسے یہ فکر لگی ہوئی ہے کہ یہ بات محلہ کی دوسری عورتوں تک کیسے پہنچائے۔ ایک دو عورتیں اس کی ہم رائے ہو گئیں تو کام آسان ہو جائیگا تب اسے خیال آیا۔ یہ نیکیوں کا مہینہ ہے سب کے دل نیکیوں کی طرف مائل ہوتے ہیں اور ہر شخص اپنی جگہ کچھ نہ کچھ نیکی کما لینے کی فکر میں ہوتا ہے کسی نیک کام کے سلسلہ میں کچھ عورتیں اکٹھی ہو جائیں تو بات بن جائے گی اس نے اپنے بچوں کے ذریعہ دو چار رشتہ داروں کے گھر پیغام بھیجا کہ فلاں روز آپ ان کے گھر آیئے اور دو چار محلہ کی بھی عورتوں سے بھی کہا۔ جن سے اس کا زیادہ میل جول تھا چنانچہ مقررہ دن اس کے گھر دس پندرہ عورتیں جمع ہو گئیں۔

اس نے ان کو بتایا کہ اس نے ان سب کو اس لئے جمع کیا ہے کہ یہ رمضان کا مہینہ ہے سب لوگ اپنے اپنے گھر روز ہی کلام پاک پڑھتے ہیں آج سب مل کر پڑھیں مل کر نیک کام کرنے کا بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے ان سب کو صفیہ کی بات پسند آئی۔ مگر انہوں نے کہا پھر تم ختم دلوانے کا ہی انتظام کر لیتیں۔

صفیہ بولی "پھر تو یہ کام ایک رسم کی صورت میں ہوتا ہم نے ہر نیکی کو رسم بنا لیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نیکی کرنا بھاری بوجھ بن گیا۔ جب تک ساری رسمیں پوری نہ کی جائیں کوئی شخص ایک نیک کام کرنے کی ہمت ہی نہیں کر سکتا۔" وہ عورتیں کہنے لگیں۔ کہتی تو ٹھیک ہو۔ مگر پھر لوگ مذاق بنا

[illegible]
[illegible] نا طریقہ فرض [illegible]
[illegible] کیا ہوا ہے۔"

صفیہ نے مسکرا کر کہا۔ "میں نے تو کچھ کھانے پینے کا انتظام نہیں کیا۔ آپ لوگوں کو سوکھا ٹالا جا رہا ہے کیا آپ لوگ بھی میرا مذاق اڑائیں گی؟"

سب عورتیں صفیہ کی براہِ راست بات سن کر ایک دم گھبرا گئیں۔ ممکن ہے ان کا گھر جا کر اس کی ہنسی اڑانے کا ارادہ ہو مگر صفیہ نے اچانک پکڑا۔ اور وہ اس کے لئے تیار نہ تھیں ان میں سے اس کی ایک پڑوسن بولی۔

"ہم کیوں مذاق اڑانے لگے بلکہ ایک روز تمہاری طرح میں بھی سب کو بلاؤں گی۔"

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔" دوسری بولی۔

"واقعی جب تک پانچ دس روپیہ کا تبرک نہ ہو کوئی گھر میں بلا کر قرآن شریف پڑھوا ہی نہیں سکتا۔"

خیر ایسی ہی چند باتوں کے بعد سب نے تھوڑا تھوڑا پڑھا۔ پھر ایک خاتون نے اپنے گھر سے اسلام کی ایک کتاب منگوائی اور اس میں سے کچھ پڑھ کر سنایا۔ تب ایک لڑکی نے بھی اپنے گھر سے ایک رسالہ منگوا لیا۔ اس نے بھی اس میں سے پڑھا۔ سب عورتوں نے اس نئے طریقہ کی مجلس کو خاصا پسند کیا۔ صفیہ کو ایسی صورت سے پہلے تو سابقہ پیش نہ آیا تھا وہ برابر اسی سوچ میں تھی کہ بات کس طرح شروع کرے آخر وہ اپنی ایک رشتہ دار کی بہن سے پوچھنے لگی کہ وہ فطرہ کہاں دیتی ہے۔ وہ بہن بولی۔ "اور کہاں دیا جاتا ہے مانگنے والے کچھ تھوڑے ہیں ان کو دیتے دیتے تو خزانہ خالی ہو جائیں اور ان کا پیٹ نہ بھرے۔" یہ بات ساتھ بیٹھی ہوئی ناہید کے کان میں پڑی۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
ان کے جلیبے کھاتے رہتے ہیں۔"

صفیہ نے دیکھا بات فقیروں کی طرف چلی گئی۔

"پھر یہ ہمارا ہی قصور ہوا۔ ملک کا [illegible] کے نامناسب خرچ کا نتیجہ۔ فطرہ پیشہ ور بھیک منگوں کے لئے تو مقرر نہیں کیا گیا میرا دل تو نہیں مانتا۔ کہ اپنے فطرے اس طرح خرچ کئے جائیں۔ محنت کی کمائی کو کوڑھ پر پھیلانے میں کیا فائدہ ملتا ہے۔"

"تم تو عجیب بات کہہ رہی ہو بہن۔ فطرہ فرض بھی ہو اور کسی کو دینا بھی ہوا گھر تو نہیں رکھ سکتے۔ پھر کیسے دیں ہمارے مرد عیدگاہ جاتے ہوئے فطرے کے پیسے رومال باندھ ساتھ لے جاتے ہیں۔ راستے میں جو غریب فقیر ملا دیتے گئے۔ ہمیشہ سے یہی دستور چلا آرہا ہے آج کیا نئی بات پیدا ہو گئی۔"

جمیلہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا اور داد طلب نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ صفیہ کو اپنا مقصد بیان کرنا اور بھی دشوار نظر آنے لگا۔ مگر اس نے سوچا جو ہو سو ہو وہ اپنی بات ضرور کہہ ڈالے گی۔ دو نے ناپسند کیا تو شاید دو سارا دینے کو بھی تیار ہو جائیں۔

"بات یہ ہے کہ فطرہ کا یہ استعمال میرے دل کو نہ لگتا۔ میں نے تو یہ سوچا ہے کہ بجائے پیسہ پیسہ فقیروں کو بانٹنے کے ان پیسوں میں محلہ کے کسی غریب بچے کو کپڑے بنوا دوں۔ لیکن اس طرح صرف ایک بچہ کو کپڑے ملیں گے اگر ہم سب یہ ارادہ کر لیں تو بہت سے بچوں کو کپڑے بنا سکیں گے اور یہ فطرہ کی رقم کا بہتر استعمال ہوگا۔"

سب [illegible] خاموش ہو کر سوچا۔ پھر
ایک بہن نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"خیال تو اچھا ہے کہ سب اس طرح سوچیں تو فائدہ ہو۔ ہم لوگ تو اپنی جگہ کچھ کریں۔ آہستہ آہستہ اور لوگ بھی سوچنا شروع کر دیں گے۔ صفیہ نے حوصلہ پا کر کہا۔

صفیہ کی دو رشتہ دار بہنوں نے اپنی تعاون کا وعدہ کر کے گویا بحث ختم کر دی۔ پہلے ان دونوں نے آپس میں کچھ سرگوشی کی پھر ایک بولی۔

"بھئی سیدھی بات یہ ہے کہ ہمیں تو گھر کے دھندوں میں کچھ ہوش رہتا نہیں۔ اپنے ہی کام پڑے جھینکتے رہتے ہیں۔ ہم تو دونوں اپنے پیسے تمہیں دے دیں گے جہاں تم اپنی طرف سے کپڑے وغیرہ خرید کر دو گی ہمارے لئے بھی دے دینا۔

"پھر آپ کرم ہے کہ ہفتہ بھر پہلے پیسے بھجوا دیجئے گا۔ ورنہ میں خود منگا لوں گی۔ صفیہ نے مسکرا کر کہا۔

ہاں بالکل کہہ جو دیا آپ سے۔

یہ بات چیت سن کر چلو پانچ دوسری عورتوں نے بھی سوچا کہ فطرہ کی ادائیگی تو لازمی ہے۔ ہم بانٹنے کے جھنجھٹ میں کہاں پڑیں۔ ہم بھی اپنا فطرہ بہن صفیہ کے یہاں بھیج دیں گے۔ چنانچہ ان سب نے بھی وعدہ کر لیا۔

"لیکن بہن ایک بات کا خیال رکھئے گا۔ شاید ہم میں سے کوئی ہفتہ بھر پہلے فطرہ نہ نکال سکے آپ خیال نہ کیجئے گا۔ آپ جانتی ہیں گھروں کے حالات کیسے ہوتے ہیں مگر ہم دیں گے ضرور اور آپ ہی کو دیں گے۔

"آپ سب نے تو مجھ پر بھی ذمہ داری ڈال دی، دعا کیجئے کام اچھی طرح ہو جائے اور آپ لوگوں کے سامنے سرخرو ہو سکوں۔"

ایک بی بی جو دیر سے خاموش بیٹھیں یہ گفتگو دلچسپی سے سن رہی تھیں ان سے بھی اب زیادہ دیر خاموش نہیں رہا گیا۔

"میرا بھی دل چاہتا ہے کہ اس نیک کام میں آپ کا ساتھ دیتی۔ مگر ہمارے یہاں تو ایسے کاموں میں مردوں ہی کی مرضی چلتی ہے اس لئے مجبوری ہے۔

ناہید کی امی نے کہا۔

مجبوری کی بات تو دوسری ہے لیکن آپ اپنے میاں سے تو کہہ سکتی ہیں ان کو ساری بات بتا دیکھئے اگر ان کی سمجھ میں آ جائے تو آپ بھی فقیروں کے ہاتھ پر آنہ دو آنہ رکھنے کی بجائے کوئی اچھا مصرف ڈھونڈ لیجئے۔

وہی بی بی بولیں۔

"چلو یہ تو ہوا۔ مگر فقیر فقرا جو جان کو آئیں گے ان کو کیا دیں گے۔

ناہید کی امی ہی نے اس بات کا بھی دیا۔

چار چھ آنے ان کے نام کے بھی یونہی ویسے غلط بخشش کر کرکے ہم ہی نے تو ان کو اپنے پیچھے لگا لیا ہے۔ ان کو دینے کا فائدہ کیا۔

جمیلہ جلدی سے بولیں۔

"ان ڈھول ڈھپڑے والوں کو تو آپ بھول ہی گئیں وہ تو عید کی صبح ہی دروازوں پر آ کر کان کے پردے پھاڑنے شروع کر دیں گے۔ یہ سارا لین دین لوگ فطرہ ہی سے تو کرتے ہیں۔

ناہید کی امی نے کہا پھر۔

اگر یہ فطرہ بہن صفیہ کے بتائے ہوئے طریقہ پر خرچ کریں تو ان سب کا کیا حال کیسے ہوگا۔"

[illegible] ہیں۔ [illegible] قرآن [illegible] بھی [illegible] تو عجیب [illegible] فطرہ [illegible] کہیں کی ہوتا ہے۔

صفیہ نے مسکرا کر کہا۔ میں نے تو کچھ کھانے پینے کا انتظام نہیں کیا۔ آپ لوگوں کو صرف بلایا ہے کیا آپ لوگ میرا مذاق اڑائیں گی؟

سب عورتیں صفیہ کی براہِ راست بات سن کر ایکدم گھبرا گئیں۔ ممکن ہے ان کا گھر جا کر اس کی ہنسی اڑانے کا ارادہ ہو مگر صفیہ نے اچانک پکڑ لیا۔ اور وہ اس کے لئے تیار نہ تھیں ان میں سے اس کی ایک پڑوسن بولی۔

"ہم کیوں مذاق اڑانے لگے بلکہ ایک روز تمہاری طرح میں بھی سب کو بلاؤں گی۔"

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔" دوسری بولی۔

"واقعی جب تک پانچ دس روپیہ کا تبرک نہ ہو کوئی گھر میں بلا کر قرآن شریف پڑھوا ہی نہیں سکتا۔"

خیر ایسی ہی چند باتوں کے بعد سب نے تھوڑا تھوڑا پڑھا۔ پھر ایک خاتون نے اپنے گھر سے اسلام کی ایک کتاب منگوائی اور اس میں سے کچھ پڑھ کر سنایا۔ تب ایک لڑکی نے بھی اپنے گھر سے ایک رسالہ منگوا لیا۔ اس نے بھی اس میں سے پڑھا۔ سب عورتوں نے اس نئے طریقہ کی مجلس کو خاصا پسند کیا۔ صفیہ کو ایسی صورت سے پہلے تو سابقہ پیش نہ آیا تھا وہ برابر اسی سوچ میں تھی کہ بات کس طرح شروع کرے آخر وہ اپنی ایک رشتہ دار کی بہن سے پوچھنے لگی کہ وہ فطرہ کہاں دیتی ہے۔ وہ بہن بولی "اور کہاں دینا تھا مانگنے والے کچھ تھوڑے ہیں ان کو دیتے دیتے تو خزانہ خالی ہو جائیں اور ان کا پیٹ نہ بھرے۔" یہ بات ساتھ بیٹھی ہوئی ناہید کے کان میں پڑی۔

[illegible] کرنے [illegible] ان سے جھگڑے کرتے رہتے ہیں۔

صفیہ نے دیکھا بات فقیروں کی طرف چلی گئی۔

"پھر یہ ہمارا ہی قصور ہوا۔ پاک کمائی کے نامناسب خرچ کا نتیجہ۔ فطرہ پیشہ ور بھیک منگوں کے لئے تو مقرر نہیں کیا گیا میرا دل تو نہیں مانتا۔ کہ اپنے فطرے اس طرح خرچ کئے جائیں۔ محنت کی کمائی کو کوڑے کی طرح بکھیرنے میں کیا ثواب ملتا ہے؟"

"تم تو عجیب بات کہہ رہی ہو بہن۔ فطرہ فرض کیا ہوا۔ اور کسی کو دینا بھی ہوا گھر تو نہیں رکھ سکتے۔ پھر کیسے دیں، ہمارے مرد عیدگاہ جاتے ہوئے فطرے کے پیسے رومال میں باندھ ساتھ لے جاتے ہیں۔ راستے میں جو غریب فقیر ملا دیتے گئے۔ ہمیشہ سے یہی دستور چلا آرہا ہے آج کیا نئی بات پیدا ہو گئی؟"

جمیلہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا اور داد طلب نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ صفیہ کو اپنا مقصد بیان کرنا اور بھی دشوار نظر آنے لگا۔ مگر اس نے سوچا جو ہو سو ہو وہ اپنی بات ضرور کہہ ڈالے گی۔ ڈر تھا ناپسند کیا تو شاید وہ ساتھ دینے کو بھی تیار ہو جائیں۔

"بات یہ ہے کہ فطرہ کا یہ استعمال میرے دل کو نہیں لگتا۔ میں نے تو یہ سوچا ہے کہ بجائے پیسہ پیسہ فقیروں میں بانٹنے کے ان پیسوں سے محلہ کے کسی غریب بچے کو کپڑے بنوا دوں۔ لیکن اس طرح صرف ایک بچہ کو کپڑے ملیں گے اگر ہم سب یہ ارادہ کر لیں تو بہت سے بچوں کو کپڑے مل سکیں گے اور یہ فطرہ کی رقم کا بہتر استعمال ہوگا۔"

[illegible] سوچتی رہیں پھر ایک بہن نے اپنا خیال ظاہر کیا۔
"خیال تو اچھا ہے کہ سب اس طرح سوچیں تو فائدہ ہو۔ ہم لوگ تو اپنی جگہ پھر کریں۔ آہستہ آہستہ اور لوگ بھی سوچنا شروع کر دیں گے۔ صفیہ نے حوصلہ پا کر کہا۔"
صفیہ کی دو رشتہ دار بہنوں نے اپنی تعاون کا وعدہ کرکے گویا بحث ختم کر دی۔ پہلے ان دونوں نے آپس میں کچھ سرگوشی کی پھر ایک بولی۔
"بھئی سیدھی بات یہ ہے کہ ہمیں تو گھر کے دھندوں میں کچھ ہوش رہتا نہیں۔ اپنے ہی کام پڑے جھینکتے رہتے ہیں۔ ہم تو دونوں اپنے پیسے تمہیں دے دیں گے جہاں تم اپنی طرف سے کپڑے وغیرہ خرید کر دو گی ہمارے لئے بھی دے دینا۔
"پھر آپ کم سے کم ہفتہ بھر پہلے پیسے بھجوا دیجئے گا۔ ورنہ میں خود منگا لوں گی۔ صفیہ نے مسکرا کر کہا۔
ہاں بالکل کہہ جو دیا آپ سے۔
یہ بات چیت سن کر چلو پانچ دوسری عورتوں نے بھی سوچا کہ فطرہ کی ادائیگی تو لازمی ہے۔ ہم بانٹنے کے جھنجھٹ میں کہاں پڑیں۔ ہم بھی اپنا فطرہ بہن صفیہ کے یہاں بھیج دیں گے۔ چنانچہ ان سب نے بھی وعدہ کر لیا۔
"لیکن بہن ایک بات کا خیال رکھئے گا۔ شاید ہم میں سے کوئی ہفتہ بھر پہلے فطرہ نہ نکال سکے آپ خیال نہ کیجئے گا آپ جانتی ہیں گھروں کے حالات کیسے ہوتے ہیں مگر ہم دیں گے ضرور اور آپ ہی کو دیں گے۔
"آپ سب نے تو مجھ پہ بھی ذمہ داری ڈال دی، دعا کیجئے کام اچھی طرح ہو جائے اور آپ لوگوں کے سامنے سرخرو ہو سکوں۔"
ایک بی بی جو دیر سے خاموش بیٹھیں یہ گفتگو بھی سے سن رہی تھیں ان سے بھی اب زیادہ دیر خاموش نہیں رہا گیا۔
"میرا بھی دل چاہتا ہے کہ اس نیک کام میں آپ کا ساتھ دیتی۔ مگر ہمارے یہاں تو ایسے کاموں میں مردوں کی مرضی چلتی ہے اس لئے مجبوری ہے۔
ناہید کی امی نے کہا۔
مجبوری کی بات تو دوسری ہے لیکن آپ اپنے میاں سے تو کہہ سکتی ہیں ان کو ساری بات بتا دیجئے اگر ان کی سمجھ میں آ جائے تو آپ بھی فقیروں کے ہاتھ پر آنہ دو آنہ رکھنے کی بجائے کوئی اچھا مصرف ڈھونڈ لیجئے۔
وہی بی بی بولیں۔
"چلو یہ تو ہوا۔ مگر فقیر فقرا جو جان کو آئیں گے ان کو کیا دیں گے۔
ناہید کی امی ہی نے اس بات کا بھی دیا۔
چار چھ آنے ان کے نام کے بھی یونہی ویسے غلط بخشش کر کرکے ہم ہی نے تو ان کو اپنے پیچھے لگا لیا ہے۔ ان کو دینے کا فائدہ کیا۔
جمیلہ جلدی سے بولیں۔
"ان وصول وصولنے والوں کو تو آپ بھول ہی گئیں وہ تو عید کی صبح ہی دروازوں پر آ کر کان کے پردے پھاڑنے شروع کر دیں گے۔ یہ سارا لین دین لوگ فطرہ ہی سے تو کرتے ہیں۔
ناہید کی امی نے کہا پھر۔
اگر ہم فطرہ بہن صفیہ کے بتائے ہوئے طریقہ پر خرچ کریں تو ان سب کا بھگتان کیسے ہوگا۔"

ان لوگوں کی بات سن کر شکیلہ بیگم (صفیہ کی بھابی) آگے
کھسک آئیں۔

لیکن یہ بھی تو سوچنا چاہیئے فطرہ خرچ کرنے کا طریقہ
کوئی اسی قسم کا ٹھیک ہو سکتا ہے جیسے بتا رہی ہیں۔ عید
ہمارا ایک ہی ایسا تہوار ہے جس میں ہم روز کئی چیزوں پر
روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ کھانا پکاتے ہیں عیدی وغیرہ دیتے
ہیں۔ خوشی کے موقع پر لگے بندھے ملازموں کو بھی کچھ نہ
کچھ دیا ہی جاتا ہے۔ کیا یہ سارے خرچ فطرہ میں سے پورے
ہوتے ہیں۔ فطرہ ایک الگ شئے ہے اور جس طرح سے
شریعت میں آیا ہے اسی طرح خرچ کیا جائے گا تو فطرہ ہے
ورنہ صدقہ تو ہو سکتا ہے مگر فطرہ نہیں۔ جہاں ہم اپنے
اور دسیوں خرچ پورے کرتے ہیں۔ فقیروں اور ڈھول
والوں کا خرچ بھی الگ نکالیں۔ اور فطرہ کو فطرہ کی طرح
اور فطرہ کی جگہ خرچ کریں۔

بزرگ آدمی کی بات کچھ کہنے کا انداز بات سب
کے دل میں شاید اترتی چلی گئی۔ اس کے بعد کوئی نہیں بولی۔
جب یہ لوگ رخصت ہونے لگیں تو صفیہ نے کہا آپ
لوگ اپنے رشتہ داروں اور ملنے والوں کو بھی تیار کریں
کہ وہ بھی فطرہ کو اپنے محلہ کے مستحق لوگوں پر منظم طریقے
پر خرچ کریں۔ سب نے وعدہ کیا کہ کہنے کی حد تک تو وہ
ضرور کہیں گی۔ کون مانتا ہے کون نہیں مانتا یہ تو ان
کی مرضی۔

خدا کی قدرت رمضان کا آخری ہفتہ شروع ہوتے
ہی صفیہ کے ہاں فطرہ کی چھوٹی موٹی رقمیں پہنچنا شروع
ہو گئیں۔ صفیہ نے ایک کاغذ لے کر آئی ہوئی ساری رقمیں
لکھنا شروع کر دیں۔ ہوتے ہوتے اس کے ہاں پچیس گھروں
کا فطرہ جمع کرا دیا گیا۔ حد یہ ہے کہ چاند رات تک پیسے

[illegible] سمجھتے رہے [illegible]
کے بچوں کی فہرست بنائی پھر [illegible] معلوم
کیا۔ ان عورتوں کو بھی تعریف [illegible] غفلت
اور بے پروائی کا [illegible] عید اور
تہوار کے موقع پر ان کے کپڑے اور کھانے کا خیال کرنا
کوئی ضروری نہیں سمجھا۔ ان کو اپنے محلے سے واقفیت بھی
نہ تھی۔ اور نہ اتنا وقت تھا کہ وہ کوشش کر کے محلے کے
سارے گلی کوچے کے مستحق افراد کا حال معلوم کر سکتی۔
اس پہلو کی طرف دھیان گیا تو صرف اپنے ارد گرد ہی سے دس
پندرہ ٹھکانے اس کے علم میں آ گئے۔ اس نے محلے کی ایک عورت
کو ساتھ لے کر دس جوڑوں کا کپڑا خرید لیا۔ آخر حساب کیا تو معلوم
ہوا کہ کچھ روپیہ باقی بچتے ہیں بقیہ روپے کی اس نے چاول
اور کھانڈ منگائی اپنی فہرست دیکھ کر اس نے اندازہ کیا اور
بچوں کو کپڑے بھجوا دیئے اور عورتوں کو چاول اور کھانڈ
تقسیم کر دی۔

اسے ان دنوں میں کافی محنت اور دوڑ دھوپ کرنی پڑی
مگر محنت کس کام میں نہیں ہوتی۔ ایک نیک خیال اس کے ذہن
میں ابھرا اس نے کوشش کی اور اس کی تعبیر ڈھونڈھ لی۔
جب عید کی صبح وہ نماز کے لئے نکلی تو کئی بچوں کے
جسم پر وہی کپڑے تھے اس کا دل یہ دیکھ کر ایک عجیب
سے درد سے لبریز ہو گیا۔ اس کا مطلب ہے ان کے پاس
اور کپڑوں کا انتظام نہیں تھا اگر ان کو یہ کپڑے نہ ملتے تو
آج عید کے دن ان بچوں کے دل میں نئے کپڑوں کی
حسرت ہی رہ جاتی۔ اگرچہ یہ موٹے جھوٹے ہی تھے اور دو دن
کے اندر ان کی سلائی بھی ہوئی۔ لیکن عید کے دن یہ معصوم
نئے کپڑے پہن کر خوش خوش پھرتے دکھائی بھی تو دے
رہے ہیں۔

از پروفیسر افتخار احمد فخر دھولیاوی ایم اے
(صدر شعبۂ اردو، ایم جے۔ کالج جلگاؤں)

قرآن کے تراجم

قرآن پاک، کلام الٰہی ہے۔ ایک مکمل نظامِ حیات اور ہمہ گیر قانونِ انسانیت جو حضور اکرمؐ پر خدا کی طرف سے وحی کی صورت میں عربی زبان میں نازل ہوا اور جسے آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے عالم انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے اللہ نے اپنے رسول کے ذریعے عام انسانوں تک پہونچایا۔ دس بارہ صدیاں گذر جانے کے بعد جب انسانی زبانوں میں پہلی بار اس کے ترجمہ کی کوشش کی گئی تو بڑی چیخ پکار ہوئی۔ مگر رفتہ رفتہ ذہن انسانی اس کا عادی ہو گیا اور آج دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے سیکڑوں ترجمے موجود ہیں۔ جناب قمر الدین احمد نے اپنے مضمون میں بعنوان "تراجم قرآن مختلف زبانوں میں" بتایا ہے کہ:۔

"ترجمۂ قرآن مجید اب تک دنیا کی ایک سو زبانوں میں ہو چکا ہے۔ صرف ترکی زبان میں اس مقدس کتاب کے ننانوے سے زائد تراجم مختلف مصنفین کر چکے ہیں۔ انگریزی زبان میں قرآن کے ترجموں کی تعداد پچاس سے زائد اور لاطینی زبان میں قریب چالیس کے ہے۔"

مسلمانوں نے بہت سی زبانوں میں مثلاً فارسی، اردو، پشتو، ترکی و جاوی وغیرہ میں تراجم قرآن پیش کئے۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ یورپ کے عیسائیوں نے جس شوق، تہذیبی اہتمام اور احتیاط سے قرآن کے ترجمے شائع کئے وہ بے مثال ہیں[1]

اول اول جیسا کہ ذکر ہوا، فارسی میں قرآن کا ترجمہ ہوا، اس وقت بھی، اُردو میں ہوا اس وقت بھی، اور جب اعراب لگائے گئے اس وقت بھی سب طرح کی چیخ پکار ہوتی تھی۔ اسکی وجہ خواہ قرآن سے قلبی لگاؤ اور جوش عقیدت رہا ہو یا اور کچھ۔ تاہم کسی بھی بدعت کے لئے اگرچہ وہ بدعت حسنہ ہی کیوں نہ ہو انسانی طبائع اکثر اس سے اِبا کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے منظوم تراجم جو بعد میں ہوئے شعراء نے اوّل اوّل اجتناب کیا ہوگا۔ مگر آج اُردو میں منظوم تراجم قرآن بھی موجود ہیں جن کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔

ہم یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں جب ہندو مسلم ارتباط و اختلاط اور اشاعت اسلام کے بعد قرآن پاک کے تراجم کی ضرورت محسوس کی گئی تو ہیں یوں تو فارسی زبان میں سب سے پہلا ترجمہ شیخ سعدیؒ کا بتایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں قرآن کا پہلا فارسی ترجمہ نظام الدین حسن بن حسین شافعی قمی

---

[1] ھدیٰ ڈائجسٹ نومبر ۱۹۶۹ء صفحہ ۱۵

(نظام الدین نیشا پوری کی وفات [illegible] کے بعد) یہ ترجمہ موسوم

کی پہلی ہندوستانی فارسی تفسیر غرائب القرآن و رغائب الفرقان

کے سامنے ہے۔ یہ تفسیر تین جلدوں میں ہے۔ جلد اول و دوم ۲۳

۱۲۲۰ھ میں اور جلد دوم ۲۶ ۱۲۲ھ میں تالیف کی گئی تھی۔

برصغیر میں ملا واعظ حسین کاشفی کا ترجمۂ قرآن

بزبان فارسی [illegible] اور ۱۱۵۰ھ میں پہلا معقول ترجمہ

فارسی شاہ ولی اللہ دہلوی کا فتح القرآن کے نام سے ملتا ہے۔

مگر باقاعدہ طور پر اردو میں قرآن کے تراجم زیادہ تر ۱۲ ویں

صدی ہجری سے ملتے ہیں۔ مگر اس سے قبل بھی ۲۷۰ھ مطابق

۸۸۳ء میں ابتدائی اردو یا ہندی زبان میں قرآن پاک کی

پہلی تفسیر کا پتہ چلتا ہے جو ایک ہندوستانی راجہ

(مہروک) جو الور کشمیر اور پنجاب پر حکمران تھا اس کے

حکم پر ایک عراقی عالم نے لکھی تھی۔[1]

قرآن پاک کے اردو تراجم

پروفیسر مسعود احمد صدر شعبۂ اردو گورنمنٹ کالج میرپور

خاص (پاکستان) کے مضمون بارہویں صدی میں قرآن پاک

کے اردو تراجم و تفاسیر مطبوعہ "نوائے ادب" جولائی ۱۹۶۲ء

کے مضمون کی روشنی میں اس بارہویں صدی میں جتنے

تراجم ہوئے اور تفاسیر لکھی گئیں وہ کچھ اس طرح ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ:۔

(۱) سید بابا قادری کی تفسیر تنزیل (قلمی) ۱۱۴۰ھ

میں (اس کا ایک اور نسخہ سید بابا قادری، تفسیر ہفت پارہ

اول (قلمی) ۱۱۹۰ھ کا بھی ملتا ہے جسے سید عبد النبی نے

۱۱۸۴ھ میں حیدر آباد میں لکھا تھا)

(۲) تفسیر سورۂ اذا جاء ۔ اوائل ۱۲۰۰ھ اس

تفسیر کا ایک قلمی نسخہ (کتب خانہ [illegible] ۱۲۰۰ھ ۲۸ صفحات)

(۳) تفسیر مرادیہ ۱۱۸۵ھ [illegible] کا [illegible]

کتب خانہ [illegible]

(۴) تفسیر [illegible] ۱۱۸۵ھ [illegible] تفسیر ہے

تاریخی نام [illegible] ہے۔ اس کو مراد اللہ انصاری سنبھلی نے

تالیف کیا تھا۔ یہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے شیرانی

سیکشن میں محفوظ ہے۔

(۴) ترجمۂ قرآن پاک حکیم محمد شریف خان ۱۱۹۵ھ۔ یہ اردو

میں پہلا نثری ترجمہ حکیم محمد شریف خان بن محمد اکمل خان کا ہے۔

اس ترجمہ کا تعلق بارہویں صدی کے اواخر سے ہے اور عبد القادر

کے موضح القرآن ۱۲۰۵ھ سے پہلے ہوا تھا۔ پروفیسر مسعود احمد

نوائے ادب صفحہ ۱۳)

(۵) تفسیر وہابی:۔ عبد الصمد دلیر جنگ نے یہ تفسیر

۱۱۸۶ھ میں تالیف کی چونکہ اُن کے والد کا نام عبد الوہاب

تھا۔ اس لئے اس تفسیر انہیں کے نام سے مؤلف نے معنون کیا۔

تفسیر وہابی فل اسکیپ سائز کے ۲۶۷۲ صفحات پر پھیلی ہوئی

ہے اور چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کا قلمی نسخہ جامعہ عثمانیہ

حیدر آباد کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

(۶) تفسیر مرتضوی ۱۱۹۶ھ

یہ تفسیر منظوم ہے شاہ تیمور کے صاحبزادے غلام مرتضیٰ

نے اس کو تالیف کیا ہے۔ مؤلف خود کہتے ہیں ؎

کیونکہ نوشے گا غلام مرتضیٰ

حکم سے مولا نے اس کو ہے لکھا

ڈاکٹر زور صاحب مرحوم کا خیال ہے کہ غلام مرتضیٰ نے

پورے قرآن شریف کا منظوم ترجمہ کیا تھا۔ یہ تفسیر شاہ عالم ثانی

۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء کے عہد حکومت میں لکھی گئی۔ پنجاب

یونیورسٹی لائبریری کے شیرانی سیکشن کے علاوہ کتب خانہ

ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد میں اس کا ایک [illegible]

قلمی نسخہ ہے۔

(۷) ترجمۂ شاہ رفیع الدین دہلوی اواخر ۱۲۰۰ھ

اس ترجمے کے متعلق [illegible]

[1] نوائے ادب بمبئی جولائی ۱۹۶۲ء صفحہ ۷۷، پروفیسر محمد مسعود احمد

مطبوعہ آگرہ ۱۹۰۹ء ص ۵۵ میں لکھتے ہیں کہ:-

" شاہ ولی اللہ صاحب نے علاوہ اُردو تصانیف کے قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا (۱۱۵۰ھ مطابق ۱۷۳۷ء) اُن کے دوسرے صاحبزادے شاہ رفیع الدین صاحب نے اُردو کا ترجمہ ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷۸۶ء کے قریب کیا۔"

(۸) اس کے بعد تیرھویں صدی میں موضح القرآن:- ترجمہ شیخ عبدالقادر ۱۲۰۵ھ

شاہ عبدالقادر متوفی ۱۲۴۳ھ کا یہ تشریحی ترجمہ ۱۲۰۵ھ میں پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ مگر کوشش بارھویں صدی ہجری میں شروع ہو گئی تھی۔

(۹) تفسیر قرآنی موسوم حقانی ۱۲۰۶ھ

یہ تفسیر بقول مولانا احسن مارہروی ۱۲۰۶ھ مطابق ۱۷۹۱ء میں تالیف کی گئی (تاریخ نثر اردو ص ۱۸) اس کے بعد ایک ترجمۂ قرآن کا پتہ چلتا ہے۔ جسے مولوی امانت اللہ شیدا، میر بہادر علی حسینی، کاظم علی جوان اور مولوی فضل اللہ وغیرہ نے مل کر فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں گلکرائسٹ کے حکم سے ۹ رمضان المبارک ۱۲۱۹ھ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

اس تیرھویں صدی ہجری میں درج ذیل دو[2] تراجم قرآن اور بھی ہوئے۔ پہلا ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے ۱۲۵۶ھ میں کیا۔ دوسرا سر سید احمد خاں ۱۲۵۷ھ میں پایۂ تکمیل کو پہونچایا۔ اور چودہویں صدی ہجری میں سید فرقان علی دربھنگوی۔ ۱۳۲۶ھ میں مولانا اشرف علی تھانوی۔ ۱۳۳۲ھ میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن خواجہ حسن نظامی ۱۳۳۱ھ کے علاوہ مولانا ثناء اللہ امرتسری۔ عبدالماجد دریابادی۔ مولانا عبدالحق حقانی مولانا فتح محمد جالندھری، مولانا ابوالکلام آزاد (صرف ۱۸ پارے ترجمہ ہوئے) مولانا مودودی۔ مرزا حیرت دہلوی، مولانا احمد سعیدی، سید حکیم نسین شاہ کے مشہور اُردو تراجم سمجھے جاتے ہیں۔

منظوم تراجم القرآن

قرآن کریم کی اکثر آیات کسی نہ کسی عروضی بحر میں معلوم ہوتی ہیں۔ قرآنی آیات کو اسی لئے انگریزی میں QURANIC VERSE کہا جاتا ہے۔ بیشتر آیات مقفیٰ ہیں۔ تاہم قرآن کریم کو منظوم نہیں سمجھا جاتا۔ ہر چند کہ بحر و وزن کا اس میں التزام نظر آتا ہے۔ منثور تراجم کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ منظوم تراجم کا جہاں تک تعلق ہے۔ قرآن کریم کے منظوم ترجمہ کا پتہ تیرھویں صدی سے ملتا ہے۔ اس سے قبل بھی مگر بارھویں صدی ہجری کے اواخر میں ایک منظوم ترجمہ "تفسیر مرتضوی" کے نام سے ملتا ہے جس کا ذکر اوپر منثور تراجم کے تحت ہو چکا ہے۔ یہ ترجمہ یا تفسیر شاہ تیمور کے صاحبزادے غلام مرتضیٰ نے ۱۱۹۴ھ میں کی تھی۔ ڈاکٹر زور مرحوم کے قول کے مطابق یہ پورے قرآن کا منظوم ترجمہ ہے[1] اگرچہ تفسیر مرتضوی منظوم (قلمی) ۱۱۹۴ھ شیرانی سیکشن پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور صرف سورۂ فاتحہ سورۂ نبا اور سورۂ نازعات کی تفسیر ہے۔ علاوہ ازیں چند اور منظوم تراجم مکمل یا نامکمل اور بھی ملتے ہیں۔ جناب عیش قادری مارہروی (قاسم علیخاں کے مضمون) مطبوعہ الوارث (سیماب نمبر) کی اطلاع کے مطابق جو اس طرح ہیں:-

(۱) سید غضنفر علی صاحب غضنفر بی، اے، منشی فاضل سونی پت رُوہتک نے صرف پارۂ الٓمٓ کا ترجمہ کیا۔ جس پر تقریظ لکھتے ہوئے مولانا اولاد حسین شاداں بلگرامی پروفیسر اورنٹیل کالج فرماتے ہیں کہ" قرآن کا نظم ترجمہ کرنے میں کیا عجب یہ پہلے شخص ہوں یا دوسرے شخص ہوں

---

[1] ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور تذکرہ مخطوطات ادبیات اُردو حیدر آباد دکن جلد چہارم ص۱۲

(بہرحال یہ تحقیق طلب امر ہے کہ قرآن شریف کا منظوم ترجمہ سب سے پہلے کس نے کیا؟ چونکہ یہاں من تاہمت ترجمہ درج نہیں ہے)

(۱۱) دوسرا منظوم ترجمہ شاہ شمس الدین صاحب شائق لاہوری کا ہے اس کا بھی صرف پہلا پارہ ہی دستیاب ہوتا ہے

(۱۲) تیسرا منظوم ترجمہ پورے کلام مجید کا محمد مطیع الرحمٰن صاحب خادم نے "نظم المعانی" کے عنوان سے کیا ہے۔

(۱۳) چوتھا ترجمہ حضرت آغا شاعر قزلباش دہلوی کا ہے اس کے صرف تین پارے چھپے ہیں لہ

(۱۴) پانچواں ترجمہ مولوی عبداللطیف صاحب افغانی مدرس مدرسۂ عالیہ جامع مسجد آگرہ کا ہے اور یہ بھی پہلے ہی پارے کا ترجمہ ہے۔

(۱۵) چھٹا منظوم ترجمہ مولوی عبدالسلام صاحب المتخلص بہ سلام موسوم بہ "تفسیر زاد الآخرت" ہے۔

(۱۶) ساتواں منظوم ترجمہ ابو المنتشر صاحب فہمی نے شروع کیا تھا مگر وہ مکمل نہ ہو سکا۔

(۱۷) آٹھویں منظوم ترجمے کا بھی پتہ چلتا ہے جو حمائل شریف کی صورت میں علیگڈھ سے چھپا مگر اس کے ناظم کا پتہ نہیں چلتا کہ کون ہے۔

وحی منظوم کے نام سے مولانا سیماب اکبر آبادی نے کلام پاک کا منظوم ترجمہ صرف ساٹھ ماہ اور نو دنوں میں کیا تھا جس کا صرف تیسواں پارہ کراچی پاکستان سے شائع ہوا ہے۔ مختلف بحروں میں کلام پاک کا ترجمہ حسب ضرورت کیا گیا ہے اور بعض مقامات پر وزن پورا کرنے کے لئے جو زائد الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ان کو قوسین میں دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ اخلاص کا ترجمہ یہاں دیا جاتا ہے تاکہ اس منظوم

لہ بحوالہ "الوارث" "سیماب نمبر" صفحہ ۲ (آغا سرخوش کے بیان کے مطابق یہ ترجمہ مکمل ہو چکا تھا)

ترجمے کی خوبیوں کا اندازہ ہو سکے۔ ترجمہ بالکل رواں دواں اور ادبی محاسن سے مملو ہے۔ ملاحظہ ہو۔ یہاں "داستانِ چند" سے اس کا نمونہ درج کیا جاتا ہے۔

(۱) بِسْمِ اللّٰهِ الرََّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے کرتا ہوں آغاز بیاں)
جو بڑا ہی رحم والا ہے نہایت مہرباں

(۲)

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ

کہہ دو، ہے (میرا) خدا ایک اور خدا ہے بے نیاز

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ

ہے نہ زائندہ نہ زائیدہ (جہاں کا کارساز

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

اور نہیں ہے کوئی اس کے جوڑ کا (بے امتیاز)

بقول حضرت راز چاندپوری مرحوم "یہ پورا ترجمہ ۱۹۴۷ء میں میری نظر سے گذرا تھا۔ سیماب صاحب نے دور اندیشی سے کام لے کر اس ترجمہ کی صحت وجواز پر بعض مشاہیر علماء کی آراء بھی حاصل کی تھیں،، لہ

لہ "داستانِ چند" از راز چاندپوری صد ۱۰۵ و ۱۰۶

گو ہمارا دشمن زمانہ ہو مگر اے دل ہمیں
دیکھنا یہ ہے مزاج یار تو برہم نہیں

امین الدین شجاع الدین
سوداگر محلہ،
بھیمڑی (تھانہ)

روزہ کے معاشرتی پہلو

رزق میں اضافہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رمضان ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے اور اس مہینے میں مومن کے رزق میں اضافہ ہوتا ہے جو شخص اس ماہ میں روزہ دار کا افطار کراتا ہے اس کے گناہوں کی بخشش ہوجاتی ہے۔

دوزخ کے دروازہ بند:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماہِ رمضان میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں دوزخ کے دروازہ بند ہوجاتے ہیں اور شیطان قید کر دیئے جاتے ہیں۔

روزہ اللہ کے لئے ہے:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کے ہر عمل کی جزا دس سے سات سو گنا تک ہوتی ہے سوائے روزے کے، کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ "روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

دو خوشیاں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزدار کے لئے دو خوشیاں ہوتی ہیں۔ ایک خوشی روزہ کے افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے اور دوسری خوشی لقائے الٰہی کے موقع پر حاصل ہوگی۔

یہ کیجئے:

سخاوت: اس مہینے میں معمول سے زیادہ سخاوت کیجئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ماہ میں بہت ہی سخی اور فیاض ہوجایا کرتے

تھے۔

نیک اعمال: اس مہینے میں نیک کام کیجئے کیونکہ مشکوٰۃ کی ایک حدیث ہے کہ جس نے اس مہینے میں ایک معمولی سی نیکی کی، اسے دوسرے مہینوں کے فرض ادا کرنے کے برابر ثواب دیا جائے گا۔ اور اس مہینے میں ایک فرض ادا کرنے والا ثواب میں دوسرے مہینوں کے ستّر فرضوں کے ادا کرنے والے کی مانند ہے۔

اپنا احتساب کیجئے:

روزوں کو پورے خلوص کے ساتھ رکھیئے، ثواب اور رضائے الٰہی مقصود ہو، ریاکاری اور لوگوں کو دکھانے کے لئے نہیں۔ اس احتساب کے بعد روزہ آپ کو گناہوں سے پاک کردے گا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ جس نے رمضان میں ایمان واحتساب کی حالت میں روزہ رکھا وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائیگا جس طرح وہ اس روز تھا جس روز اسکی ماں نے اسے جنا تھا۔

یہ نہ کیجئے:

جھوٹ نہ بولئے۔ جھوٹ، رشوت اور بُرے کام ترک کئے بغیر روزہ رکھنا بیکار ہے نبی کریمؐ نے فرمایا کہ جس نے روزے میں جھوٹ اور اس پر عمل نہیں چھوڑا، اللہ کو اسکی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

غیبت نہ صرف دو دلوں میں نفرت پیدا کرتی ہے بلکہ سماج اور معاشرت میں کئی اور برائیوں کو جنم دیتی ہے یہ ایسی برائی ہے جسکے نہ کرنے کی بار بار تاکید ہے کیونکہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ غیبت کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، تین باتوں کا شمار ایمانی اخلاق میں ہوتا ہے (۱) جب غصّہ آئے تو انسان (مغلوب ہوکر) باطل (کے جوہڑ) میں نہ ڈوب جائے (۲) جب خوش ہو تو خوشی (کی بہتات) راہِ حق سے برگشتہ نہ کردے (۳) اور جب قدرت واقتدار پائے تو وہ چیز نہ لے جس پر اسکا کوئی حق نہیں ہے۔

تشریح:- "ایمانی اخلاق" سے مطلب یہ ہے یہ تینوں امور ایمان کے بنیادی تقاضوں میں شامل ہیں۔ ان کے بغیر ایمان کا اصل جوہر ہی باقی نہیں رہتا۔

اندھرا ٹرانسپورٹ

لیلۃ القدر

معنی لَیْلَۃٌ عربی میں رات کو کہتے ہیں اور قَدْرٌ مرتبہ کو لَیْلَۃُ الْقَدْرِ مرتبہ کی رات یعنی بڑے مرتبہ والی رات اور بڑی عزت والی رات۔

وجہ تسمیہ:۔ اس رات کا نام مرتبہ والی رات اس لئے رکھا گیا کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس کا بہت بڑا مرتبہ ہے چنانچہ قرآن شریف میں اس کی فضیلت کے سلسلے میں مستقل ایک سورت نازل فرمائی، ارشاد ہے کہ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ آپ کو کیا معلوم کہ لیلۃ القدر کیا چیز ہے؟ خود ہی جواب میں فرمایا کہ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔

شانِ نزول:۔ غنیۃ الطالبین میں سید الاولیاء قطب الاقطاب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ ایک دن سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے چار ایسے مقتدر حضرات کا ذکر فرمایا جنہوں نے اسّی سال تک اللہ تعالےٰ کی عبادت کی اور اس درمیان میں ایک لمحہ بھی اللہ تعالےٰ کی نافرمانی نہیں کی اور بتایا کہ وہ حضرت ایوب، حضرت زکریا حضرت حزقیل اور حضرت یوشع بن نون علیہم السلام تھے صحابۂ کرامؓ کو بڑا تعجب ہوا۔ اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "حضورؐ آپؐ اور آپ کے اصحاب ان حضرات کی اسی سالہ خالص اور نافرمانیوں سے بے داغ عبادت پر بہت حیران ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس سے بہتر چیز عنایت فرمائی ہے اور اس کے بعد سورۂ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ پوری پڑھ کر سنائی۔ اور کہا حضور! یہ اس سے کہیں بہتر و برتر ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنکر بہت مسرور ہوئے۔

کب ہوتی ہے؟ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان شریف کے آخری عشرہ (دس دنوں) کی طاق راتوں یعنی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ کل پانچ راتوں میں سے کوئی نہ کوئی ایک رات ہوتی ہے لیکن زیادہ تر ستائیسویں کو ہوا کرتی ہے اس لئے علماء کی کثیر تعداد

ستائیسویں تاریخ کو شب قدر ہوتی ہے۔

پوشیدہ کیوں رکھا گیا؟ سوال ہوتا ہے کہ جب ایسی مبارک اور قیمتی رات ہے تو صاف صاف بتا کیوں نہیں دیا گیا تاکہ ہر شخص یقینی طور پر عبادت کر کے موعودہ فضیلت حاصل کر لیتا؟ بات یہ ہے کہ اگر صاف صاف بتا دیا جاتا تو پھر سہولت پسند لوگ ایک رات عبادت کر لینے کے بعد مطمئن ہو جاتے اور دوسرے نیک کاموں کو چھوڑ بیٹھتے کہ ہزار ماہ کی عبادت تو کر لی ہے۔ اب جنت اپنی ہو چکی۔

کیا کرنا چاہیئے؟ پوری رات جاگ کر عبادت کرنی چاہیئے۔ عبادت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ استغفار درود شریف، تلاوت قرآن اور نوافل، مواعظ میں شرکت نیک اور تمام اچھی باتیں عبادت میں شامل ہیں۔ عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی کوششوں میں مصروفیت براہ راست نہ سہی مگر بالواسطہ ضرور عبادت ہیں۔ اس لئے جو لوگ ایسے کاموں کی مصروفیت کے سبب تلاوت و نوافل جی بھر کے نہ کر پاتے ہوں وہ اپنے کو محروم نہ سمجھیں ان شاء اللہ اگر اخلاص ہے تو دوہرے اجر کے مستحق ہونگے۔

نوافل :- بعد نماز مغرب دو رکعت نفل توبہ کی نیت سے پہلے پڑھ کر گزشتہ گناہوں کی مغفرت خوب الحاح و زاری سے طلب کرے۔ اس کے بعد دو ایک تسبیح استغفار کی پڑھے استغفار کے الفاظ کئی طرح کے ہیں جن میں سے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے افضل بتایا ہے۔ یاد ہو تو اسے پڑھے ورنہ جو بھی استغفار چاہے پڑھے اس کے بعد جتنی تسبیح پڑھ سکے درود شریف کی پڑھے۔ درود شریف میں سب سے افضل وہ درود شریف ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے جس کا نام درود ابراہیمی ہے پھر نفلیں شروع کرے

نفلیں بہت طرح کی ہیں مگر صلوٰۃ تسبیح نام کی نفل کا مرتبہ غالباً سب سے اونچا ہے اس لئے اسے پڑھے۔

صلوٰۃ التسبیح :- نیت۔ نیت کرتا ہوں میں چار رکعت نماز نفل صلوٰۃ التسبیح واسطے اللہ تعالیٰ کے منہ میرا کعبہ شریف کی طرف اب اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے اور سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ ہر رکعت میں ۷۵ مرتبہ پڑھے جن کو سات جگہوں میں کئی طریقوں سے تقسیم کر دیا گیا ہے ہر طریقہ صحیح ہے۔ ایک آسان طریقہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ الحمد شریف پڑھنے سے پہلے .... ۱۵ بار

۲۔ الحمد پڑھ کر سورت ملانے کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے ہاتھ باندھے باندھے ۱۰

۳۔ رکوع میں جا کر تسبیحات پڑھ کر جھکے جھکے ۱۰

۴۔ رکوع سے اٹھ کر سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد کہہ کر کھڑے کھڑے ۱۰

۵۔ پہلے سجدہ میں سبحان ربی الاعلےٰ پڑھ چکنے کے بعد سجدہ ہی میں ۱۰

۶۔ پہلے سجدے سے اٹھ کر بیٹھے بیٹھے ۱۰

۷۔ دوسرے سجدہ میں سبحان ربی الاعلےٰ پڑھنے کے بعد سجدہ ہی میں ۱۰

ایک رکعت میں ۷۵ بار تو چاروں رکعتوں میں ۳۰۰ ہو گیا۔ جب پہلی رکعت دوسرے سجدے پر ختم ہو جائے دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور اب ثناء کسی رکوع میں نہیں پڑھے گا۔ بلکہ کھڑے ہوتے ہی اوپر درج کئے ہوئے طریقے کے مطابق وہی تسبیح پندرہ مرتبہ پڑھ کر سورہ فاتحہ پڑھے گا اور پھر پہلی رکعت کی طرح ترتیب وار تسبیحات پڑھے گا۔

چاروں رکعتوں میں الحمد شریف کے بعد جو سورہ چاہے پڑھ سکتا ہے لیکن بعض کتابوں سے پہلی رکعت میں اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ دوسری میں والعصر، تیسری میں قل یا ایہا الکافرون اور چوتھی میں قل ہو اللہ شریف پڑھنے کی تائید ملتی ہے بہتر ہے یہی پڑھ لے۔

دوسری نفلیں :۔ غنیۃ الطالبین میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے روایت ہے کہ سلف صالحین نماز خیر کے نام سے سو رکعتیں نفل پڑھتے تھے جن میں الحمد شریف کے بعد دس مرتبہ قل ہو اللہ شریف پڑھا جاتا تھا۔ گویا سو رکعتوں میں ہزار بار قل ہو اللہ شریف پڑھا جاتا۔ اس نماز کا خاصہ یہ بیان کیا کہ اللہ تعالےٰ ستر مرتبہ نظر رحمت فرماتا ہے اور ہر نظر میں ستر حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ جن میں سے کم از کم حاجت بندہ کی بخشش و نجات ہے۔

اس لئے بہتر ہے یہ سو رکعتیں بھی اس رات میں ضرور ادا کرے نیت چار چار رکعت بھی باندھ سکتا ہے لیکن دو دو رکعت کی نیت باندھنا زیادہ بہتر ہے۔

شب قدر کی تسبیح :۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ !

ہدایت :۔ ساری رات یا رات کا اکثر حصہ جاگ کر عبادت کرنے کے بعد اللہ تعالےٰ سے ڈرتا رہے کہ وہ قبول نہ ملے اور کسی کو ذرہ برابر بھی اپنے سے کم اور حقیر نہ جانے ورنہ ڈر ہے کہ عبادت و ریاضت کا بیکراں خرمن کبر و پندار کی ہلکی سی چنگاری سے جل کر خاکستر ہو جائے۔ اللہ کا شکر ادا کرے کہ عبادت کی توفیق بخشی اور معذرت کرے کہ شایان شان بندگی نہ ہو سکی۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ؕ

مہر حبیب حامد ایم اے

جنوں و ہوش

(تمہاری ایک ہم شکل کو مائل بہ کرم دیکھ کر)

کون پھر آیا ہے چپکے سے میرے خوابوں میں
ہاں، وہی خواب جو شرمندۂ تعبیر نہیں
کس نے ہمدرد نگاہوں سے یہ دیکھا مجھ کو
میں تو سمجھا تھا میری آہ میں تاثیر نہیں

وہی انداز وہی حسن وہی طرزِ ادا
وہی معصوم تبسم وہی سادہ سا لباس
وہی بہتے ہوئے جھرنوں کی سی پُرکیف آواز
وہی اندازِ تکلم وہی لہجے کی مٹھاس

شعر دل سے بھی لگاؤ ہے اسے تیری طرح
ساز و نغمہ سے آراستہ ہے اس کا شعور
اس کی ہر بات پہ کچھ ایسا گماں ہوتا ہے
جس طرح اسکو تعلق ہو کوئی تجھ سے ضرور

کسقدر تجھ سے مشابہ ہیں نگاہیں اس کی
تیرتی رہتی ہے جن میں وہی پاکیزہ حیا
اور ان جھیل سی آنکھوں میں جھلکتے ہیں مجھے
وہی پیغامِ محبت وہی پیمانِ وفا

اس کا مسرور تبسم بھی ہے کیا سحر نواز
میرے احساس پہ چھا جاتا ہے کچھ ایسا فسوں
دھڑکنیں اور بھی کچھ تیز سی ہو جاتی ہیں
اور بھی تیز سا ہو جاتا ہے کچھ شوقِ جنوں

تو نے یہ خط میں جو لکھا ہے بہت خوش ہوں آپ
پڑھ کے خود میں نے بھی محسوس کیا ہے دل میں
حد سے بڑھنے جو لگا ہے یہ مرا جوشِ جنوں
آگ لگ جائے نہ پھر اُجڑی ہوئی محفل میں

سوچتا ہوں میں کہیں بڑھ کے نہ کچھ کہہ بیٹھوں
لوٹ جائے نہ کہیں حسن کا معصوم سا دل
میری تقدیر میں جب غم کے سوا کچھ بھی نہ ہو
دبی چنگاریاں سلگانے سے پھر کیا حاصل

یہ مرا شوقِ جنوں اور مرا ذوقِ جمال
پیش خیمہ ہو کسی تازہ تباہی کے لیے
میری فطرت کو کسی طور یہ منظور نہیں
حسن بدنام ہو ناکردہ گناہی کے لیے

میں بھی سوچ کے اُس رہ سے پلٹ آیا ہوں
پھر وہی میں ہوں وہی غم وہی تنہائی۔
اور یہ دل میں جو کچھ زخم ہیں پھر تازہ۔
میں نے کچھ تازہ خطاؤں کی سزا پائی

آہ پھر چھانے لگے رنج و الم کے بادل
یاس و اندوہ سے آنکھیں بھی مری پُرنم ہیں
ہاں مگر دل کا بہلنا تو کوئی بات نہیں
دل کے بہلانے کو یادیں بھی تری کیا کم ہیں؟

بشکریہ حوا عیدالفطر المبارک نمبر اکتوبر ۷۲ء

آگ میں پھول

کرنل حلیم کے ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہی میری نگاہ جس چیز پر پڑی وہ میرے لئے بالکل نئی تھی — ایک چمکیلا لمبا سا سنہرا گلدان جس میں گلاب کی شاخیں پھولوں سمیت لگی ہوئی تھیں ان پر مصنوعی چڑیاں بٹھا دی گئی تھیں اور چیزیں بھی سلیقہ سے رکھی ہوئی تھیں۔ سامنے ہی اسٹیریو جھنکار اتوانس کر رہے تھے۔ دوسری جانب پہاڑی ناچ ہو رہا تھا۔ ان سب چیزوں نے مل کر امن اور محبت کا حسین ماحول بنا دیا تھا میں اس نظارہ میں بالکل کھو گیا۔ ایسے وقت میں جب ہر طرف سے جنگ اور غارت گری کی خبریں آ رہی ہوں اور امن کا فرشتہ شعلوں میں گھرا ہوا ہو ایسی پر سکون فضا میں سانس لینے سے بڑی ٹھنڈک اور تازگی کا احساس ہوا۔ میں کرنل کے آنے کی اطلاع پا کر اسٹیشن سے سیدھا اس کے بنگلہ پر آ گیا تھا وہ لڑائی ختم ہوتے ہی مہینہ بھر کی چھٹی پر آیا تھا۔ شادی کے اگلے روز ہی لڑائی پر چلا گیا تھا طلبی اچانک تار کے ذریعہ ہوئی تھی۔ نئی نویلی دلہن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے لیکن کرنل فوراً ہی اسٹیشن جانے کا فیصلہ کر چکا تھا وہ فرض اور محبت کی کشمکش پر قابو پا کر گھر چھوڑنے کے لئے تیار ہو گیا ایک طرف سرخ و سفید چہرے پر کالی اور لمبی زلفوں کی مستانہ جنبشیں تھیں دوسری طرف مادر وطن کا برفانی جوڑا کھلا ہوا تھا وہ اپنا حق مانگ رہی تھی۔ حلیم بیوی کے آنسو پونچھے بغیر ٹیکسی میں بیٹھ گیا اور سب کو خدا حافظ کہنے کے بعد رخصت ہو گیا اس نے پورے بارہ مہینے ٹینکوں کی گونج اور توپوں کی گرج میں گزار دیئے نہ جانے جدائی کی یہ گھڑیاں کیونکر کٹی ہوں گی رخصت ملتے ہی اس کی نگاہوں میں وہی لمبی کالی زلفیں سیاہ گھٹاؤں کی طرح چھونے لگی تھیں اور وہ زبیدہ کی بڑی بڑی آنکھوں سے آنسو پونچھنے کی امنگ دل میں لئے ہوائی جہاز سے گھر آ گیا تھا۔ میں بھی اس کی آمد کا مژدہ سن کر ایک لمحہ ضائع کئے بغیر فارم سے چل پڑا تھا۔ کرنل اس وقت غسل کر رہا تھا۔ اور میں ڈرائنگ روم میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا ہوں۔ عینک اتار کر ایک طرف رکھ دی ہے پوری توجہ سے اس سنہرے چمکیلے گلدان کو دیکھ رہا ہوں جس میں گلاب کے پھول مہک رہے ہیں چڑیاں نغمہ ریزی کرتی ہوئی محسوس

مہندر پرتاپ چاند ایم اے

جنون و ہوش

(تمہاری ایک ہم شکل کو مائل بہ کرم دیکھ کر)

کون پھر آیا ہے چپکے سے مرے خوابوں میں
ہاں، وہی خواب جو شرمندۂ تعبیر نہیں
کس نے ہمدرد نگاہوں سے یہ دیکھا مجھ کو
میں تو سمجھا تھا میری آہ میں تاثیر نہیں

وہی انداز وہی حسن وہی طرزِ ادا
وہی معصوم تبسم وہی سادہ سا لباس
وہی بجتے ہوئے جھرنوں کی سی پُرکیف آواز
وہی اندازِ تکلم وہی لہجے کی مٹھاس

شعر دل سے بھی لگاؤ ہے اسے تیری طرح
ساز و نغمہ سے آراستہ ہے اس کا شعور
اس کی ہر بات پہ کچھ ایسا گماں ہوتا ہے
جس طرح اسکو تعلق ہو کوئی تجھ سے ضرور

کس قدر تجھ سے مشابہ ہیں نگاہیں اس کی
تیرتی رہتی ہے جن میں وہی پاکیزہ حیا
اور ان جھیل سی آنکھوں میں چھلکتے ہیں مجھے
وہی پیغامِ محبت وہی پیمانِ وفا

اس کا مسرور تبسم بھی ہے کیا سحر نواز
میرے احساس پہ چھا جاتا ہے کچھ ایسا فسوں
دھڑکنیں اور بھی کچھ تیز سی ہو جاتی ہیں
اور بھی تیز سا ہو جاتا ہے کچھ شوقِ جنوں

تو نے یہ خط میں جو لکھا ہے بہت خوش ہیں آپ
پڑھ کے خود میں نے بھی محسوس کیا ہے دل میں
حد سے بڑھنے جو لگا ہے یہ مرا جوشِ جنوں
آگ لگ جائے نہ پھر اجڑی ہوئی محفل میں

سوچتا ہوں میں کہیں بڑھ کے نہ کچھ کہہ بیٹھو[ں]
ٹوٹ جائے نہ کہیں حسن کا معصوم سا دل
میری تقدیر میں جب غم کے سوا کچھ بھی نہیں
دبی چنگاریاں سلگانے سے پھر کیا حاصل

یہ مرا شوقِ جنوں اور مرا ذوقِ جمال
پیش خیمہ ہو کسی تازہ تباہی کے لئے
میری فطرت کو کسی طور یہ منظور نہیں
حسن بدنام ہو ناکردہ گناہی کے لئے

میں یہی سوچ کے ... رہ سے پلٹ آیا ہوں
پھر وہی میں ہوں وہی غم وہی تنہائی ہے
اور یہ دل میں جو کچھ زخم ہیں پھر تازہ ہیں
میں نے کچھ تازہ خطاؤں کی سزا پائی ہے

آہ پھر چھانے لگے رنج و الم کے بادل
یاس و اندوہ سے آنکھیں بھی مری پُرنم ہیں
ہاں مگر دل کا بہلنا تو کوئی بات نہیں
دل کے بہلانے کو یادیں بھی تری کیا کم ہیں!

بشکریہ حوا رمضان المبارک نمبر اکتوبر ۷۲ء

آگ میں پھول

کرنل حلیم کے ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہی میری نگاہ جس چیز پر پڑی وہ میرے لئے بالکل نئی تھی — ایک چمکیلا لمبا سا سنہرا گلدان جس میں گلاب کی شاخیں پھولوں سمیت لگی ہوئی تھیں ان پر مصنوعی چڑیاں بٹھا دی گئی تھیں اور چیزیں بھی سلیقہ سے رکھی ہوئی تھیں۔ سامنے ہی اسٹیچو بھنگڑا ڈانس کر رہے تھے۔ دوسری جانب پہاڑی ناچ ہو رہا تھا۔ ان سب چیزوں نے مل کر امن اور محبت کا حسین ماحول بنا دیا تھا میں اس نظارہ میں بالکل کھو گیا۔ ایسے وقت میں جب ہر طرف سے جنگ اور غارت گری کی خبریں آ رہی ہوں اور امن کا فرشتہ شعلوں میں گھرا ہوا ہو ایسی پرسکون فضا میں سانس لینے سے بڑی ٹھنڈک اور تازگی کا احساس ہوا۔ میں کرنل کے آنے کی اطلاع پا کر اسٹیشن سے سیدھا اس کے بنگلہ پر آ گیا تھا۔ وہ لڑائی ختم ہوتے ہی مہینہ بھر کی چھٹی پر آیا تھا۔ شادی کے اگلے روز ہی لڑائی پر چلا گیا تھا طلبی اچانک تار کے ذریعہ ہوئی تھی۔ نئی نویلی دلہن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے لیکن کرنل فوراً ہی اسٹیشن جانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ فرض اور محبت کی کشمکش پر قابو پا کر گھر چھوڑنے کے لئے تیار ہو گیا ایک طرف سرخ و سفید چہرے پر کالی اور لمبی زلفوں کی مستانہ جنبشیں تھیں دوسری طرف مادر وطن کا برفانی جوڑا کھلا ہوا تھا وہ اپنا حق مانگ رہی تھی۔ حلیم بیوی کے آنسو پونچھے بغیر ٹیکسی میں بیٹھ گیا اور سب کو خدا حافظ کہنے کے بعد رخصت ہو گیا اس نے پورے بارہ مہینے ٹینکوں کی گونج اور توپوں کی گرج میں گزار دیئے نہ جانے جدائی کی یہ گھڑیاں کیونکر کٹی ہوں گی رخصت ملتے ہی اس کی نگاہوں میں وہی لمبی کالی زلفیں سیاہ گھٹاؤں کی طرح جھومنے لگی تھیں اور وہ زبیدہ کی بڑی بڑی آنکھوں سے آنسو پونچھنے کی امنگ دل میں لئے ہوائی جہاز سے گھر آ گیا تھا میں بھی اس کی آمد کا مژدہ سن کر ایک لمحہ ضائع کئے بغیر فارم سے چل پڑا تھا۔ کرنل اس وقت غسل کر رہا تھا۔ اور میں ڈرائنگ روم میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا ہوں۔ عینک اتار کر ایک طرف رکھ دی ہے پوری توجہ سے اس سنہرے چمکیلے گلدان کو دیکھ رہا ہوں جس میں گلاب کے پھول مہک رہے ہیں چڑیاں نغمہ ریزی کرتی ہوئی محسوس

ہوچکا ہیں۔ میں نے ان کے خیالی نغموں کو الفاظ میں ڈھال دیا ہے اور آپ ہی آپ گنگنانا شروع کر دیا ہے۔

اِک نیا ماحول اِک نیا سماں پیدا کریں
دوستو آؤ محبت کی زباں پیدا کریں

میری مخاطب یہ مصنوعی اور بے جان چڑیاں نہیں ہیں کروڑوں انسانوں کا وہ ملک ہے جہاں میرے بہت سے عزیز آباد ہو گئے ہیں۔ ایک طویل مدت سے مجھے ان کی خیریت کا خط تک نہیں ملا۔ نہ جانے کتنے زندہ ہوں گے کتنے زندگی کے بکھیڑوں سے پیچھا چھڑا کر دوسری دنیا میں چلے گئے ہوں گے۔ ان کے چہرے میرے سامنے ڈور میں بندھے ہوئے ان پتنگوں کے مانند متحرک ہیں جن میں سے بعض کٹ کر خلا میں بھٹکتے نہ جانے کدھر جا رہے ہیں بعض آسمان میں اڑانیں بھر رہے ہیں۔ دفعتاً کرنل علیم لکھنوی کرتہ اور لٹھے کا پاجامہ پہنے ڈرائنگ روم میں آ گیا ہے۔ اس کے لبوں پر میٹھی مگر فاتحانہ مسکراہٹ ہے آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔

ہیلو ارشاد، اس نے اسی مخلصانہ لہجہ میں کہا ہے خوب آ گئے علیم، میں نے کھڑے ہو کر گرمجوشی کے ساتھ مصافحہ کیا اس نے زور سے ہاتھوں کو جھٹکا دیکر پوچھا۔

ابھی آ رہے ہو؟

بالکل ابھی، فارم سے یہاں آنے میں بس یوں سمجھو پورا جگ بیت گیا، دل کتنا بے چین تھا تمھیں دیکھنے کے لئے۔

ضرور ہوگا، میں چیز ہی ایسی ہوں۔

کیسی کیسی خبریں سنتا رہا تھا اپنے فوجی دوستوں کے متعلق۔

سب جھوٹے من گھڑت ہم بڑے مزے میں تھے۔ اصل میں ہم نے حملہ نہیں کیا تھا اپنے وطن کی مدافعت کے لئے لڑ رہے تھے۔ ایک پاکیزہ مقصد تھا ہمارے سامنے، ایک بلند اخلاقی مطمع نظر تھا فتح اسی کی ہوئی ہے۔

بالکل ٹھیک، علیم تم نے کمرے کی آرائش میں بڑے آرٹ سے کام لیا ہے۔

میں نے کہا۔ یہ صرف زبیدہ کی صنعت گری ہے اس نے دو ہی دن میں سب چیزیں سجا دی ہیں۔

یہ گلدان بہت پسند ہے مجھے۔

یہ گلدان نہیں یہ بڑی خطرناک چیز ہے ارشاد میاں یہ توپ کے گولے کا خول ہے۔ اس قسم کے گولے حریف دن رات ہماری فوج پر چلایا کرتا تھا اس کے اندر بھرا ہوا آتش گیر مادہ فضا میں پھیل کر جوانوں کو ہلاک اور زخمی کر دیا کرتا تھا، میری رجمنٹ پر بھی پھینکے گئے تھے یہ گولے سپاہی اس قسم کے بہت سے خول میدان سے اٹھا لائے ایک میں لے آیا زبیدہ نے اس کی کایا ہی پلٹ دی پالش کرانے کے بعد گلدان بنا لیا اور اس میں پھولوں کی شاخیں لگا کر ان پر چڑیاں بٹھا دیں۔

آفریں ہے زبیدہ حلیم کو، انھوں نے کمرے کو اسی انداز سے آراستہ کیا ہے گویا آج ہی یہاں پر کوئی امن کانفرنس ہونے جا رہی ہے۔

داد انھیں کو دینا، ابھی آتی ہونگی اپنی تعریف سن کر پھول جائے گی رات کو وہ بڑے وجد انگیز ترنم میں گا رہی تھیں۔

جنگ نہ ہونے پائے رے ساتھی
جنگ نہ ہونے پائے

ان کے میٹھے رسیلے لہجہ نے بینڈ کی دلچسپ دھنوں کو بھی مات کر دیا تھا۔ عورت بھی کس قدر عجیب ہوتی ہے ارشاد بیوی بن کر وہ اور عجیب ہو جاتی ہے کائنات گھر میں سمٹ آتی ہے تو آدمی تاجدار سمجھنے لگتا ہے اپنے آپ کو، زبیدہ حلیم نے کیپسول کو جس مقصد کے لئے استعمال کیا ہے۔ وہ بہت ہی معصوم ہے۔ اس سے بہتر

صرف نہیں ہو سکتا جس میں آتش گیر مادہ رکھ کر انسانوں کو
زخمی کرنا فطرت کے خلاف ہے دھات ہی کو نہیں سارے عناصر عالم
کو تعمیری مقاصد کے لئے برتنا چاہیئے۔
کون سنتا ہے ان باتوں کو دیکھتے ہو بعض ممالک میں
جنگ کا بجٹ کتنی تیزی سے بڑھ رہا ہے امن اور دوستی کی
باتیں صرف زبان سے نہیں دل سے ہونی چاہئیں۔
مشکل یہ ہے کہ جن لوگوں کے پاس زبانیں ہیں
ان سب کے سینے میں دل نہیں لوہے کے ٹکڑے ہیں۔
سچ کہتے ہو ارشاد، جنگ ختم ہو چکی ہے ہم فاتح ضرور
ہیں مگر دل سے چاہتے ہیں کہ لڑائی دوبارہ نہ ہو جیتنے والا فخر ہی
کر سکتا ہے اپنی فتح پر، اس کو جیت سے کوئی فائدہ نہیں اور
ہارنے والے کی بدنصیبی کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔
اسی وقت ملازمہ چائے کی ٹرے ہاتھوں میں لئے
آ گئی وہ سبز رنگ کی ساری میں لپٹی شاخ زیتون پر طنز کر رہی
تھی۔

یہ ہری ساری تھی میں نے کہا زبیدہ حلیم کی ذہانت
کا تصور پیش کر رہی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی دماغی
صلاحیتوں کو جنگ کے خلاف استعمال کرنے پر تلی ہوئی ہے۔
ملازمہ ٹرے میز پر رکھ کر چلی گئی اس کے جاتے ہی
پردے میں ایک رومانی جنبش ہوئی، اور زبیدہ حلیم
امن کے سفید پرچم کی طرح دودھیا لباس پہنے برآمد ہوئیں
میں استقبال کو کھڑا ہو گیا۔ ان کے باریک جنبلی کی کلیوں سے
زیادہ نازک اور حریری لبوں پر مسکراہٹ کی خوبصورت
سی لہر تھی۔
گلدان کیسا لگا آپ کو؟ زبیدہ حلیم نے پیشانی کی
جانب ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔
کیا بتاؤں کیسا لگا، مختصر یہ ہے کہ آپ نے تلوار کی
دھار کو پھول کی پتیوں میں تبدیل کر دیا ہے۔
ارشاد ابھی تمہارے آرٹ کو سراہ چکے ہیں۔

بڑی تعریف کر رہے تھے تمہاری۔
دیدہ دری ہے ان کی!
ورنہ آپ کس قابل ہیں، حلیم قہقہہ لگاتے ہوئے بولا
ایسا نہ کہو حلیم زبیدہ تمہارے لئے سب کچھ ہیں،
زندگی بھی اور اس کی حرارت بھی۔
چھوڑیئے ان شاعرانہ باتوں کو ورنہ چائے
ٹھنڈی ہو جائے گی۔
تمہیں تعجب ہوگا، زبیدہ محاذ پر میں نے کئی مرتبہ
برف ڈال کر چائے پی ہے۔
عجلت جو ہوتی ہو گی فیلڈ سے نکلنے کی میں نے کہا۔
چاہتا ہوں اس مرتبہ فیلڈ پر جاؤں رخصت گزار کر
تو وہاں جتنے کیپسول مل سکیں سب کو دوستوں میں تقسیم
کر دوں تاکہ وہ ان میں مینی پلانٹ لگائیں آگ اور سبزی
دو متضاد چیزیں ہیں۔ میرا مقصد ہے ان میں سے ایک کا انتخاب
کر لیا جائے۔ ہریالی، امن، زندگی اور خوشحالی کا نشان ہے۔
ویسے دونوں چیزیں ہمارے لئے ضروری ہیں فرق
طرز فکر کا، آگ کو اچھے اغراض کے لئے استعمال کیا جائے
تو اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔
بیشک زبیدہ حلیم بولیں۔ دیکھیئے میں نے آگ ہی
میں پھول کھلائے ہیں کیپسول کو شعلہ اور انگارہ ہی کہا جائیگا۔
یقیناً زبیدہ حلیم آپ نے آگ ہی میں پھول کھلائے ہیں
وقت آ رہا ہے ارشاد جب تمہارا نقطہ نظر ہی دنیا
کی رہنمائی کرے گا میں نے ایک کیمپ میں جا کر قیدیوں سے
ملاقات کی ہے وہ کسی لڑکی پر بے وجہ تاخت کرنا اپنے مذہب
کی تعلیم کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک بے گناہوں
کا خون بہانا جائز نہیں۔
گفتگو جاری تھی کہ پروفیسر نظیر صبح کا اخبار لئے
آئے وہ زبیدہ کے ٹیوٹر تھے اخبار میز پر ڈالتے ہوئے بولے
کیا لڑائی سے جی نہیں بھرا لوگوں کا ہم فاتح ہو کر بھی
۴۲

بنت حوا رمضان المبارک نمبر اکتوبر ۱۹۷۲ء

دکھی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ دوسری طرف سے عجیب عجیب قسم کی خبریں آ رہی ہیں۔

آپ جانتے ہیں نظیر صاحب میں فوجی آدمی ہوں ایک لمحہ کے لئے بھی لڑائی سے نہیں ڈرتا میں پہل کرنا ہماری روایات اور تاریخ کے خلاف ہے اگرچہ جنگ کے امکانات ختم کرنے کی زبردست کوشش ہو رہی ہے بفرض محال لڑائی ہوئی تو پیش قدمی ہماری جانب سے نہیں ہوگی تمہارا کیا خیال ہے ارشاد۔؟

میں پروفیسر نظیر کے لئے چائے بناتے وقت سوچ رہا تھا کہ جس قدر ممکن ہو جلدی کا ہے یہ کیپسول شہریوں کو تقسیم کر ڈالے جائیں ان میں گلدستہ سجا کر ہی امن کے فرشتہ کو خوش کیا جا سکتا ہے۔

ٹھیک کہتے ہو ارشاد، جنگ میں جو کچھ ہوتا ہے مجھ سے پوچھو میں نے اپنے اور دشمن کے جوانوں کو خاک و خون میں لوٹتے دیکھا ہے میں اپنے سپاہیوں کے بدن سے بھی لہو بہتے دیکھا ہے کڑھتا تھا اور فریق (مقابل) کے آدمیوں کی لاشیں دیکھ کر میرے دل میں درد کی ٹیس اٹھتی تھی مجھے اپنی یونیفارم اور رائفل سے صرف اس لئے دلچسپی تھی کہ ہمارے لئے ایک پاکیزہ مقصد تھا۔ دھرتی کی عزت بچانے کا مقصد، بارجیت اصل میں مقاصد کی ہی ہوا کرتی ہے حریف کے سامنے کوئی منزل مقصود نہیں تھی اس لئے سپاہی دل شکستہ تھے

میں پوچھتا ہوں مستقبل میں جنگ کو کیونکر روکا جا سکتا ہے پروفیسر نظیر نے سوال کیا۔

حریف ایک بار انسانیت کے قتل عام کا نتیجہ دیکھ چکا ہے اس کے پاس نئی جنگ کے لئے کوئی اخلاقی مقصد نہیں عوام بے وجہ لڑنا پسند نہیں کرتے۔ وہ جینے کی فضا چاہتے ہیں جو لڑائی سے نہیں امن سے ملے گی۔ پھر دونوں طرف سے صلح اور دوستی کی کوششیں بھی شروع ہو چکی ہیں۔

بلاشبہ مقصد بڑی چیز ہے پروانے اسی وقت جاں دینے پر آمادہ ہوتے ہیں جب شمع گھر کو روشن کرنے کے لئے جلائی گئی ہو جلتا ہوا گلستاں پھونک دینے والے شعلوں کی طرف وہ کبھی رخ نہیں کیا کرتے۔ زبیدہ حلیم نے نہایت ہی سنجیدگی سے کہا،

حلیم ارشاد اور پروفیسر نظیر کے چہروں پر شگفتگی آ گئی۔ سب زبیدہ حلیم کی طرف دیکھنے لگے۔

▲▲

ارشاداتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)

مصعب بن سعد سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ سعد نے خیال کیا کہ اسے اپنے سے کمزور لوگوں پر برتری حاصل ہے (اس پر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں ضعیفوں اور کمزوروں کی وجہ سے ہی خدا کی طرف سے مدد اور روزی میسر ہوتی ہے۔

★

(بروایت ابوہریرہ رض) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، دوستی قائم کرنے سے پہلے دیکھ لینا چاہیئے کہ تم دوستی کس سے کر رہے ہو۔

★

(بروایت حضرت انس رض) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئیگا کہ ان میں اپنے دین پر ثابت قدم رہنے والا ہاتھ پر انگارے پکڑنے والے کے مانند ہوگا۔

سید اختر الاسلام ایم اے
۱۳۶۔ شاہ نمتن
میرٹھ۔

سُورۂ فاتحہ کی عظمتؒ وفضیلتؒ

سورہ کے معنی رفعت و بلندی ہیں گویا یہ سورہ ایک بلند مقام اور بلند منزل اور فصل ہے یعنی اپنے مضمون کا احاطہ کئے ہوئے ہے، ۱۱۴ سورتوں میں فاتحہ قرآن کریم کی پہلی سورت ہے جو مکہ معظمہ میں نازل ہوئی۔ اس میں سات آیات اور ۱۲۶ حروف ہیں یعنی قرآن کریم کی ابتدا اسی سورت سے کی گئی ہے۔ اس طرح یہ قرآن مجید کا دیباچہ اور مقدمہ ہے۔

ترجمہ :۔ شروع اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ سب تعریفیں اسی خدا کو لائق ہیں جو تمام عالموں کا رب ہے، بے حد مہربان اور بے انتہا رحم والا ہے۔ روز جزا کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں ہم کو سیدھی راہ پر چلا۔ ان ہی لوگوں کی راہ جن پر تو نے اپنا فضل کیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر تو نے اپنا فضل کیا ہے۔ ان لوگوں راہ نہیں جن پر تو نے اپنا غضب نازل کیا۔ اور نہ وہ راہ سے بے راہ ہوئے۔

اس سورہ کے بہت سے نام ہیں۔ اُم القرآن، اُم الکتاب، السبع المثانی (یعنی سات آیات والی) سورۃ الصلوٰۃ (یعنی نماز والی سورۃ جس کا ہر رکعت میں پڑھنا ضروری ہے) سورۃ الحمد (یعنی تعریف والی سورۃ) سورۃ الشفاء (شفا دینے والی سورۃ) سورۃ الرقیہ (دم و دعا والی) سورۃ الکنز (خزانے والی)۔ سورۃ الاساس (بنیادی سورۃ) سورۃ الوافیہ، سورۃ الکافیہ سورۃ الشافیہ، سورۃ الشکر، سورۃ الدعا، سورۃ المناجات وغیرہ

یہ سورۃ رب العالمین نے اپنے بندوں کی زبان سے ادا فرمائی کہ ان الفاظ میں اپنے خالق و رزاق کے سامنے اپنا عرض مدعا کریں۔

بخاری شریف میں حضرت ابو سعید خدری رض سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن شریف میں سب سے زیادہ عظمت سورۃ فاتحہ کو حاصل ہے یہ کل قرآن کا لب ولباب ہے یعنی جو احکامات قرآن شریف میں بہ تفصیل درج ہیں۔ اس میں ان سب کا اجمالی طور پر ذکر ہے۔ اس میں خدا کی پرورش، عالم رحمت کے درجہ کا غلبہ، قیامت کے دن، سب مخلوق کے فیصلے اور انصاف، اس کے لئے خاص

بزنب حرا رمضان المبارک نمبر اکتوبر ۱۹۷۴

عبادت اور ہر کام میں اس سے مدد مانگنے اور گمراہ لوگوں کے راستے سے بچانے کی استدعا ہے۔ یہی تین باتیں احکام شرع کے لئے ہیں اور خدا نے اس میں بتایا ہے کہ تم یہی دعا مانگو۔

نماز کی ہر رکعت میں اس کا پڑھنا واجب ہے۔ اگر کوئی نماز اکیلا پڑھتا ہو تو اس کا پڑھنا کسی دوسری سورۃ یا چند آیتوں کے خود لازم و ضروری ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک اگر امام موجود ہو تو چونکہ امام بطور وکیل ہوتا ہے اس لئے اس کا سب مقتدیوں کی طرف سے پڑھنا کافی ہے۔

اسلامی وظائف میں درج ہے کہ یہ سورۃ ہر بیماری کے لئے باعث شفا ہے۔ طاعون کے مریض پر بسم اللہ کے ساتھ یہ سورۃ دو دو بار پڑھ کر دم کرنے سے بحکم تعالٰی جلد شفا ہو جاتی ہے۔

جو شخص اسے فجر کی سنت اور فرض کے درمیان اکتالیس بار برابر پڑھتا رہے گا تو محتاج سے غنی ہو جائیگا۔ قرض دار ہے تو قرض ادا ہو جائیگا۔ کمزور ہے تو قوی ہو جائے گا۔ نوکری سے معزول ہے تو بحال ہو جائیگا۔ بے اولاد ہے تو اولاد مل جائے گی۔

علامہ ابن عربی فرماتے ہیں کہ مغرب کی فرض و سنّت کے اسی جگہ چالیس مرتبہ پڑھنے اور وہاں سے نہ اٹھنے پر اللہ تعالےٰ سے جو حاجت مانگے ملے گی اگر قیدی ایک سو اکتالیس بار پڑھے اور بیڑی پر دس بار دم کرے تو بفضل تعالےٰ آزاد ہو جائیگا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جب کسی شخص پر مصیبت پڑتے دیکھتے تو آپؐ سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم فرماتے۔ چنانچہ فرمایا۔ الفاتحہ شفاء کل داء۔ چنانچہ ایک شخص بیمار رہا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سورہ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کیا اور پھر اسے بالکل آرام ہو گیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ سورہ فاتحہ سورہ اخلاص کے ساتھ پڑھتے رہنے سے موت کے سوائے ہر آفت سے نجات مل جائے گی۔

اس سورۃ کے متعلق احادیث میں آیا ہے کہ جو اس کو ہر رات پڑھے گا اس کو فاقہ نہ ہوگا۔ اور جو ہمیشہ پڑھتا رہے گا وہ بفضل تعالےٰ کبھی محتاج نہیں ہوگا۔ ایک بار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضؓ کو کچھ مال دینا چاہا تاکہ وہ اپنی لڑکیوں پر خرچ کر دیں حضرت ابن مسعود رضؓ نے فرمایا:۔ کیا آپ ان لڑکیوں پر محتاج ہونے کا خیال کرتے ہیں جبکہ میں نے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دے رکھا ہے۔

اس کے خواص کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا ایک نقش بھی تیار کیا گیا ہے جو بہت زیادہ باعث سکون و رحمت ہے اور بکثرت استعمال کیا جاتا ہے۔

۲۳۶۵	۲۳۶۸	۲۲۷۱	۲۲۵۲
۲۲۷۰	۲۳۴۸	۲۳۶۴	۲۲۶۹
۲۳۸۱	۲۳۷۳	۲۳۶۶	۲۲۶۳
۲۲۶۷	۲۳۶۳	۲۳۶۰	۲۳۷۳

قرآن شریف کے ہر حرف کے خشوع و خضوع سے ادا کرنے پر دس نیکیاں دیجاتی ہیں اس طرح ۱۲۶۰ نیکیوں کا ثواب بآسانی مل جاتا ہے۔

میرٹھ کے ایک نیک شخص حضرت زیبا میرٹھی نے سورہ فاتحہ کی فضیلت کے پیش نظر اس کا ثواب حاصل کرنے کی غرض سے حسب ذیل اشعار میں اس سورۃ کو نظم کیا ہے:۔

نام سے اللہ کے کرتا ہوں آغاز بیاں ٭ وہ نہایت ہی رحم والا بڑا ہے مہرباں
ہے سزاوار خدائے پاک ساری خوبیاں ٭ جو ہے رب سارے جہانوں کا رحیم و مہرباں
ہے وہی انصاف کے دن کا بھی مالک بے گماں
یا الٰہی ہم فقط کرتے ہیں تیری بندگی ٭ اور ہم تے ہیں تجھی سے طالب امداد بھی
یا الٰہی ہم کو سیدھے راستے پر تو چلا ٭ ہاں انہی کا راستہ جن پر کرم تیرا ہوا
راستہ انکا نہیں جن پر غضب کی ہے نگاہ ٭ اور نہ انکا راستہ جو ہو گئے گم کردہ راہ
کر آمین

ڈاکٹر سید زاہد حسین

سرگزشت

سفرِ حجاز

اللہ تبارک وتعالےٰ علیم وحکیم ہے۔ میں اس امر سے غافل و لاعلم ہوں کہ اس کو میرا کونسا عمل پسند آیا کہ اچانک ہی میرے دل میں حج و زیارتِ حرمین شریفین کی لگن پیدا ہوگئی۔ جس وقت مجھے یہ توفیق نصیب ہوئی، ہوائی جہاز سے سفر کرنے کی درخواستوں کی آخری تاریخ ختم ہونے میں صرف چند روز باقی رہ گئے تھے۔ سمندری جہازوں میں سفر کرنے کی آخری تاریخ کو گزرے ہوئے عرصہ ہوچکا تھا۔ ۲۹ نومبر ۱۹۷۱ء کو درخواست حج کمیٹی کے دفتر میں داخل کردیگئی۔

ایک طرف دل میں سفرِ حج کا اشتیاق بڑھ رہا تھا اور دوسری طرف ملک پر جنگ کے مہیب بادل تیزی سے چھا رہے تھے یہی وجہ تھی کہ اس سفر کی جانب سے دل میں روز بروز مایوسی بھی بڑھ رہی تھی۔ اس تذبذب کے عالم میں ۴ دسمبر ۱۹۷۱ء کی شام کو ٹیلیفون پر اپنے محسن جناب حنیف خان صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ قرعہ اندازی کا نتیجہ میرے حق میں نکلا ہے۔ دل خوشی سے معمور ہوگیا لیکن اس اہم مرحلے سے گزرنے کے باوجود دل مطمئن نہ تھا۔ ملک کے سیاسی حالات وسوسوں کو ہوا دے رہے تھے جو گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ خوف میں تبدیل ہوتے رہے۔ مجھے نہ صرف یہ ڈر تھا کہ جنگ کی وجہ سے میرا سفرِ حج افراتفری کی نذر ہو جائیگا بلکہ اس لئے بھی کہ کہیں جنگ کی تباہیاں اور ہولناکیاں ملک وقوم کا شیرازہ نہ بکھیر دیں۔ جنگ اور خاص کر دورِ حاضر کی جنگ ہر دو فریق کو جو اس میں ملوث ہوتے ہیں، متاثر کرتی ہیں۔ ان کی تہذیب و تمدن، اقتصادیات اور معاشیات کو زبردست دھچکا پہنچاتی ہے اور آخر کار قوموں کا امن وسکون درہم برہم ہوجاتا ہے۔

جنگ کا جوالامکھی آخر پھٹ ہی پڑا۔ اس کے سیاہ

بادل قصبوں اور شہروں کی جانب بڑھنے لگے بمبئی میں اس کا اثر بلیک آؤٹ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ان دنوں بمبئی کے اکثر باشندے سر شام ہی مکانوں میں بند ہو جاتے تھے گھروں کی مدھم روشنی میں بہ حالت اضطراب اندھیروں اور لمبے لمبے سایوں کو تکتے تھے۔ ہر لمحہ ریڈیو اور سائرن پر آواز پر کان لگائے رہتے تھے۔ بلیک آؤٹ کی ان تاریک راتوں کو بمبئی کا کوئی باشندہ بھلا نہیں سکیگا۔ ایک شام جب ایک توپوں (ANTI AIRCRAFT GUNS) سے ہوائی مار کی گئی تو عوام کو پہلی بار جنگ کی بڑھتی ہوئی گہرائی کا اندازہ ہوا۔ یوں تو ہر نئی صبح پیغام امید لاتی ہے لیکن اس شام کی جب صبح آئی تو چیزوں پر ہنوز سراسیمگی باقی تھی۔ مگر دلوں کو اس پریشانی اور بے چینی سے زندگی کی گھما گھمی اور کام کاج کی مصروفیتوں میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ بلیک آؤٹ کی ان راتوں میں جب کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دیتا تھا میری نگاہیں بار بار آسمان کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ستاروں کی چمک دوبالا ہو گئی تھی۔ روشن آسمان آنکھوں کو ٹھنڈک بخشتا تھا اور امید ستاروں کی جھرمٹ میں ایک جال سا بننے لگتی تھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ستاروں کے اس پار سے پیغام آرہا ہو کہ بہت جلد پھر امن و آشتی کے چراغ شہر کے گوشے گوشے میں جل اٹھیں گے۔

۱۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کو جنگ بندی کا اعلان ہوا دیکھتے ہی دیکھتے حالات معمول پر آگئے۔ محلے اور سڑکیں پھر جگمگا اٹھیں۔ اور گزشتہ چند دنوں کے واقعات ایک خواب پریشاں کی طرح ذہن کے کسی گوشے میں محفوظ ہو گئے۔ نئے سال کے شروع میں حج کمیٹی کی جانب سے ایک پروانہ ملا کہ حج کمیٹی میں رجوع ہو کر سفر حج کی کارروائیاں مکمل کر لوں۔ ہر اس آدمی کو جو حج کا ارادہ کرتا ہے اپنے سفر کا آغاز صابو صدیق مسافر خانہ سے شروع کرنا پڑتا ہے۔ جب مجھے ۱۲ جنوری ۱۹۷۲ء کی صبح پرواز کرنے کے لئے اسی شب کو کوئی دس بجے

ملحٹ، پاسپورٹ اور ہیلتھ سرٹیفکیٹ ملے تو ایسا محسوس ہوا کہ وہ پہلا خط مسافر خانے کی غلام گردشوں کا پروانہ تھا حساس دل کے لئے یہ مرحلہ پل صراط سے کم نہ ہوتا۔ سفر حج کی کارروائیوں میں وقت جیسی بیش بہا نعمت بے دریغ ضائع ہوتی ہے۔ ان پیچیدہ کارروائیوں کی وجہ یہ ہے کہ منتظمین حج کمیٹی اپنے لئے عقل مند اور جہاں دیدہ مربی کا مقام مخصوص کر کے عازم حج کو طفل ناداں سمجھتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عازم حج کو نہ علم حاصل ہوتا ہے اور نہ ذمہ داری کا احساس۔ نہ وقت کی پابندی کا خیال پیدا ہوتا ہے اور نہ ہم سفروں ہی کی تکلیف کا احساس۔

حج کمیٹی حکومت کی ایک مشینری ہے مگر اس میں اور حکومت کی دوسری مشینریوں مثلاً ریلوے اور ایرویز (AIRWAYS) میں بڑا فرق نظر آتا ہے جہاں مؤخر الذکر شعبے مسافروں کو اپنے سفر کا مکمل ذمہ دار سمجھتے ہیں وہاں منتظمین حج کمیٹی سفر کی پوری ذمہ داری اپنے سر لیتے ہیں۔ ان کا یہی طریقہ کار تمام خرابیوں کی جڑ ہے مثال کے طور پر مسافروں کی کسی جماعت (گروپ) میں اگر کسی ایک مسافر کی کارروائی بھی مکمل ہونے سے رہ جائے تو تمام کی کارروائی دھری رہ جاتی ہے۔ دوسرے جب تک ایک گروپ کا کوئی ایک مرحلہ مثلاً ہیلتھ سرٹیفکٹ یا بینک ڈرافٹ مکمل نہ ہو جائے دوسرے گروپ کی وہی کارروائی شروع نہیں ہو سکتی۔ اس طریقہ کار کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عازم حج کو اپنی کارروائی کو مکمل کرنے کے لئے جو وقت دیا جاتا ہے اس کے کئی گھنٹوں بعد اور بعض اوقات دوسرے دن عمل میں آتی ہے عازم حج کو نہ صرف انتظار کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے بلکہ احساس خودداری کو بھی ٹھیس پہنچتی ہے ایک حساس اور ذمہ دار انسان کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور کیا مذاق ہو سکتا ہے کہ وقت معینہ پر حاضر ہونے پر اس سے کہا جائے "یا

آپ ٹھہر جائیے یا پھر کل صبح آجائیے۔" اس طریقہ کار کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسافرخانے میں سیکڑوں اور اکثر اوقات ہزاروں کا اجتماع ہوجاتا ہے اکثر مسافروں کو اس حالت میں کئی دن تک کسمپرسی کی حالت میں مسافرخانے میں پڑا رہنا پڑتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر یہی حال ریلوے اور ایرویز کا ہوجائے تو ان کا انتظام ٹھپ پڑ جائیگا۔ اور لوگ سفر کرنے سے توبہ کرلیں گے۔ اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ منتظمین حج کمیٹی ان کارروائیوں کو کے طریقۂ کار کو از سر نو ترتیب دیں تاکہ عازمین حج کو ان تمام پریشانیوں سے نجات ملے۔ اور ان میں وقت کی پابندی اور ذمہ داری کا احساس بیدار ہوجائے۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ وہ ایمان باللہ کی قوت اور حقوق اللہ کی ادائیگی کی تمنا ہی ہوتی ہے جو عازم حج کو ان مرحلوں سے گزرنے میں سہارا دیتی دیتی ہے لیکن حقوق العباد سے غفلت اور چشم پوشی کو دیکھ کر میری آنکھوں کے سامنے میدان حشر کا نفسی نفسی کا نظارہ آجاتا ہے۔ مسلمان اپنے دلوں کو ایمان سے مزین کرکے سچے مومن تو بن جاتے ہیں لیکن بھائی چارے اور محبت کی دولت سے محروم رہ کر بکھرے بکھرے رہتے ہیں۔ سفر حجاز کے ہر دور میں مجھے اسی حقیقت کا عینی مشاہدہ ہوا ہے۔ میرے مشاہدے کا نچوڑ یہ ہے کہ سینے قلب سلیم سے خالی ہیں۔ دل، علم و تدبر اور خلوص و پاکیزگی سے عاری ہیں اور آنکھیں بصیرت افروز نگاہوں سے ناآشنا ہیں۔

سامانِ سفر: یوں تو مجھے سامانِ سفر کی ضرورت نہ تھی کیونکہ میرے بھائی جدہ میں مقیم ہیں۔ لیکن چونکہ حج کا ارادہ تھا اسی لئے میں نے ایک حاجی کی تمام خصوصیات کو اپنانا ضروری سمجھا۔ میں ہمیشہ سے اس امر کا سختی سے پابند ہوں کہ سفر میں کم سے کم سامان سفر ساتھ رہے اور پھر سفر ہوائی جہاز کا تھا۔ اسی لئے ضروری سامان کا تصفیہ میرے لئے ایک مشکل مسئلہ بن گیا۔ لیکن کتابچہ "آسان حج" سے میری یہ مشکل حل ہوگئی۔ یہ کتابچہ بہت مختصر مگر جامع ہے۔ اس کے ابتدائی اوراق میں نیت کی درستگی کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس سفر کا حقیقی سامان حساس دل اور پاکیزہ روح ہے۔ عزم سفر کے ساتھ کئی طرح کے ذہنی وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ اہل و عیال، کاروبار سفر کے مصارف و اخراجات وغیرہ کی فکریں نت نئے انداز سے صفحۂ دماغ پر ابھرتی ہیں۔ ان وسوسوں کا جواب دماغ اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق ادا کرتا ہے۔ لیکن بسا اوقات یہ جوابات نیت کو درست کرنے کے بجائے اس کو غلط راہ پر ڈال دیتے ہیں۔ مثلاً کثیر مصارف کا خیال آتے ہی ذہن کے کسی گوشے سے یہ جواب ملتا ہے کہ ہوائی جہاز سے سمندر پار کا سفر ہے۔ چند گھنٹوں میں جدہ پہنچ جائینگے نئے شہروں یعنی جدہ، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی سیر ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے یہ جوابات سفر کی اہمیت اور اخراجات کی واجبیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر نیت کو ضرر بھی پہنچاتے ہیں۔ عازم حج کی نیت صرف یہ ہونا چاہیئے کہ اس سفر میں اس کا ہر عمل اللہ کی خوشنودی اور تشکر کے لئے ہے۔ ورنہ سیر کے علاوہ اللہ کے نزدیک اس کا کوئی اور اجر نہ مل سکیگا۔ ذہن میں جب یہ نیت داخل ہوجاتی ہے تو پھر تمام وسوسے بھی ختم ہوجاتے ہیں۔ وہ اللہ کو، اہل و عیال وغیرہ کا ضامن و امین بنا کر مطمئن ہوجاتا ہے، تمام مصارف اور تکالیف کو اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کی راہ میں ادنیٰ سی قربانی سمجھتا ہے اور پھر اس راہ کی مشکلات نہ صرف آسان ہوجاتی ہیں بلکہ ان میں لطف بھی آنے لگتا ہے۔

آغازِ سفر: ۱۱ اور ۱۲ جنوری کی درمیانی شب جب میں مسافرخانے سے گھر پہنچا تو پورے گیارہ بج چکے تھے۔ حج کمیٹی سے ٹکٹ، پاسپورٹ اور ہیلتھ سرٹیفکیٹ کے علاوہ

ایک پرچہ بھی ملا جس میں جہاز کے پرواز کی تفصیلات تھیں۔
یہ پرچہ در اصل پچھلی پرواز کا تھا کمپنی کے ایک عہدہ دار نے اس کے متعلق بس اتنا کہہ دیا کہ طیارہ بجائے صبح ساڑھے آٹھ بجے کے نو بجے بمبئی سے پرواز کریگا۔ لیکن ہمیں ایرپورٹ پر کوئی تین گھنٹے پہلے پہنچ جانا چاہیئے۔
الصبح کوئی ساڑھے چار بجے الارم نے مجھے نیند سے بیدار کیا۔ ناکافی اور بے چینی کی نیند کی وجہ سے آنکھیں بوجھل سی تھیں لیکن جب منہ ہاتھ دھو کر تیاری میں لگ گیا تو طبیعت بشاش ہوگئی۔ سردی کا زمانہ تھا اور احرام کی حالت میں سردی لگ جانے کا (جن سے میری طبیعت کو گہرا لگاؤ ہے) ڈر تھا اسی لئے وضو کو غسل پر ترجیح دے کر احرام کی ایک چادر جو سفید تولیہ کے کپڑے کی تھی، تہبند باندھا اور دوسری چادر کو سر پر سے اوڑھا میں نے اسی حالت میں دو رکعت نماز نفل پڑھی۔ چونکہ ہوائی جہاز سے سفر کرنے والوں کا میقات درمیان سفر آتی ہے اور دوران پرواز احرام باندھنا دشوار ہوتا ہے۔ اسی لئے افضل یہی ہے کہ عازم حج بمبئی سے احرام باندھ لے۔ ویسے جدہ پہنچ کر بھی احرام باندھا جاسکتا ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔ لیکن میں نے گھر ہی سے احرام کی حالت میں نکلنے کو ترجیح دی ممنوعات و مکروہات احرام کو پہلے ہی ذہن نشین کر چکا تھا۔ نماز کے بعد میں نے چادر کندھے پر سے اوڑھ لی۔ اور سر برہنہ چھوڑ دیا۔ اس کے بعد میں نے عمرہ کی یوں نیت کی۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھَا لِیْ وَتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ (اے اللہ میں عمرہ کی نیت کرتا ہوں اس کا ادا کرنا مجھ پر آسان فرما اور قبولیت بخش دے) حج تمتّع ادا کرنے والے کو میقات پر عمرہ کی نیت سے احرام باندھنا پڑتا ہے اور عمرہ ادا ہو جانے پر وہ احرام سے فراغت پا جاتا ہے۔ احرام اس دنیائے فانی کا نہایت ہی سادہ لباس ہے۔ بس دو معمولی سی چادریں لیکن اس سادہ لباس کو زیب تن کرنے کے بعد جو کیفیت مجھ پر طاری ہوئی اس کو پوری طرح الفاظ کا جامہ پہنانا مشکل ہے۔ ان لمحات میں میں روزہ دار کی سی کیفیت محسوس کرنے لگا۔ شروع کے کچھ ساعتیں میں نے کچھ کھایا پیا بھی نہیں، لیکن جب کھا پی بھی لیا تو روزہ ہی کی کیفیت قائم رہا۔

عمرہ کی نیت کرنے کے بعد میں بہ آواز بلند تین مرتبہ تلبیہ پڑھنے کی کوشش کی (جس کے الفاظ یہ ہیں۔ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ؕ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ ؕ لَا شَرِیْکَ لَکَ
میں حاضر ہوں»، اے اللہ میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، سب خوبیاں اور سب نعمتیں تیری ہی ہیں اور سلطنت تیری ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں)۔ لیکن قلب پر رقت طاری ہوگئی۔ اور تلبیہ کے الفاظ حلق میں پھنستے رہے اور رک رک کر ادا ہوتے رہے یہ عاصی اور گنہگار اللہ کی نشانیوں (شعائر اللہ۔ بقرہ۔ ۱۹ع) کی طرف خود کو رجوع کرکے اس کی بارگاہ میں رکتی اٹکتی اور مضطرب صدا میں کہتا رہا۔ میں آ رہا ہوں، اے اللہ میں آ رہا ہوں، تیری ذات شک و شبہ سے بالاتر (لاریب) ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں، تمام بزرگیاں، تمام خوبیاں اور تمام تعریفیں تجھ ہی کو سزاوار ہیں۔ یہ تیری کتنی بڑی نعمت ہے کہ آج میں تیری پسندیدہ سرزمین اور تیری نشانیوں میں پہنچ کر تیرے دربار میں حاضری دینے والا ہوں۔ میرے قلب و روح اور اس دنیا کے چپہ چپہ پر تیری ہی حکمرانی ہے۔ تو لا شریک ہے۔ میرے مالک، پروردگار عالم تیری بادشاہت میں کوئی شریک نہیں ہے"۔ قلب کی اسی کیفیت کے ساتھ میں سجدہ ریز ہو کر بارگاہ ایزدی میں شکر و احسان ادا کرنے لگا۔

چند لمحوں بعد جب بے قابو طبیعت کو کچھ حاصل ہوا تو نماز فجر ادا کیا۔ اب گھر، بیوی بچے، والدین اور دوست احباب کو رخصت کرنے کا وقت آ پہنچا تھا دل ہی دل میں سب کو اللہ کی اماں میں دے کر میں گھر سے نکلا

پابندی کچھ زیادہ ہی تھی۔ لیکن میری حالت یہ تھی کہ سینے اور پیٹھ سے پسینہ کی دھاریں بہہ کر اتر رہی تھیں۔ یہ احرام کا رعب داب ہی تھا کہ سردی کے عالم میں بھی خوشگوار گرمی محسوس کر رہا تھا۔

صبح سات بجے سے کچھ پہلے میں اہل و عیال کے ساتھ ایرپورٹ پہنچا۔ یہ دیکھ کر کہ میں ان چند نادانوں میں سے تھا جو وقت کی پابندی کرتے ہیں کچھ مایوسی ہوئی۔ ویسے ہوائی سفر کا یہ میرا پہلا موقع نہ تھا اور میں جانتا تھا کہ پرواز سے ایک گھنٹہ پہلے ایرپورٹ پر پہنچ جانا کافی ہوتا ہے۔ بہرحال حکم حاکم کی تعمیل ضروری تھی۔ لیکن حکم صادر کرنے والے منتظمین ڈیڑھ گھنٹہ بعد ایرپورٹ پر نظر آئے تو حکم کی وقعت کا اندازہ ہوا۔ کوئی ساڑھے نو بجے صبح ہمیں کسٹم ہال میں داخل ہونے کی اجازت ملی۔ دوستوں اور رشتہ داروں سے رخصت ہو کر کسٹم سے گزرا اور پھر اندرونی لاونج میں بیٹھ کر انتظار کی گھڑیاں تلبیہ اور ہم سفروں کے چہروں کو پڑھتے ہوئے گزارنے لگا۔

پورے دو گھنٹے کے انتظار کے بعد طیارے پر سوار ہونے کا وقت آیا۔ یہ سعودی عرب ایرلائن کا بوئنگ ۷۴۷ طیارہ تھا جس میں تقریباً ایک سو پینسٹھ مسافر بیٹھ سکتے ہیں۔ کوئی پونے بارہ بجے طیارہ نے اپنے سفر کا آغاز مشرق کی سمت میں اڑ کر کیا۔ ٹرامبے کی پہاڑی پر پہنچتے پہنچتے وہ تیس ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ چکا تھا۔ سمندر کے کنارے بھابھا اٹامک ریسرچ سنٹر کی عمارتیں صاف نظر آ رہی تھیں۔ طیارہ ٹرامبے کی پہاڑی پر چکر لگاتا ہوا پھر مغرب کی سمت ہو لیا۔ دس منٹ میں بمبئی کا کنارہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ موسم بہت صاف ستھرا اور خوشگوار تھا۔ آسمان صاف و شفاف اور گہرے نیلے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ جب میں نے سطح سمندر پر نظر دوڑائی تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ نیچے بھی وہی نیلگوں آسمان ہے۔ سمندر اور آسمان ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور ان کو علٰحدہ کرنے والا افق کا کہیں بھی پتہ نہ تھا۔ بہت دیر کے بعد افق پر سفید بادل کی ہلکی سی لکیر ابھری۔ میرے پہلو والی سیٹ پر نوجوان، خوب رو ڈاکٹر نثار احمد شیخ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپس میں ایک دوسرے کا تعارف ہوا۔ سفر کے دوران مذہبیات پر گفتگو ہوتی رہی۔ وہ اپنی والدہ اور خالہ وغیرہ محرم کی حیثیت سے حج پر جا رہے تھے۔ ان کی ملنسار طبیعت نے سفر کے دوران مجھے تنہائی کا احساس نہ ہونے دیا۔

کوئی چار گھنٹے کے مسلسل سفر کے بعد طیارہ پھر زمین پر پرواز کرنے لگا۔ ریگستان کی ہلکی زعفرانی ریت اور کہیں کہیں تیل برآمد کرنے والے کارخانے صاف نظر آ رہے تھے۔ جدہ ایرپورٹ پر پہنچنے کو بیس منٹ باقی ہوں گے کہ ریگستان میں جگہ جگہ زمین پر کالے کالے دھبے نظر آنے لگے۔ یہ دراصل اونچی اونچی پہاڑیاں ہیں۔ طیارہ سے ان پہاڑیوں پر بل کھاتی لکیریں صاف نظر آتی ہیں۔ جیسے کسی زمانے میں ان پر سے ندیاں بہتی ہوں لیکن آج سوکھ گئی ہیں۔ ان کی اصل حقیقت کا علم بہرحال میری دسترس سے باہر ہے۔

طیارہ جب جدہ ایرپورٹ پر اترا تو بمبئی کو چھوڑے ہوئے پورے پانچ گھنٹے ہو گئے تھے۔ صحت کے اسناد کی پوری طرح جانچ ہونے کے بعد طیارہ پر سے اترنے کی اجازت ملی۔ ایرپورٹ کی عمارت کے قریب ایرانی اور سوڈانی حاجیوں کی جماعتیں پہلے ہی سے اپنی باری کا انتظار کر رہی تھیں۔ کوئی گھنٹے بھر کے انتظار کے بعد ہماری باری آئی۔ پاسپورٹ آفیسر نے دخول کا چھاپا لگا کر پاسپورٹ اپنی تحویل میں لے لیا۔ تاکہ معلم کے ایجنٹ کو حوالے کر دے۔ یہاں کسٹم میں بھائی آ گئے تھے۔ ان سے پورے آٹھ سال بعد ملاقات ہوئی تھی۔ ہم بغلگیر ہو گئے۔ یوں تو بے حساب باتیں کرنے کو جی چاہتا تھا لیکن سامان کی کھوج میں سکون نہ ملا۔

سامان کی جانچ پڑتال کے بعد ہم ایرپورٹ کی عمارت سے باہر نکلے۔ ہر طرف مسافروں کا ہجوم تھا۔ کہیں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ دروازے پر ہی بھائی کے صاحبزادے سے

ملاقات ہوئی۔ یہ وہاں تقریباً سارا ملا جو میرا انتظار کر رہے تھے۔ وہ چار قدم آگے بڑھے اور ہجوم کی گرفت کے باوجود مسلم کے ایجنٹ نے مجھے خوش آمدید کہا لیکن جیسے ہی ان کی نظر بھائی پر پڑی چہرہ اتر گیا۔ شاید اس نا امیدی سے کہ میں ان کی آمدنی کا ذریعہ نہیں بن سکوں گا۔

کسٹم کی عمارت کے آگے وسیع صحن ہے جس کو ایک دو منزلہ عمارت احاطہ کئے ہوئے ہے اس عمارت میں ہر طرف ایجنٹوں کے دفاتر ہیں۔ کسٹم آفس کے بغل میں بھارتی وزارت اوقاف کا ایک ذیلی دفتر بھی ہے۔ عمارتوں سے گھرا ہوا صحن مسافروں اور ان کے سامان سے اٹا پڑا تھا۔ اس نظارے نے میرے ذہن میں صابو صدیق مسافر خانے کی یاد تازہ کردی۔ جہاں نئے مسافروں میں بے چینی اور افراتفری صاف ظاہر تھی وہیں ایسے بھی مسافر نظر آئے جو اپنے صندوقوں اور سوٹ کیسوں کو جمائے ایسے اطمینان سے بیٹھے تھے جیسے وہاں عرصے سے بیٹھے ہوں اور انہیں وہیں کچھ دن اور رہنا ہے۔ احاطے کے مغربی حصے میں گیٹ ہے جو سڑک شارع المطار پر کھلتا ہے باہر سڑک کے ساتھ ایرپورٹ کی عمارت دور تک چلی گئی ہے۔ اس عمارت کی نچلی منزل پر چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں پہلی اور دوسری منزل پر مسافر خانے کے کمرے بنے ہوئے تھے اسی عمارت میں کسٹم سے کوئی دو تین سو قدم پر بینک تھا جہاں میں نے اپنا ڈرافٹ کیش کروایا پھر عمارت کے اسی حصہ میں لوٹ کر پچاسی ریال ادا کرکے اپنا پاسپورٹ حاصل کرلینا چاہا۔ وہ مجھے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا تنازل (داخلہ کا اجازت نامہ) دے کر مزید رقم وصول کرنے کی فکر میں تھے لیکن چونکہ وہ مدینہ منورہ کے تنازل میں بیس ریال زیادہ مانگ رہے تھے بھائی نے انکار کردیا جس پر بھائی اور ایجنٹ میں کچھ تکرار ہوگئی۔ میں سفر کے دوران ضرورت سے زیادہ بردبار ہوجاتا ہوں اور پھر اس وقت تو میں احرام کی حالت میں تھا۔ اگر بھائی ساتھ نہ ہوتے تو اپنی عادت کے مطابق ان کی ادائیگی کرتا کہ ضرورت سے زیادہ رقم ادا کیوں نہ دینا پڑتا۔ بہرحال بھائی بضد ہوگئے کہ تنازل وہ براہ راست حاصل کرلیں گے اور بادل ناخواستہ پاسپورٹ ہمارے حوالے کردیئے۔

اس تمام تگ و دو میں شام ہو چکی تھی۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ ہم ایک خوبصورت امپالا ٹیکسی کے ذریعے گھر پہنچے۔ بھابی اور بچوں سے چھ سال بعد ملاقات ہوئی سب کو دیکھ کر پرانی یادیں تازہ ہوگئیں۔ سب بچوں نے مل کر گھر کو خوب چمکایا تھا۔ وہاں سب لوگ دوپہر کے کھانے پر انتظار کر رہے تھے۔ لیکن ہم سب کو مل کر رات کا کھانے کا موقعہ ملا۔ مجھے گھر کی یاد آگئی۔ الصبح ناشتہ گھر پر بیگم بچے اور والدین کے ساتھ کیا تھا اور کوئی چودہ گھنٹے گزرنے کے بعد میں بھائی کے گھر میں تھا۔ جہاں مجھے اپنے ہی گھر کا آرام و آسائش میسر تھا۔ کھانے پر سب سے قدرے باتیں ہوئیں۔ پھر نماز ادا کیا اور بھائی کے ہمراہ مکہ معظمہ کی راہ پر گامزن ہوگیا۔ (باقی آئندہ)

بقیہ: نفس پرستی (صفحہ ۸ سے آگے)

سے زبردستی روکا جاسکتا ہے مگر کسی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے آپ غلط کام نہیں کریگا۔

یہ اسی قسم کی صورت حال ہے جس کے متعلق قرآن شریف میں کہا گیا ہے کہ افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ یعنی آدمی نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے وہ وہی کرتا ہے جو اسکا دل کہے۔ وہ کسی دوسرے کی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہے خواہ وہ کتنی ہی حق اور صحیح کیوں نہ ہو۔

تحریر:۔ مصطفےٰ لطفی المنفلوطی
تلخیص و ترجمہ:۔ اشتیاق احمد لاری ندوی

وفا

مکرمی!

چند سال قبل میں نے ایک صالح اور عفت مآب خاتون سے شادی کی ہے، ان کے ساتھ میری زندگی ہنسی خوشی بسر ہو رہی تھی کہ اچانک انھیں آشوب چشم کی شکایت ہو گئی اور بہت جلد ان کی آنکھوں کی روشنی زائل ہو گئی۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ان کے ساتھ ہی میں نے بھی اپنی بصارت کھو دی ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ انھیں طلاق دے کر کسی دوسری خاتون سے عقد کروں۔ اس سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟؟

(ایک انسان)

اے انسان! تم ایسا نہ کرو، ورنہ تم خائن اور بیوفا کہلاؤ گے۔ بلکہ تم پہلے کی بہ نسبت زیادہ سے زیادہ ان کی دلجوئی کرو۔ اپنے بیشتر اوقات ان کے ساتھ گزارو، تاکہ صابرین اور محسنین کی طرح تم بھی خدا کے یہاں اپنے اجر کا انتظام کر سکو۔

تم اسے نابینا اور بے بصارت مت کہو۔ ایسا مت سمجھو کہ اب تمہارے لئے اس کے اندر کوئی خیر کوئی حسن اور دلفریبی کا کوئی سامان نہیں ہے۔ نہیں، بلکہ تم اپنے دونوں پہلوؤں میں محبت، احسان، سخاوت اور ایثار کی لذت محسوس کرو گے ایسی لذت جس پر جنت نشان محلات میں رہنے والے اور حور شمائل بیویاں رکھنے والے بھی رشک کریں گے۔

تم اپنی صبحیں اور شامیں اس کے پاس گذارو۔ ایک محبت شعار شوہر کی طرح اس سے پیش آؤ۔ اس کے ساتھ لطف و نرمی کا برتاؤ کرنے میں اپنی تمام کوششیں صرف کردو۔ اس کے قلب کو اس طرح بیدار کردو کہ وہ اپنے رنج و غم بھول جائے۔ اس سے کہو، تم گھبراؤ نہیں، پریشان مت ہو، رنج مت کرو، میں ہی تمہاری بصارت ہوں، تمہاری آنکھوں کی روشنی میں ہوں، یہی روشنی تم کو راستہ دکھائے گی۔

اے انسان! خدا کی پناہ! ایسا فاسد خیال، طلاق و فراق کا خیال تمہارے دل میں پیدا ہو۔ اس نے تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں، بیوفائی نہیں کی، اس نے تم سے فریب نہیں کیا، تمہارے عہد کو نہیں توڑا کہ تم اس کے ساتھ فریب کرو اور اس کے عہد کو توڑ دو۔ اگر تم اس کی بے بصارتی کا بدلہ لینا ہی چاہتے ہو تو تقدیر سے جنگ کرو، کیا تم ایسا کر سکو گے؟؟

وہ انسان کس قدر بزدل اور کمزور ہے جو غیظ و غضب کی حالت میں بے گناہوں کی طرف دستِ سزا دراز کرتا ہے اور ایسے شخص پر ظلم کرتا ہے جس نے اس کے اوپر ذرا بھی ظلم نہیں کیا ہے۔

اگر عدل و انصاف کے نام پر (جس کے متعلق خدا کے یہاں تم سے پوچھا جائے گا) تم اس کی حفاظت نہیں کر سکتے، اس کو اپنے پاس نہیں ٹھہرا سکتے تو انسانیت تم سے احسان کا مطالبہ کرتی ہے کہ تم اسے الگ مت کرو۔

بیشک تم نے اسکی آنکھیں کھو دی ہیں، مگر تم اس کے دل سے لذت و سرور حاصل کرو گے اور اس دنیا میں عیش و نشاط کی لذت ایسے ہی دل سے اٹھائی جا سکتی ہے جو محبوب کی یاد میں دھڑکتا رہے اور ایسی زبان سے جو اس کی یاد میں ہمیشہ جنبش کرتی رہے۔

تم نے اس کی معیت و مصاحبت میں آسودگی اور عیش و نشاط کا ایک زمانہ گذارا ہے اور جس طرح اسکی صحبت و مخالطت میں تمہارا دل سرور و انبساط سے دھڑکتا تھا اسی طرح اب اسے رحمت و محبت سے دھڑکنا چاہیئے۔

میرا خیال ہے، جو زخم اسے لگا ہے، اگر تمہیں لگا ہوتا تو وہ تمہیں ہرگز نہ چھوڑتی اور نہ تمہارے ساتھ بیوفائی اور بدعہدی کرتی ہے۔ تم پوری کوشش کرو ایک کمزور اور ناتواں عورت مہر و وفا اور خلوص و ایثار میں تم پر سبقت نہ لیجانے پائے۔

اس سے الگ ہو کر تم کس سے پیمانِ وفا باندھو گے! تم نے اس کے رہنے کے لئے کونسی جگہ منتخب کی ہے؟ کیا تم نے اس کے آرام و آسائش کے لئے ایسے وسائل مہیا کر دیئے ہیں جو اسے عیش پہنچا سکیں، جو وحشت و تنہائی میں اس کی غمخواری کر سکیں۔

تم عیش و سکون کی زندگی سے کیسے لطف اندوز ہو سکو گے جب رات کی پُر سکون خاموشی میں یہ خیال تمہیں ستانے لگے گا کہ اس وقت تمہاری رفیقۂ حیات تنہائی کی اذیت میں مبتلا ہوگی، آج سے پہلے ایسی حالت کا اسے گمان بھی نہ گذرا ہوگا۔ اس نے پیاس سے مجبور ہو کر ایک گھونٹ پانی طلب کیا ہوگا، مگر اسے پانی دینے والا کوئی نہ ہوگا یا جب بھوک کی شدت سے وہ بیتاب ہوئی ہوگی تو کوئی ہمدرد و چارہ گر نہ ہوگا جو روٹی کے ایک ٹکڑے تک اس کی رہنمائی کرے اور جب وہ کسی ضرورت سے اپنے بستر سے اٹھی ہوگی اور بدقسمتی سے کسی دیوار سے اس کی پیشانی زخمی ہوگی اور بہتا ہوا خون اس کے آنسوؤں میں مل گیا ہوگا، کیا اُس کی یاد تمہیں بے چین نہ کر دے گی۔

اگر تم باوفا، محسن اور انصاف پسند نہیں تو اپنے اوپر رحم کرو۔ اس خیال کو اپنے اوپر مسلط نہ ہونے دو۔ اپنے اندر کمزوری نہ پیدا ہونے دو۔ اگر تم یہ سب نہیں کر سکتے تو مجھے تم سے کچھ بھی نہیں کہنا ہے، تم میرے مخاطب نہیں ہو میرا مخاطب انسان ہے۔

عربوں کے ادب، اخلاق اور لطف و مروت کے متعلق تم نے بھی سُنا اور پڑھا ہوگا، نابینا ابی عیینہ کا قول بھی تمہیں یاد ہوگا، وہ بیان کرتا ہے کہ میں قاضی احمد بن ابی داؤد کی خدمت میں چالیس برس تک رہا، مگر اس نے کبھی مجھے میری بے بصارتی کا احساس نہ ہونے دیا، جب مجھے باہر جانا ہوتا تو وہ یہ نہ کہتا کہ اسے غلام تم ابی عیینہ کا ہاتھ پکڑ لو بلکہ ہمیشہ یہ کہتا کہ ابی عیینہ کے ساتھ باہر چلے جاؤ۔

اگر تم بھی چاہتے ہو کہ کتاب دل میں تم کو وفادار لکھا جائے اور احمد بن ابی داؤد کی طرح تمہارا نام بھی دنیا کی تاریخ میں زندہ رہے تو اپنی بیوی کو طلاق مت دو۔

از:- محمد رضی الدین معظم
بی کام - ایل ایل بی - (عثمانیہ یونیورسٹی)
بی ۶۶ - رحیم منزل شاہ گنج حیدرآباد

اسلامی معاشرہ میں جہیز کا تصوّر

آج کا مرد چاند کی تسخیر کے ان دنوں میں بھی عورت کو بازار کی شئے خیال کئے ہوئے ہے۔ وہ باپ بن کر سے فروخت کرتا ہے اور شوہر بن کر خرید تا ہے۔ بیٹی کو بوجھ سمجھتا ہے اور اپنا بوجھ دوسروں کے سر پر ڈال دینے میں پیشگی کرایہ بھی ادا کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اب ان باتوں سے مردوں کے درمیان ایک کاروباری صورت اختیار ہو گئی ہے اور اس صورت کا اصطلاحی نام "جہیز" جوڑے کی رقم او لین دین ہے۔ آیئے اب ذرا غور سے اس کا مطالعہ کریں۔

آج کا نوجوان بیوی کے مقام اور مرتبہ کو بھول چکا ہے

آج کا نوجوان دراصل بیوی کے مقام اور بیوی کے مرتبہ کو ابھی سمجھ نہیں پایا ہے۔ اس کو اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ بیوی دودھ دینے والی گائے نہیں ہوتی نہ سونے کا انڈا دینے والی مرغی اور نہ بچے جننے والی مشین۔ بلکہ بیوی دراصل ایک ساتھی ہوتی ہے، رفیق ہوتی ہے، دوست ہوتی ہے، غمگسار اور بالآخر ایک سہارا ہوتی ہے، بیوی نہ صرف جسمانی عیش فراہم کرتی ہے بلکہ وہ درحقیقت مرد کی روح کو سکون بخشتی ہے۔ جہیز کے خواہش مند نوجوانوں کو یہ اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ کسی کی بخشی ہوئی دولت زیادہ ماہانہ آمدنی یا سسرال کی مالی امداد گرہستی بنانے میں معاون ثابت نہیں ہوتے بلکہ میاں بیوی کا ہم خیال ہم مزاج، کفایت شعار، سلیقہ مند اور معاملہ فہم ہونا زندگی کو گذارنے سنوارنے اور گرہستی کو بلند کرنے میں پوری پوری مدد کرتا ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو دولت محنت کے بغیر دوسرے سے حاصل کی جاتی ہے خود کو بد افعال و بدکردار بنا دیتی ہے اور اپنی ذات پر اپنے ہی ضمیر کو ملامت کرتی ہے انگریزی زبان کے اس چھوٹے سے جملہ میں کتنی بڑی عبرت ہے "اینٹ چونے سے مکان بن سکتا ہے لیکن گھر نہیں"۔ اگر ہم ذرا عمیق مطالعہ کریں تو اظہر من الشمس ہوتا ہے کہ آج کے دور میں مذہبی اقدار کے نظر انداز کرنے کے رجحان نے انسان کو ایک ایسا مادی نظریہ بخشا ہے کہ صبر و قناعت کا فقدان، حال سے خوفزدہ ہونا اور مستقبل کے متعلق بے اعتمادی میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور زندگی کے تحفظ کے لئے "دولت" ایک بنیادی و اہم ترین چیز سمجھی جانے لگی ہے۔

آج ہر فرقہ اور ہر ذات میں جہیز کی بُرائی عام ہے

ہندوستان میں تقریباً ہر فرقہ اور ہر ذات میں جہیز
کی برائی عام ہے۔ آج کا نوجوان تعلیم یافتہ، ترقی پسند اور
آزاد خیال ہونے کے باوجود جہاں وہ بیوی کے روپ میں
ایک سلیقہ مند سگھڑ اور وفا شعار لڑکی کا آرزومند ہوتا ہے
وہیں جہیز کی صورت میں اعلیٰ قسم کے ملبوسات کے متعدد جوڑے
جدید فرنیچر، ہائی کوالٹی کی کٹلری ریڈیو، مکان کے
علاوہ جوڑے کی شکل میں نقد رقم اور موٹر یا ٹیکسی کا مطالبہ
کر بیٹھتا ہے۔ لڑکی تعلیم، نسب، صحت، خاندانی عظمت،
مذہب سے اُنس، صوم و صلوٰۃ کی پابندی اس کے ضمنی مطالبات
ہوتے ہیں، البتہ اس کی عمر، قد، جان لیوا رنگ و روغن، ماڈرن
خیالات سے دلچسپی اور بدلتے ہوئے مشاغل سے واقفیت کو زیادہ
اہمیت دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہمارا لڑکا ڈاکٹر یا
انجینیر یا بزنس مین آرٹسٹ ہے لہٰذا لڑکی کو سوسائٹی اپنانے
کی صلاحیت ضروری ہے۔ اکثر لڑکے والے اس مبارک
مسعود اقبال مند موقعوں پر یہ اندازہ لگا بیٹھتے ہیں کہ انھوں
نے اپنے لڑکے کی تعلیم پر اور ملازمت کے حصول پر مجموعی
طور پر کتنی رقم خرچ ہوتی ہے۔ پھر لڑکی کے باپ سے
جہیز کی صورت میں "مع سود کل رقم" اصل زر مع سود
وصول کرنے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں اس کے علاوہ
لڑکی کے خوش حال ماں باپ اپنے خاندان کے یا کسی واقف کار
خاندان کے غریب نوجوان کو ہونہار خیال کرتے ہوئے تعلیم دلانے
اور پالنے پوسنے میں تعلیم کے بر سر روزگار ہونے پر اس نوجوان
کو دامادی قبول کرنا پڑتا ہے۔ کاروبار کے سلسلہ میں مالی امداد
دے کر یا اپنے اثر و رسوخ سے ملازمت دلوا کر بھی داماد کو
حاصل کیا جاتا ہے۔

ایک حد تک آج کا نوجوان قابل معافی ہو سکتا ہے

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں نوجوان باوجود زیادہ
تعلیم یافتہ ہونے کے اصلاحی نظریات کو نہیں اپنا سکا ہے
وہ شادی کو ایک تجارت سمجھتا ہے اور بیوی کو بازار کے
بھاؤ سے تولنا چاہتا ہے جس طرح مختلف دوکانات پر قیمت
کے بورڈ آویزاں ہوتے ہیں اسی طرح سماج نے بھی نا کتخدا
لڑکیوں کے دام بھی مقرر کر رکھے ہیں۔ اگر لڑکا ڈاکٹر یا انجینیر
ہوا تو جوڑے کی رقم پچیس تا پچاس ہزار، پروفیسر یا
لیکچرار ہوا تو بیس تا پچیس ہزار اگر کوئی ٹکنیکل کورس
ہوا تو دس ہزار، بزنس مین ہوا تو دس پندرہ ہزار کلرک
وغیرہ ہوا تو پانچ ہزار اور پھر عام آدمی کے لئے دو تا چار ہزار
عام بھاؤ ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ بھاؤ شادی کے علیحدہ مطا
کے علاوہ ہے، جو تقریباً مختلف مدارج سے پانچ تا پچاس
ہزار سے کم نہیں ہوتے . . . . لیکن قطع نظر اس کے ایک ہ
سے آج کا نوجوان کسی حد تک قابل معافی بھی ہو سکتا ہے
کیونکہ نوجوان کو خود غرض بنانے اور ان کو کاروباری
ذہنیت بخشنے کے لئے کسی ملک کا بُرا معاشی نظام بھی برا
کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ آج جبکہ نوجوان اعلیٰ تعلیم کے حصول
اپنے والدین یا متعلقین کی کثیر پونجی صرف کر بیٹھتا ہے تو اس
نوجوان اور اس نوجوان کے پُر امید والدین و متعلقین کی
دیرینہ آرزو ہوتی ہے کہ اسے معقول تنخواہ والی ملازمت
جائے تاکہ یہ بیچارہ اپنی لگی ہوئی دولت کو حاصل کر سکے۔ ا
گھر کے سارے دلدر دور ہو جائیں۔ مگر بالآخر وہ معقول ملا
کے حصول میں صرف ناکامی کے سوا کچھ بھی نہیں دیکھتا . .
پھر اس بیچارہ کی طویل مایوسی جھنجھلاہٹ کا تقاضہ ہوتا ہے
کسی فوری دولت کے ذریعہ اپنے دیرینہ آرزوؤں اور ارمانوں
تکمیل کرے اور اس طرح وہ اپنے خوابوں کی تعبیر اپنی ہو
والی شریک زیست رفیقۂ حیات بیوی کے لائے ہوئے جہ
اور ہونے والے خسر محترم کے عطا کردہ نقد رقم بہ شکل جو
گھوڑا کا تمنائی ہوتا ہے۔ آج کا غیر مساوی معاشی نظام

فرسودہ سماج بے روزگاری جہیز و نقد رقم حاصل کرنے کی خواہش کو بڑھا رہے ہیں۔

آج کی لڑکی بھی جہیز کے کاروبار میں برابر کی شریک ہے

آج کے اس سرمایہ دارانہ نظام میں آج کی لڑکی بھی نفسیاتی اُلجھن کے بحرانی دور سے دوچار ہے۔ ایک طرف ایشیاء کی مذہبی روح اور جاگیردارانہ طرزِ معاشرت کی روایات اسے عصمت عفت اور شرم و حیا کی پُرانی و قدیم اقدار کو برقرار رکھنے پر مجبور کررہی ہے۔ تو دوسری طرف سرمایہ دارانہ نظام کی بخشی ہوئی آزادی اور مادی زندگی کا نظریہ اس کے جسم اور رُوح کو دئے ہوئے سارے احساسات کو ازسرِ نو بیدار کررہا ہے۔ چنانچہ آج کی لڑکی بھی جہیز کے کاروبار اور جہیز کی لعنت میں برابر شریک نظر آتی ہے۔ اور اس شرکت نے تحفت" اس میں ایک "امیر شوہر" حاصل کرنے کی خواہش روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ جب رشتہ کے سلسلہ میں لڑکی یا اس کے سرپرست کسی جوان کا انتخاب کرتے ہیں تو اس وقت لڑکے کی سیرت سے زیادہ صورت، شرافت سے زیادہ دولت، حسین طبیعت سے زیادہ حسین شخصیت، صوم و صلوٰۃ کی پابندی سے زیادہ شراب خواری و سنیما بینی سے دلچسپی، پھر حلال سے زیادہ حرام کمائی کو اولین ترجیح دیجاتی ہے۔۔۔۔ سچ پوچھئے تو آج کی لڑکی یا لڑکی کے والدین شوہر یا داماد نہیں بلکہ زندگی گزارنے کے لئے ایک سرمایہ فراہم کرنے والا چاہتے ہیں۔ حقیقت ہے کہ آج ہر فرقہ اور ہر طبقہ کی لڑکی میں دولتمند مرد کی جانب بڑھنے کا رجحان شدید طور پر پایا جارہا ہے۔ وہ ایک امیر شوہر کی بیوی کہلوانے کی لگن میں اپنے ہونے والے شوہر کی زیادہ اور بے جوڑ عمر کو بھی بالکلیہ طور پر نظرانداز کرجاتی ہے۔ یہ عام خیال بھی غلط ہے کہ آج کے لالچی ماں باپ اپنی کم سن صاحبزادیوں کو دولت سے بھرا بھرا گھرانہ دیکھ کر بوڑھے اور ضعیف المرد سے بیاہ دیتے ہیں،

بلکہ آج کی لڑکیوں کو خود عیش و نشاط سے بھری ہوئی زندگی کی ضمانت ملنے پر اپنی عمر سے سہ گنا زیادہ عمر والے ضعیف العمر شوہر کا بخوشی و مسرت انتخاب کرلیتی ہیں اور پھر آج کی وہ لڑکی جو عقل کے اعتبار سے زیادہ سیانی ہے، تعلیم کے اعتبار سے زیادہ تعلیم یافتہ ہے اور جن کا مشاہدہ بھی قوی ہوتا ہے، وہ یہ خوب جانتی ہیں کہ نوعمر مرد کی بہ نسبت ضعیف العمر شخص چشم پوشی کرنا جانتا ہے یعنی دوسرے معنوں میں اکثر و بیشتر وہ "ڈبل گیم" کھیل سکتے ہیں۔

انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن (I.L.O) کے تحقیقی رپورٹ کے مطابق دنیا کی ہر سو عورتوں میں سے ۲۷ عورتیں برسرِ روزگار ہیں۔ ہندوستان کے دیہی علاقوں میں ۴۲٪ اور شہروں میں ۲۳٪ عورتیں اپنا روزگار خود مہیا کرتی ہیں ہر ماہ تقریباً ۲۴ ہزار خواتین حصولِ ملازمت کے سلسلہ میں ایمپلائمنٹ ایکسچینج کے چکر کاٹتی ہیں جنہیں ایکسچینج تقریباً تین ہزار خواتین کو روزگار لگادیتا ہے۔۔۔۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یا یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ کل کی عورت جو چار دیواری کے اندر کی عورت تھی تعلیم سے ناآشنا تھی اور کسی ہنر یا دستکاری سے بھی ناواقف تھی وہ ہر طرح مرد کی دستِ نگر تھی مرد کے بازوؤں کی قوت اور چھت کا سایہ اس کے لئے اتنا ہی ضروری تھا جتنا کہ ہوا پانی۔۔۔ لیکن اس کے باوجود یہ یا اس کے ماں باپ پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے۔ کل کے ماں باپ شرافت کے نام پر اور اللہ رب العزت کا نام لیکر اپنی دخترِ عزیز کا ہاتھ پکڑا دیتے تھے۔۔۔۔ مگر نہ جانے کیا بات ہے آج کی دختر جو آزاد ہے خود مختار ہے اور برسرِ روزگار ہونے کے ناطے خود کفیل بھی ہے پہلے پہل تو شادی کا ارادہ ہی نہیں رکھتی اور اپنی زندگی مختلف افراد میں جو نکاح و غیر نکاح سے رہتے ہیں دلچسپیاں لیتی رہتی ہیں۔ اور اسی قسم کی بےحیائی کی زندگی کو اپنی مستقل زندگی سمجھتی ہے اور اگر وہ شادی کا ارادہ کربھی لیتی ہے تو شوہر کی صورت میں اپنی زندگی گزارنے کے لئے ایک ضمانت چاہتی ہے۔ شاید یہ مشینی دور کی دین ہو۔ آج کی لڑکی تعلیم یافتہ اور برسرِ روزگار ہونے

کے باوجود اپنی بدداغی احساس کمتری سے پیچھا نہیں چھڑا سکی۔
وہ گریجویٹ ہوکر ایم اے شوہر کی خواہشمند ہوتی ہے اگر وہ ڈھائی سو روپے ماہوار تنخواہ پاتی ہے تو یہ چاہتی ہے کہ کم از کم اس کا شوہر پانچسو روپے ماہوار پانے والا ہو۔ خوب سے خوب تر کی تلاش میں آج کی صاحبزادیاں جوانی کے دن اور سال کنواری ہی رہ کر گزار دینا ایک فخر اور اپنا افتخار تصور کرتی ہیں۔۔۔۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ دھوپ ڈھلنے کے بعد بوڑھی ہوکر بس (۵۵ / ۱۴۲) بے رہنے کی بھوک کی خدمت میں اور ہوس کے زور میں کسی بھی گئے گزرے راہ گیر کا ہاتھ تھام لیتی ہیں۔ آجکل کے متمول و معزز گھرانے اپنی صاحبزادیوں کو محض اسلئے بوڑھا کر دیتی ہیں کہ وہ دولتمند شوہر کے متمنی تھے، سو انہیں نہیں مل سکا جبکہ ان کے ماں باپ غریب لیکن شریف النفس لڑکوں کے پیامات آتے ہیں تو وہ محض یہ کہہ کر انتہائی بے دردی سے ٹھکرا دیتے ہیں کہ لڑکا شریف ہوا تو کیا ہوا کمانے دھانے والا تو معلوم نہیں ہو رہا ہے جبکہ آمدنی کا کوئی ذریعہ ہی نہیں تو وہ بیچارہ بیوی بچوں کو کیا خاک پال سکے گا۔ یا یہ بیچارہ کلرکی یا معمولی نوکری میں اپنے بیوی بچوں کو پال پوس سکتا ہو۔ نعوذ باللہ من ذالک۔
غرض کہ آج کے مرد کی طرح آج کی لڑکی بھی اقتصادی بحران کے پنجہ میں پھنسی اور جکڑی ہوئی ہے۔ اس کا قطعی فیصلہ کاروباری ہوتا ہے یا پھر جذبات پر مبنی۔ اگر وہ یہ اچھی طرح ذہن نشین کرلے کہ شوہر نہ تو خدا ہوتا ہے اور نہ "محض" سرمایہ فراہم کرنے والا تو وہ یہ بخوبی جان لیگی کہ وہ تو ایک ایسا دوست جو اس کے خیالوں، ارادوں، ارمانوں اور اس کے عمل میں برابر کا شریک رہتا ہے تو زندگی کی گاڑی منزل کی طرف بڑھتی رہیگی اور ٹھکانہ کو ہوٹل نہیں سمجھتی تو وہ انتہائی لاابالی شوہر کو بھی راہ راست پر لا سکتی ہے ـــــ اس میں شک نہیں کہ غریب شوہر اور شوہر کی کم آمدنی تکلیف دہ ضرور ہوتی ہے لیکن یہ یاد رہے کہ وہ تکلیف ہرگز تکلیف محسوس نہیں ہوتی جو کسی اعلیٰ اور نکاح جیسے مقدس مقصد کے لئے برداشت کی جاتی ہے۔ ایک عورت کو "ماں" کے مقدس مرتبہ تک پہنچنا، قدموں تلے جنت کا حقدار بننا، اور اپنی اولاد کو ملک کا ذمہ دار شہری بنانا اور سماج کا ذمہ دار فرد گردانا یقینی طور پہ زندگی کامران کا ایک اعلیٰ مقصد ہے اور یہی مقصد ازدواجی زندگی ایک نعمتِ عظمیٰ ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عورت کے لئے یہ بھی سمجھ لینے کی شدید ضرورت ہے کہ شوہر اپنی بیوی کا محافظ، عصمت، عفت، پاکیزگی و عزت کا محافظ اور اس کے بچوں کا نگران ہوتا ہے اور ایک محافظ یا نگراں کے لئے شہزادۂ گلفام یا راک فیلر ہونا ضروری نہیں۔ رہا ازدواجی زندگی میں جھگڑے اور اختلافات کا سوال، تو دنیا کا کوئی گھر ایسا نہیں جو میاں بیوی کی اَن بَن سے محفوظ ہو۔ اس لئے ایک بار امیرالمومنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔ عورتیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک وہ جو گھر کو جنت بنا دیتی ہے اور دوسری وہ جو گرہستی کی جنت کو جہنم میں بدل دیتی ہے۔۔۔۔ اسی ضمن میں میرا یہ ذکر کرنا باعث دلچسپی اور عبرت ہوگا کہ ایک قدامت پسند متمول و معزز گھرانے کی ماں نے اپنے لخت جگر کو مشورہ دیا کہ
"بیٹی! غریب مگر شریف مرد سے شادی کرنا تمہارے لئے ایک نعمتِ عظمیٰ ہوگا۔۔۔۔ اگر امیر بھی ہوا تو کیا اماں شادی کے تھوڑے ہی دن بعد وہ غریب ہو جائے گا کیونکہ امارت کے ساتھ غربت لازمی ہے۔ اور غریب مرد یقینی شریف النفس ہوتے ہیں۔
یہ بیٹی کا جواب تھا۔

آج جہیز کی لعنت میں ماں باپ بھی برابر کے شریک ہیں

یہ بات بھی بڑی عجیب سی ہے کہ آج کے ماں باپ کے سینوں میں "دو دل" ہوتے ہیں ایک بیٹی کے لئے اور ایک بیٹے کے لئے۔ بیٹی کی شادی میں جب جہیز دینے کا وقت آتا ہے تو ماں باپ اسکو "رسم بدعت" سمجھتے ہیں اور طرح طرح کے شرعی احکام وغیرہ سے بحث و مباحثے کرتے ہیں اور آخرش بحالت مجبوری مطالبات

(بقیہ صہ ۱۱۲ پر)

حضرت وصال القادری
بوندوی

عرب کی حالت قبل از اسلام

جبکہ کائنات موت کی ہچکیاں لے رہی تھی زمین کے ذرے خموشی میں یکسر محو تھے۔ آسمان خون کے آنسو رو رہا تھا بہار کی جگہ خزاں کا قبضہ تھا عرب ظلم وفساد کا مرکز بنا ہوا ام الخبائث کی کثرت تھی ڈاکہ اور رہزنی سے شغف تھا مظلوموں کا قتل اعلیٰ درجہ کی بہادری میں شمار تھا قبیلہ قریش کی خون آشام تلواریں زمین پر خون بہانے کے لئے ہر وقت میان سے باہر نکلی رہتی تھیں شرم و حیا کا نام دنیا سے مٹ چکا تھا۔ سوق عکاظ کی گرم بازاری عرب کا ذرہ ذرہ جمود و غفلت میں مبتلا تھا۔ بو قبیس کی بلند چوٹیاں سکوت میں تھی۔ مروہ و صفا کی کنکریاں خشک ہو رہی تھیں۔ حقانیت کا لہلہاتا ہوا چمن کمہلا چکا تھا۔ خمخانۂ وحدت خشک پڑا تھا۔ محبت اور الفت کا کوسوں پتہ نہیں تھا۔ احد کا پہاڑ بے نور طور کی چٹانیں بے چراغ کفر و شرک آندھیاں اٹھتیں اور ظلم و ستم بت پرستی طائف کا مرغزار چھا چکا تھا۔ تہامہ کی سرزمین سکوت میں تھی غارِ حرا میں اندھیرا چھایا ہوا تھا وحدت پرستی کا چراغ گل ہو چکا تھا عصیاں و تمردگی کی آندھیاں

امنڈ امنڈ کر آتی اور سرزمین عرب پر برستی سب و شتم کا دور دورہ تھا۔ فسق و فجور کو باشندگانِ عرب نے اپنا آبائی پیشہ قرار دے لیا تھا اسلام کا آفتاب روپوش تھا اور کفر و شرک کا چمن سرسبز و شاداب تھا۔ لا تعداد خداؤں کے آگے سربسجود ہونا عرب کا باعث فخر تھا سانپ بچھو درخت پہاڑ پتھر حشرات الارض وغیرہ کو خدا سمجھ کر ان کے آگے سر نیاز خم کیا جاتا تھا۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا اور عورتوں کو سوائے اس کے اور کچھ نہیں سمجھتے تھے کہ وہ ایک بچہ پیدا کرنے کی مشین ہے اور صنفِ نازک حقیر ترین ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ بوڑھے والدین کی کوئی وقعت نہیں سمجھی جاتی تھی زیر دستوں کو کچلا جاتا تھا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ صدائے احتجاج والاماں پکار رہا تھا۔ عرب کے چپے چپے سے ظلم و ستم کا دریا موجیں مار رہا تھا۔ ایک عرب ہی کیا پورے کائنات کا ذرہ ذرہ جمود و غفلت کی نیند سو رہا تھا اور سیلاب تھا کہ جس غفلت میں کائنات بہہ رہی تھی۔ دنیا کا گوشہ گوشہ تیرہ و تاریک بنا ہوا تھا۔ شراب خوری زناکاری رشکِ صد ثواب سمجھی جاتی تھی حتیٰ کہ خدائے واحد کا مقدس گھر

بیت الاصنام بنا ہوا تھا - ادھر قبیلہ کا بت جدا تھا - خانہ کعبہ میں برہنہ طواف کیا جاتا تھا - ہندوستان میں چھتیس کروڑ دیوی دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی -

مصر و بابل میں کواکب پرستی کی پوجا ہوتی تھی - یونانی حسن دمشق کے دیوتاؤں کو پوجتے تھے - شیر خوار لڑکیاں زندہ درگور کی جاتی تھیں اور پیدا ہوتے ہی گلا گھونٹ دیا جاتا تھا - عیسائی حضرت عیسےٰ کا بت بنا کر پوجتے تھے یہودی حضرت عزیر کو خدا مانتے تھے تمام جہاں ظلمت کدہ بنا ہوا تھا - تمام دنیا تیرہ و تار ہو چکی تھی غرض کہ انسانیت اور معاشرت کی جگہ وحشیانہ مظالم اور بربریت کا راج تھا - جبکہ ان انسان نما وحشی درندوں کے مظالم حد سے زیادہ گزر گئے - اس وقت یکایک خلاق مطلق کی رحمت جوش میں آئی اور دنیا کی قلب زمین یعنی عرب میں یکایک انوار الٰہی کی تجلی کڑکی اور اس تیرہ و تار گھٹا ٹوپ اندھیرے میں نور کی شعاعیں پھیل گئیں ضمناً واقعہ بیان کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا

اسی عرب مکہ معظمہ میں ایک معزز خاتون کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوتا ہے - ابھی عالم عدم سے عالم وجود میں قدم بھی نہ رکھا تھا کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا - دکھیا ماں نے دادا میاں کو خبر کی - دادا میاں نے بچہ کو خانہ کعبہ کا طواف کرایا - اور خدا کا شکر ادا کیا -

چھ برس تک ماں نے نہایت لاڈ و پیار سے یتیم بچہ کو پرورش کیا جیسے کہ ماں اپنے اکلوتے بچے کے ساتھ روا رکھتی ہے چھاتی سے لگائے رکھا - ماں کی مامتا کو دیکھئے کہ کس شفقت مادرانہ اور لاڈ و پیار سے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پرورش کیا - قدرت کو منظور تھا کہ اس کا پیارا حبیب دنیا کی کل سختیاں جھیلے یتیم پیدا کیا - کہ وہ یتیموں کا درد محسوس کرے - اب ماں کو بھی ہمیشہ کے لئے چھین لیا تاکہ وہ ماں کے اخلاص و حقوق کو جانے -

ان امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امنہ توفیت و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن ستین بالابواء بین مکہ والمدینہ کان قد قدمت بہ علی اخوالہ من بنی عدی بن النجار تزیرہ ایاہم فماتت وھی راجعہ بہ الی مکہ - ابن ہشام صفحہ ۵

آپ چھ برس کے ہوئے تو آپ کی والدہ نے ابواء میں جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے وفات کی وہ آپ کو لے کر آپ کے ماموں کے ہاں جو بنی عدی بن نجار قبیلہ سے تھے ملنے جایا کرتی تھیں آپ کی طرف واپس آ رہی تھیں کہ آپ کا انتقال ہو گیا -

باپ تو محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم نے) نہ دیکھا ہی نہیں مگر دادا میاں نے باپ کے مانند چاہا اور لاڈ و پیار سے رکھا ماں نے اپنی مامتا بھری محبت سے بڑے ناز و نعم سے پالا اور دل پر کسی قسم کا رنج و ملال نہ آنے دیا جس کو دنیا میں بڑا بننا تھا اس کو زندگی کی سخت سے سخت منزلوں سے گزرنا ناگزیر تھا - کیا عالم ہوگا اس یتیم کا جس کی آرزوؤں اور امیدوں کا سہارا اس کی ماں تھی وہ بھی وطن عزیز سے دور عالم غربت میں ..... آہ... یہ دم واپسیں کا عالم لاڈلے ننھے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، سامنے ہوں گے اور حضرت آمنہ ہزار دل حسرت و ارمان کے ساتھ دم توڑ رہی ہوں گی - سینکڑوں تمنائیں ان کے سینہ میں ہجوم کر رہی ہوں گی ماں اپنی مامتا بھری نظروں سے اپنے پیارے نونہال کو حسرت و یاس سے تک رہی ہوگی نزع کا عالم ہوگا - بچہ کی یتیمی کا غم اپنی ہمیشہ کے لئے جدائی کا خیال اب یتیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ستائے گا

صاف ستھرے کپڑے کون پہنائے گا تو کون منائے گا۔
غرض کہ ماں اپنی مامتا سے سیکڑوں خیالات کے ساتھ
محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رخصت کیا اور ہزاروں
جذبات مادری کے ساتھ ماں نے اپنی آنکھوں کو ہمیشہ
کے لئے بند کرنے پر مجبور کیا مگر دکھیا ماں کو کیا خبر کہ اسکا
یتیم بچہ ایک دن اسی مقام ابواء میں اپنی شہنشاہیت
کا جھنڈا بلند کرے گا اور اسی مقام ابواء میں اسکے
دشمنوں کے مقابلہ میں فتح نصیب ہوگی دکھیا ماں سے
ہزار افسوس کے بعد اس عالم فانی کو ہمیشہ کے لئے
الوداع کہا۔ باپ سے بچھڑے ہوئے اور ماں سے
جدا ہوتے ہوئے یتیم ننھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
اب دادا میاں کے زیر عاطفت پرورش پانے لگے
دادا میاں نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت لاڈ
پیار سے پرورش کیا تاکہ ان کو اپنی یتیمی و بے کسی و
و بے بسی کا احساس نہ ہو۔

عبدالمطلب کے لئے صحن کعبہ میں ایک گدی بچھائی
جاتی تھی۔ اس گدی پر بہ سبب رعب و داب کے کوئی
شخص ان کی اولاد میں سے نہیں بیٹھتا تھا۔ ان کے بیٹے
گدی کے کنارے بیٹھا کرتے تھے ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ
ان کو پکڑتے عبدالمطلب کہتے کہ جانے بچے کو چھوڑ دو
خدا کی قسم وہ بڑی شان والا ہوگا۔ عبدالمطلب گدی پر
بٹھا لیتے اور پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے اور جو حرکت محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کرتے آپ اس پر خوش ہوتے
(ابن ہشام صفحہ ۷۵)

والدین کا سایہ تو سر سے جدا ہو ہی چکا تھا۔ اب ایک
بوڑھے دادا تھے وہ کفیل تھے۔ لیکن قدرت کو کچھ اور
ہی منظور تھا ارشاد ہوا درد و غم کی ایک منزل اور
طے کرو۔ بطن مادر میں یتیم ہوئے چھ سال کے ہوئے ماں
نے ہمیشہ کے لئے منہ موڑ لیا ۸ آٹھ سال کے ہوئے تو غم والم
کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اپنی داد جان بھی لاڈلے محمد (صلی اللہ
کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئے اب محمد عربی (صلی اللہ علیہ
وسلم) (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بے بسی اور بے کسی
دیکھنے کے قابل تھی ہزاروں ارمانوں کا ہجوم اور
صدہا رنج و غم کا سامنا اب لاڈلے محمد (صلی اللہ
علیہ وسلم) کی زندگی رنج و غم کی الم ناک ٹریجڈی
بنی ہوئی تھی بے کسی اور بے بسی کا عالم نہ کوئی مونس
نہ کوئی مددگار دراصل یہ ایک درس تھا کہ جو کائنات
کے بادشاہ لولاک لما خلقت الافلاک کو دیا گیا تھا

ع درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

درحقیقت یہی سبب ہے کہ آگے چل کر آپ کا دل
ہر درد سے بے چین ہو جاتا تھا اور ہر مصیبت زدہ کی
مصیبت کو دیکھ کر تڑپ جاتے تھے۔ آپ کے دل میں رقت
حلم کا دریا موجیں مارا کرتا تھا آپ اپنے اور بیگانوں
کی مصیبت دیکھ کر اشک بار ہو جایا کرتے تھے۔

معرکۂ بدر میں جو قیدی مسلمانوں کے قبضہ میں
آئے ان میں ابوالعاص بن ربیع بھی تھے جو حضرت محمد رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ امام بخاری
حدیث فرماتے ہیں کہ ابھی یہ صاحب بھی ایمان نہ
لائے تھے۔

شہنشاہ دوعالم کی پیاری بیٹی بی بی
زینب سے آپ کا عقد ہوا تھا حضرت زینب مکہ میں
تھیں قریش فدیہ بھیج بھیج کر قیدیوں کو چھڑا رہے
تھے۔ حضرت زینب نے بھی اپنے شوہر کو چھڑانے کے
لئے فدیہ میں حضور کی خدمت میں ایک زریں ہار
بھیجا یہ ہار وہی تھا جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے زینب کو
پہنا کر رخصت کیا تھا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی تو زندگی ہی غم و الم میں گذری تھی۔ بھلا وہ ایسا منظر دیکھیں اور دل پر چوٹ نہ لگے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے تمام واقعاتِ محبت نظر کے سامنے آ گئے پیاری بچی فدیہ میں وہ ہی عزیز تحفہ بھیج رہی ہے جو کہ حضور کی پیاری بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے محبت بھرے ہاتھوں سے پہنا کر زینب کو گھر سے رخصت کیا تھا۔ رسول اللہ کی بیٹی تھیں۔ صاحبِ عقل و ہوش مقصود یہ تھا کہ میرے شوہر کو قید کیا ہے تو لیجیے میں آپ کو وہ زمانہ یاد دلاتی ہوں جبکہ میری پیاری ماں نے مجھے ہار پہنا کر یہم کو رخصت کیا تھا اب یہ ہار واپس لیجیے اور خدیجہ رض کو ابوالعاص کو واپس کر دیجیے۔ حضرت خدیجہؓ کا وہ مہر جب انہوں نے یہ ہار دے کر زینب کو رخصت کیا تھا اور وہ محبت و الفت جو حضور کو حضرت خدیجہ سے تھی۔ غرضکہ صدہا نقوشِ محبت اور صدہا خیالاتِ حضور پُرنور کی آنکھوں کے سامنے آ گئے۔ ایک کیف طاری ہو گیا صحابہ سے مشورہ لیا کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو زینب کا یہ ہار واپس کر دو اور اس کا قیدی چھوڑ دو۔ چنانچہ ابوالعاص رہا کر دیئے گئے۔

یہ تھا حضور کا حلم و کرم کہ جس سے بڑے سے بڑے سرکش بھی اُس شہنشاہِ دو عالم کے آستانہ پر آ کر جبیں سائی کرنے لگے۔ اور حضور کا حلم و کرم وہ بے پناہ تلوار تھی۔ جس تلوار نے تمام دنیا کو تابع اور مسخر کر لیا آپ کا اسوۂ حسنہ دنیا اور دنیا والوں کے لئے ایک درسِ عبرت ہے اور انسانیت کی ایک مکمل تفسیر ہے۔

آؤ آؤ اس روح مجسم سید عالم کی سیرت کو اپنا لائحہ عمل بنا لیں اور دونوں جہاں میں سرخروئی حاصل کر لیں۔

بیکل اُتساہی

غزل

نظر کی فتح کبھی قلب کی شکست لگے
مری حیات پرائے کا بندوبست لگے

نہ وہ نقوش نہ حُسنِ کشش کی بات رہی
صنم فروش بھی جیسے خدا پرست لگے

ابھی ملا تھا ابھی پھر بچھڑ گیا کوئی
یہ حادثہ بھی حکایاتِ بود و ہست لگے

فرشتے دیکھ رہے ہیں زمین و چرخ کا ربط
یہ فاصلہ بھی تو انساں کا ایک جست لگے

ترے ہی غم نے کسی سمت دیکھنے نہ دیا
کہ اب ہجومِ تمنا بھی تنگ دست لگے

وہاں سفینے کو پہونچا دیا ہے طوفاں نے
ہر ایک موجِ بلا اب جہاں کی پست لگے

تمہاری بزم سے بیکل چلا تو ہوش میں تھا
نہ جانے کیا تھا کہ اب تک وہ مست مست لگے

ماسٹر محبوب خان غزالی ایم اے
لیکچرار گورنمنٹ پولی ٹکنک
بیلگام

ہلالِ اسلام طلوع ہونے کے بعد

مغربی مورخین نے مسلمان اور اسلام کے تعلق سے جو رائے دی ہے اس سے ہمیں بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ اسلام نے دنیا کو کیا کیا تحائف عطا کئے اور کس طرح اس دنیا کو جہالت کے عمیق غاروں اور اندھیروں سے نکال کر روشنی عطا کی۔

درمیانی صدیوں میں لندن اور پیرس بالکل گندے شہر تھے جب کہ بغداد اور قرطبہ میں نور افشاں غرہ تھا، یورپ کے شہروں کی گلیاں تنگ و تاریک لیکن مسلم ممالک کے شہروں کی گلیاں ہزاروں قمقموں سے جگمگاتی تھیں، سڑکیں کشادہ اور صاف تھیں۔ مغربی ممالک میں قلعہ اور محلات کا ڈھنگ بالکل بے ڈھنگا اور منحوس ہوتا تھا لیکن مسلم محلات اور قلعے فن تعمیر کا بہترین نمونہ پیش کرتے تھے۔ اُس وقت جب یورپین قوموں کو اپنے جسم کی صفائی کا کوئی خاص خیال نہیں تھا، مسلمان ہمیشہ پاک اور صاف رہا کرتے تھے۔ یورپ میں بیماری کا علاج جادو ٹونے وغیرہ سے کیا جاتا تھا۔ اس کے برخلاف یہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے موجودہ ادویات بنانے کی بنیاد ڈالی۔ ان کے ادویات بنانے کے جدید طریقوں نے مغرب کو تعجب میں ڈال دیا۔ عظیم الشان عربی تہذیب کی شان و شوکت کو اسلام نے دوبالا کردیا تھا جو کہ پرانی تہذیب مصر اور دجلہ اور فرات کی تہذیبوں کا ورثہ تھی۔

انصاف پسند خلیفاؤں نے دنیا کے ہر خطے اور ہر مذہب کے علماؤں کو اسلامی درسگاہوں اور کتب خانوں میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دے رکھی تھی جب کہ یورپ میں مذہبی تعلیم ایک مخصوص طبقہ کے لوگوں تک محدود تھی جو چرچ سے تعلق رکھتے تھے۔

متعدد یونانی، فارسی، مصری اور یہودی علماء عربی زبان میں اپنی کتابیں لکھتے تھے۔ ان میں ایک مشہور شخصیت ایک یہودی عالم موسیٰ میمونیہ کی ہے۔ ۱۱۳۵ء سے ۱۲۰۴ء یہ سلطان صلاح الدین کے طبیب ہونے کے علاوہ ایک جوہری اور فلسفی تھا عبرانی زبان کا ادبی سرمایہ اسی کی وجہ سے مغربی عیسائی فلسفوں پر اثر انداز ہوا۔

دنیائے اسلام میں طبیب پیٹ کے سرطان کے علاوہ آنکھوں کا آپریشن بھی کیا کرتا تھا۔ مسلم شہروں میں فارمیسی تھے سرکاری شفاخانے ہزاروں مریضوں کا علاج کرتے تھے۔

(بقیہ صفحہ ۹۸ پر)

شاہ بلیغ الدین

اُمِ عمّارہؓ

جسنے اِسلام کے دشمنوں کی یلغار روک لی!

مشک پیٹھ پر اُٹھائے ہوئے ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ زخمیوں کو پانی پلا رہی ہیں۔ آپ تنہا نہیں حضرت انس کی والدہ ام سلیم حضرت ابو سعید خدری کی والدہ ام سلیط اور نسیبہ بنت کعب ام عمارہ بھی ساتھ ہیں۔ بر د میدان میں داد شجاعت دے رہے ہیں اور امت کی مائیں بہنیں اور بیٹیاں زخمیوں کی دیکھ بھال کر رہی ہیں۔ مسلمان اور قریش مکہ بڑھ بڑھ کر ایک دوسرے پر حملہ کر رہے ہیں، دشمنوں پر وقت بھاری ہے میدان جنگ سے ان کے قدم اکھڑ رہے ہیں۔ ابوسفیان دشمنوں کا سپہ سالار سخت پریشان ہے۔ ہند اس کی بیوی بھی دوڑی بھاگی پھر رہی ہے۔ قریش کی صفوں میں سخت انتشار ہے ان کے سورما کھیت پڑ گئے۔

میدان میں ایک طرف ذرا اونچی جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فوج کی کمان کر رہے ہیں۔ میدان مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا، کہ اتنے میں مسلمانوں کا ایک محافظ دستہ جو عبداللہؓ بن جبیر کی نگرانی میں تھا اپنی جگہ سے ہٹا یہ لوگ اسلامی فوج کے پیچھے اُحد کے پہاڑ سے قریب ایک راستے پر کھڑے کئے گئے تھے۔ ان کے یہاں رہنے کا مطلب یہ تھا کہ دشمن مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔ لیکن یہ لوگ اپنی جگہ سے ہٹ کر مال غنیمت بٹورنے میں لگ گئے تو یہ اہم ترین مورچہ دشمنوں کے لئے خالی ہوگیا۔

قریش مکہ جان بچا کر بھاگ رہے تھے ان کی سوار فو[ج] کے سالار نے دیکھا کہ اسلامی فوج کا عقب خالی ہے۔ لڑ[ائی] میں ایسا موقع تو ڈھونڈا جاتا ہے قریش مکہ کے گھڑ سوار اپنے سالار کے ساتھ تیر کی طرح نکلے اور مسلمانوں پر حملہ بول یہاں انہیں روکنے والا کوئی تھا ہی نہیں۔ یہ لوگ بڑھے تو [سیدھے] اس طرف پہونچے جہاں سے مجاہد اعظم صلی اللہ علیہ [وسلم] اللہ کے سپاہیوں کی کمان کر رہے تھے۔

عکرمہ اور اس کے ساتھیوں نے دائیں بائیں سے [اپنے] شہسواروں کو زور دیا اور مسلمانوں کی جیتی ہوئی بازی الٹنے کافروں کا حملہ سخت سے سخت ہوتا گیا۔

دشمنوں کا سارا زور اب حضور سرور کائنات کی طر[ف] تھا۔ یہاں سعد بن وقاص اور ابو طلحہ تیر پر تیر چلا رہے تھے [طلحہ] بن عبید اللہ کبھی اپنی سپر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر[تے]

بنت حوا رمضان المبارک نمبر اکتوبر

کبھی تیروں کی بوچھار کو آپ کی طرف آتے دیکھ کر اپنا ہاتھ آگے کر دیتے۔ آگے آگے حضرت علی شیرِ خدا دشمنوں کی صفیں الٹ رہے تھے۔ ایک طرف ابن نضر بڑی جگری جنگ کر رہے تھے بازو پر زیاد بن سکن اپنے پانچ ساتھیوں کو لئے اللہ کی راہ میں جام شہادت سے سرفراز ہو رہے تھے۔ دور کہیں حضرت ابو دجانہ دشمنوں کی صفوں پر وار پر وار کئے جا رہے تھے دیکھا کر دشمنوں کا ریلا حضور اکرم کی طرف ہے تو اس طرف پہنچے جہاں رسالت پناہ دشمنوں کے بیچ میں گھرے ہوئے تھے لیکن دشمن اس وقت کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔ ابن قمیہ اسوقت زور سے چلا رہا تھا۔ "مجھے بتاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کدھر ہیں اگر وہ بچ گئے تو میرا زندہ رہنا بیکار ہے حضرت مصعب بن عمیر اس موقع پر اس کے آڑے آئے تھے تلوار سے تلوار ٹکرا رہی تھی کہ شور ہوا کہ (خاکم بدہن) سرور کونین شہید ہوئے۔ ابن قمیہ دشمن کا بڑا مشہور پہلوان تھا وہ خوشی سے دیوانہ ہو کر چلا رہا تھا کہ میں نے میدان مار لیا، میں نے میدان مار لیا۔ لیکن بہت جلد سب کو معلوم ہو گیا کہ یہ دشمنوں کی غلطی تھی۔ حضرت مصعب بن عمیر رض نے شہادت پائی تھی۔ آپ کی صورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی جلتی تھی۔

اب دشمن تازہ امنگ سے آگے بڑھے اعلیٰ ہبل اعلیٰ ہبل کے نعرے لگاتے دشمن کی ایک ٹکڑی حضور اکرم کے قریب پہنچ گئی۔ ان میں ابن قمیہ آگے آگے تھا موقع کی تاک میں بچتا بچاتا وہ بالکل حضور اکرم کے پاس پہنچ گیا رسالت پناہ زرہ بکتر پہنے ہوئے تھے سر پر خود اور پیشانی پر مغفر پڑی ہوئی تھی لشکر اسلام کی رہنمائی فرما رہے تھے کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر پتھروں کی بوچھار ہوئی۔ سامنے کے دانت شہید ہوئے اور ہونٹ پھٹ گیا۔ اتنے میں ابن قمیہ کی تلوار گستاخ ہوئی۔ حضور اکرم ہر طرف دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے۔ ابن قمیہ کی چلائی ہوا وار کو آپ نے خالی کر دیا تاہم ظالم کی اچھلتی ہوئی تلوار آپ کے مغفر پر آ پڑی لوہے کی یہ جالی جو خود کے نیچے کانوں اور گردن کی حفاظت کے لئے ہوتی ہے وہ کٹ تو نہ سکی لیکن اس کی دو کڑیاں سید المرسلین کی پیشانی میں دھنس گئیں۔

ام عمارہ اس وقت پاس ہی زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ "سیرت ابن ہشام میں مرقوم ہے آپ نے دیکھا غضب ہو گیا تو شاک ایک طرف پھینکی بگولے کی طرح اٹھیں اور حضور اکرم اور دشمنوں کے درمیان حائل ہو گئیں پہلے تیر چلائے پھر تلوار اٹھالی۔ اس سے پہلے کہ ابن قمیہ دوسرا وار کرتا ام عمارہ غصے سے بے تاب ہو گئیں۔ عورت تھیں کمزور جسم جثے کی خاتون، لیکن اس وقت شیرنی بن گئیں۔ ام سعید بنت سعد سے روایت ہے۔ "وہ ابن قمیہ پر جھپٹیں اور بجلی بن کر گریں وہ ابن قمیہ جو قریش کا بڑا نامور پہلوان تھا انہیں اس حال میں دیکھ کر چکرا گیا۔ ایک سے ایک بڑی مقابل میں تھا خون کے فوارے پھوٹ رہے تھے موت کا خونی رقص گرم تھا، لیکن ام عمارہ بھول گئی تھیں کہ وہ ایک عورت ہیں یہ خون ریزی یہ ہولناک منظر ان کے لئے بے اثر تھا۔ جیالوں اور نامور شمشیر زنوں کے درمیان وہ بے باکانہ کود پڑیں اور پھر عبداللہ بن قمیہ کو للکارا۔ "بدنہاد! ادھر آ۔" شعلے کی طرح لپک لپک اس پر وار کئے حضرت ام عمارہ کے بدن پر نہ زرہ تھی نہ سر پر خود لیکن یہ آپ کی زندگی کا وہ لمحہ تھا جب موت کو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آپ بے اختیار تلوار چلا رہی تھیں ابن قمیہ نے تلوار کو تلوار پر روکا۔ پینترا بدل کر ایک ہاتھ نکالا ام عمارہ بے چین، تڑپ کر ایک طرف ہو گئیں اپنی تلوار ہی کو ڈھال بنا لیا۔ دشمن کا وار اگرچہ رک گیا لیکن ان کا شانہ چر گیا۔ آفریں ہے ام عمارہ کی جرأت پر کہ پھر بھی ظالم سے لڑتی رہیں۔ سعید بن ابو زید انصاری کہتے ہیں ابن قمیہ کو جو دو دو زرہیں پہن کر آیا تھا بھاگتے ہی بن پڑی کیونکہ اس اثنا میں مسلمان ہر طرف سے دشمنان خدا پر ٹوٹ پڑے

(بقیہ صفحہ ... پر)

امجد حیدرآبادی

عشق و مذہب

خوش ہم سے رہے جاناں ہم عید اسے کہتے ہیں
بس ایک کے ہو جانا توحید اسے کہتے ہیں
گرنا ترے قدموں پر ہے عین نماز اپنی
سجدے میں سرافرازی ہے بندہ نوازی اپنی
بھولے سے نہیں آتا کھانے کا خیال اب تو
دن وصل کی رہتی ہے ہے صوم وصال اب تو
مرجانا محبت میں، ہے عین حیات اپنی
نقد دل و جاں دینا گویا ہے زکوٰۃ اپنی
عاشق کے لئے حج اک خاص بہانہ ہے
ہم کو درِ جاناں تک ہر حال میں جانا ہے
کام آ نہ سکی آخر کچھ بخیہ گری اپنی
لے جاتی ہے جنگل کو شوریدہ سری اپنی
حلقہ درِ کعبہ پر ہے حلقہ بگوشوں کا
ہے زانوئے دلبر پر سر خانہ بدوشوں کا

اے مستِ مئے وحدت امجد تجھے کیا کم
کوثر ہے مدینہ میں اور کعبہ میں زمزم
تفسیر ہو یا قرآں سب ایک ہی مطلب
اسلام کے ارکان ہیں یا عشق کا مذہب
جو کچھ ہے شریعت میں وہ عین طریقت
توحید محبت ہے، توحید محبت

شایاں نہ بود مارا بے صدق دعا کردن
بے شائبہ الفت از فرض ادا گشتن

اللہ سراج انور مصطفےٰ آبادی

کفایت شعاری

ایک اہم ضرورت

آج کل بچت یوجناؤں کا پروپیگنڈا اس قدر زیادہ ہو چکا ہے کہ اس سے اکتاہٹ ہونے لگی ہے۔ جہاں مہنگائی کا یہ عالم ہے کہ مہینے کی تنخواہ پہلے ہی ہفتہ میں ختم ہو جاتی ہے۔ دوا اور علاج کے لئے بھی کچھ باقی نہیں رہتا وہاں بچت اور کفایت شعاری کا کیا مطلب؟

اصل میں کفایت شعاری عورتوں کی ایک عادت ہے۔ کچھ ضائع کئے بغیر کم سے کم آمدنی میں اپنا گزارہ کرنا۔ کہیں بھی اعتدال سے زیادہ خرچ نہ کرنا ان کی طبیعت میں داخل ہوتا ہے۔ مرد کو مستقبل کی اتنی فکر نہیں ہوتی جتنی کہ عورت کو ہوتی ہے۔ موجودہ دور میں حالات میں کافی تبدیلی ہو چکی ہے۔ رسم و رواج کے مطابق ضروریاتِ زندگی میں بہت حد تک اضافہ ہو چکا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب انسان کی بنیادی ضروریات گھر، خوراک، لباس اور تعلیم پر مبنی تھیں۔ آج زیبائش اور سامانِ آرائش انسانی ضروریات کا اہم حصہ بن چکے ہیں۔ زندگی کی قدریں بدل گئی ہیں۔ زندگی کا معیار بدل چکا ہے۔ آج کل کپڑوں کی قیمت کے معیار سے پہننے والے کی اہمیت کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ زندگی کا معیار اونچا ہو رہا ہے مگر اس حساب سے آمدنی میں اضافہ نہیں ہو گا تو بڑی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ روزانہ نئی نئی پرکشش اور دیدہ زیب اشیاء بازار میں آتی ہیں۔ جن کے خریدنے کو بہت جی چاہتا ہے لیکن آمدنی یہ اجازت نہیں دیتی۔ یہ تو ہوئی سامانِ آرائش و زیبائش کی بات۔ اناج، دودھ، کپڑا، مکان کا کرایہ اور دوائیں یہ سب چیزیں اس قدر مہنگی ہوتی جا رہی ہیں کہ عام آدمی کے لئے ان ضروریات کا پورا کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

سماجی حالات ایسے ہیں کہ بنیادی ضروریات پر مناسب خرچ کرنے کے بجائے کم ضروری اشیاء پر کافی روپیہ خرچ کیا جا رہا ہے پڑوسیوں اور ملنے جلنے والوں سے اپنا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ اپنی حیثیت اور آمدنی کا خیال ہوتے ہوئے بھی پڑوسی اور ملنے جلنے والے ہمارے متعلق کیا خیال کریں گے؟ یہ سوال ہر شخص کے دماغ پر چھایا ہوا ہے۔ اسی خوف سے ہر شخص ایک دوسرے کو پھنسا رہا ہے۔ اور اس طرح خود کا نقصان کر رہا ہے۔ سینما دیکھنا روزمرہ میں داخل ہے سینما نہ دیکھنے والے کم درجہ کے سمجھے جاتے ہیں۔ بعض لوگ اسی لئے نہ چاہتے ہوئے بھی سینما جاتے ہیں۔ گھریلو اسباب کا بھی

امجد حیدرآبادی

عشق و مذہب

خوش ہم سے سب ہے جاناں ہم عید اسے کہتے ہیں
بس ایک کے ہو جانا توحید اسے کہتے ہیں
گرنا ترے قدموں پر ہے عین نماز اپنی
سجدے میں سرافرازی ہے بندہ نوازاپنی
بھولے سے نہیں آتا کھانے کا خیال اب تو
دُھن وصل کی رہتی ہے ہے صوم وصال اب تو
مرجانا محبت میں، ہے عین حیات اپنی
نقد دل و جاں دینا گویا ہے زکوٰۃ اپنی
عاشق کے لئے حج اک خاص بہانہ ہے
ہم کو درِ جاناں تک ہر حال میں جانا ہے
کام آ نہ سکی آخر کچھ بخیہ گری اپنی
لے جاتی ہے جنگل کو شوریدہ سری اپنی
حلقہ درِ کعبہ پر ہے حلقہ بگوشوں کا
ہے زانوئے دلبر پر سرخانہ بدوشوں کا

اے مستِ مئے وحدت امجد تجھے کیا کم ہے
کوثر ہے مدینہ میں اور کعبہ میں زمزم ہے
تفسیر ہو یا قرآں سب ایک ہی مطلب ہے
اسلام کے ارکاں ہیں یا عشق کا مذہب ہے
جو کچھ ہے شریعت میں وہ عین طریقت ہے
توحید محبت ہے، توحید محبت ہے

شایاں نہ بود مارا بے صدق دعا کردن
بے شائبہ الفت از فرض ادا گشتن

الہ سراج انور مصطفےٰ آبادی

کفایت شعاری

ایک اہم ضرورت

آج کل بجٹ یوجناؤں کا پروپیگنڈا اس قدر زیادہ ہو چکا ہے کہ اس سے اکتاہٹ ہونے لگی ہے۔ جہاں مہنگائی کا یہ عالم ہے کہ مہینے کی تنخواہ پہلے ہی ہفتہ میں ختم ہو جاتی ہے۔ دوا اور علاج کے لئے بھی کچھ باقی نہیں رہتا وہاں بجٹ اور کفایت شعاری کا کیا مطلب؟

اصل میں کفایت شعاری عورتوں کی ایک عادت ہے۔ کچھ ضائع کئے بغیر کم سے کم آمدنی میں اپنا گزارہ کرنا۔ کبھی بھی اعتدال سے زیادہ خرچ نہ کرنا ان کی طبیعت میں داخل ہوتا ہے۔ مرد کو مستقبل کی اتنی فکر نہیں ہوتی جتنی کہ عورت کو ہوتی ہے۔ موجودہ دور میں حالات میں کافی تبدیلی ہو چکی ہے۔ رسم و رواج کے مطابق ضروریاتِ زندگی میں بہت حد تک اضافہ ہو چکا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب انسان کی بنیادی ضروریات گھر، خوراک، لباس اور تعلیم پر مبنی تھیں، آج زیبائش اور سامانِ آرائش انسانی ضروریات کا اہم حصہ بن چکے ہیں۔ زندگی کی قدریں بدل گئی ہیں۔ زندگی کا معیار بدل چکا ہے۔ آج کل کپڑوں کی قیمت کے معیار سے پہننے والے کی اہمیت کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ زندگی کا معیار اونچا ہو رہا ہے مگر اس حساب سے آمدنی میں اضافہ نہیں ہوگا تو بڑی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ روزانہ نئی نئی پرکشش اور دیدہ زیب اشیاء بازار میں آتی ہیں جن کے خریدنے کو بہت جی چاہتا ہے لیکن آمدنی یہ اجازت نہیں دیتی۔ یہ تو ہوئی سامانِ آرائش و زیبائش کی بات۔ اناج، دودھ، کپڑا، مکان کا کرایہ اور دوائیں یہ سب چیزیں اس قدر مہنگی ہوتی جا رہی ہیں کہ عام آدمی کے لئے ان ضروریات کا پورا کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

سماجی حالات ایسے ہیں کہ بنیادی ضروریات پر مناسب خرچ کرنے کے بجائے کم ضروری اشیاء پر کافی روپیہ خرچ کیا جا رہا ہے پڑوسیوں اور ملنے جلنے والوں سے اپنا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ اپنی حیثیت اور آمدنی کا خیال ہوتے ہوئے بھی پڑوسی اور ملنے جلنے والے ہمارے متعلق کیا خیال کریں گے؟ یہ سوال ہر شخص کے دماغ پر چھایا ہوا ہے۔ اسی خوف سے ہر شخص ایک دوسرے کو پھنسا رہا ہے۔ اور اس طرح خود کا نقصان کر رہا ہے۔ سینما دیکھنا روزمرہ میں داخل ہے سینما نہ دیکھنے والے کم درجہ کے سمجھے جاتے ہیں۔ بعض لوگ اسی لئے نہ چاہتے ہوئے بھی سینما جاتے ہیں۔ گھریلو اسباب کا بھی

تقریباً یہی حال ہے۔ ریڈیو۔ پنکھا اور ایسی ہی دوسری اشیاء ضرورت کے لحاظ سے کم اور دوسروں کے رشک کے لحاظ سے زیادہ ضروری سمجھ کر خریدی جاتی ہیں۔

آمدنی اور خرچ کا میزان برقرار رکھنے کے لئے دو باتیں ضروری ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کفایت شعاری سے کام لیکر خرچ کم کرنا مگر جب اس پر قابو نہیں ہوتا تو دوسرا راستہ آمدنی میں اضافہ کرنا ہوتا ہے۔ آجکل عورتوں میں جو نوکری کرنے کا رجحان بڑھتا جارہا ہے وہ اسی دوسرے راستہ پر عمل کرنا ہے۔

گھر کے بجٹ کو پورا کرنے کے لئے بعض گھرانوں میں عورتیں نوکری یا گھریلو صنعت میں کام کرکے گھر والوں کی معاونت کرتی ہیں۔ اس میں انھیں جو محنت اٹھانی پڑتی ہے اس کا اندازہ پردہ نشین عورتوں کو نہیں ہوسکتا۔

حالات کے تقاضے کے مطابق ہر شخص، ہر خاندان اور ہر قوم کے لئے ضروری ہوگیا ہے کہ وہ اپنے خرچ سے کچھ زیادہ ہی کمائے۔ اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا تو وہ کسی روشن مستقبل کی اُمید نہیں کرسکتے۔ آج کی آمدنی سے کچھ حصہ نکال کر الگ نہیں رکھ دیا گیا تو زندگی کا معیار برقرار نہیں رکھا جاسکتا۔ اس بچت کے لئے کئی راستے ہیں جن پر آسانی سے عمل کیا جاسکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ جس شخص کو اپنی ڈیوٹی کے لئے دور جانا پڑتا ہے، ایسے شخص کو کم از کم کچھ مہینے کے لئے پیدل جانا ہوگا۔ بس سے جانے کا جو کرایہ بچت ہوگا اس سے کچھ دنوں میں سائیکل خریدی جاسکتی ہے۔ اس میں روپے اور وقت دونوں کی بچت ہوگی۔ خالی وقت میں کوئی چھوٹا موٹا کام کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح آمدنی میں کچھ اضافہ ضرور ہوگا۔ اور معیار زندگی برقرار رہ سکے گا۔

روزانہ کی بچت اگر لازمی طور سے کی جائے اور عورتیں اگر چاہیں تو یہ چھوٹی بچت ضرور ہوسکتی ہے۔ تو اس بچت سے سلائی مشین خریدی جاسکتی ہے جس سے کپڑوں کی سلائی کا خرچ بچنے کے علاوہ کچھ آمدنی بھی ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ عورتیں اس طرح بھی گھر خرچ کی معاونت کرتی ہیں کہ وہ کپڑے یا سوئٹر دھو سکتی ہیں۔ استری بھی کرسکتی ہیں۔ شہروں میں گھر بیٹھے کچھ چھوٹے موٹے صنعتی کام بھی کئے جاسکتے ہیں۔ جن کے ذریعہ عورتیں اپنے خاندان کی آمدنی میں اضافہ کرتی ہیں۔

بچت کی رقم سرکاری بونڈ۔ بنک یا شیئرس یا بیمہ وغیرہ میں لگائی جاسکتی ہے۔ جس سے کوئی بھی خاندان خوشحال آئندہ مستقبل کی تمنا کرسکتا ہے۔ ●●

ہلال اسلام طلوع ہونیکے بعد

(صفحہ ۹۳ سے آگے)

بو علی سینا کی لکھی ہوئی طبی کتابوں نے عرصۂ دراز تک یورپ اور ایشیائی علوم کی رہنمائی کی۔ اور در اصل یہ بو علی سینا ہی تھے جس نے قدیم فلسفیوں، یعقوب ——— اور علّی ——— کے علوم کو دنیا میں روشن کیا۔

بو علی شیخنا اکثر اُجرت لینے سے انکار کیا کرتے تھے۔

مسلمان تجربہ ہی نے دنیا میں کیمیائی سائنس کے تجربوں کی بنیاد ڈالی۔ الکیمیں کا تو یہاں تک خیال تھا کہ ایسی کوئی شئے دریافت کی جاسکتی ہے جس کے استعمال سے دنیا میں ہی انسان ہمیشہ زندہ رہ سکتا ہے۔ ایک اور کوشش اُس نے یہ کی کہ کس طرح ایک دھات کو دوسری دھات میں تبدیل کیا جائے اور انھیں تجربوں کے طفیل مسلمانوں نے الکوحل، نائیٹرک ایسڈ اور اس سے ملحق کئی کیمیائیں دریافت کی تھیں۔

مسلمانوں نے ہی ہندوستان کے ایجاد کردہ علم اور چینی مقناطیسی سوئی کو دنیا میں مشہور کیا۔

نعیمہ جعفری
نیا محلہ
دمدمہ پور علی گڑھ

"ناکام تمنّا"

یوں تو ایک دو مرتبہ میں نے پہلے بھی انھیں دیکھا تھا لیکن کبھی بات چیت کرنے کا تو سوال ہی نہیں تھا پہلی مرتبہ میں نے انہیں کستوربا گاندھی گرلز کالج میں دیکھا تھا جب میں کسی کام سے وہاں گئی تھی اور دوسری مرتبہ بازار میں اتفاق سے میں اور وہ ایک ہی دوکان سے سامان خرید رہے تھے۔ پتہ نہیں کیوں ان کی شخصیت نے مجھے بہت متاثر کیا تھا اور میں کئی دن تک ان کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ یوں تو ان میں ایسی بات نہ تھی جو میرے لئے باعث کشش ہوتی۔ سانولی سانولی سی تھیں۔ عمر زیادہ نہ تھی لیکن دیکھنے میں اپنی عمر سے کہیں زیادہ لگتی تھیں زیادہ تر سفید ساری میں نظر آتی تھیں۔ لیکن ان کے چہرے پر ایک عجیب سی غم آلود نرمی تھی۔ ان آنکھوں میں مجھے بڑی کشش محسوس ہوئی۔ اس دوکان پر بھی جب انہوں نے میری طرف دیکھا تو . . . . تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میری طرف دیکھ رہی ہے۔ ممتا۔ پیار اور شفقت کا عجیب سا امتزاج۔ لیکن یہ دو مختصر اور سرسری ملاقاتیں ایسی نہ تھیں کہ میں ہمیشہ انہیں یاد رکھتی۔ دو تین دن بعد میں بھول بھی گئی۔ ویسے بھی ان دنوں امتحان شروع ہو گئے تھے لڑکیوں کا سینٹر وہی کالج مقرر ہوا۔ جس میں وہ پڑھاتی تھیں۔ جس دن میرا دوسرا پیپر تھا میں اپنا ہال ٹکٹ ایگزامیشن ہال میں ہی بھول آئی۔ شام کو دیکھا تو یاد آیا سخت پریشانی ہوئی۔ بغیر ہال ٹکٹ کے کوئی اندر داخل ہی نہیں ہونے دے گا۔ اس وقت تو شام ہو چکی تھی کالج بند ہو گیا تھا۔ دوسرے دن صبح ہی صبح کالج پہنچی۔ ہال میں اچھی طرح دیکھ لیا لیکن پتہ نہیں چلا۔ آفس میں جا کر پوچھا کہ شاید وہاں کسی نے جمع کرا دیا ہو۔ لیکن وہاں بھی نہیں تھا کلرک نے کہا "آپ ڈاکٹر صالحہ کو گمشدگی کی رپورٹ دیجئے وہی آجکل ایگزامیشن انچارج ہیں وہ آپ کو امتحان میں بیٹھنے کی اجازت دیں گی۔ میں نے دل میں سوچا ڈاکٹر صالحہ میری کونسی رشتہ دار لگتی ہیں جو بغیر ہال ٹکٹ کے اجازت دینگی۔ لیکن آخری سہارا تھا اس لئے میں ان کے

کمرے کے سامنے پہونچی۔ وہ کمرے میں موجود تھیں۔ ان کی پشت میری طرف تھی۔ میں آہستہ سے کمرے میں داخل ہوئی۔ میری آہٹ پر انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ یہ تو وہی تھیں میرے دل کو نہ جانے کیوں اطمینان سا ہو گیا۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرائیں اور بڑے پیار سے بولیں "آؤ بیٹھو۔ کہو کیا کام ہے؟"

"وہ۔ وہ میڈم اصل میں میرا ہال ٹکٹ کھو گیا ہے اور آپ جانتی ہیں اس بغیر ...... میں چپ ہو گئی۔

انہوں نے اپنی میز کی دراز میں سے کئی ہال ٹکٹ نکال کر میرے سامنے بکھیر دیئے اور بولیں "دیکھو ان میں سے تو کوئی تمہارا نہیں ہے؟"

میں نے جلدی جلدی دیکھا اتفاق سے پہلا ٹکٹ میرا ہی تھا۔ اتنی خوشی ہوئی کہ میں بے اختیار چلا پڑی "یہ ہے گا" پھر ان کی موجودگی کا احساس کر کے خود ہی شرمندہ ہو گئی وہ دھیمے دھیمے مسکراتی رہیں۔ میں شکریہ ادا کر کے باہر نکل آئی۔ اس دن ان کے برتاؤ نے مجھے بہت متاثر کیا۔

دوسرے دن آشا دیدی مل گئیں۔ یہ یونیورسٹی میں پڑھاتی تھیں۔ اس لئے ہم نہ صرف ان کو جانتی تھی بلکہ خاصی بے تکلف بھی تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر صالحہ سے آشا دیدی کی بڑی دوستی ہے میں نے انہیں ہال ٹکٹ کھونے اور پانے کا واقعہ سنا کر پوچھا۔ "دیدی یہ ڈاکٹر صالحہ کون ہیں۔"

"کون ہیں" انہوں نے حیرت سے کہا۔ "ارے بھئی کالج میں لیکچرار ہیں اور کئی برسوں سے پڑھا رہی ہیں۔ کیوں تم کیوں پوچھ رہی ہو یہ سب۔"

"کچھ نہیں، یونہی۔ بات یہ ہے کہ وہ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ اس لئے جی چاہا ان کے بارے میں جاننے کو۔ کیک وہ رہتی کہاں؟"

"یہیں اسٹاف کوارٹر میں رہتی ہیں۔ اکیلی ہیں کوئی اتنا نہیں ہے جسے اپنا کہہ سکیں" انہوں نے بتایا۔

"کیوں؟ شوہر نہیں ہیں ان کے" میں نے پوچھا۔

"شوہر کہاں ہے بے چاری کے (UN MARRIED) ہیں"

"UN MARRIED ہیں؟" میں نے تعجب سے کہا۔

"لیکن کل تو میں نے خود ایک لڑکی کو انہیں "ممی" کہتے سنا تھا۔" میری نظر میں وہ ممتا بھری آنکھیں گھوم گئیں۔ جن کی مالک صرف ماں ہی ہو سکتی ہے۔

"ان کو ممی کہنے والیاں تو تمہیں بہت مل جائیں گی۔ لیکن وہ ان کی بیٹیاں تھوڑے ہی ہیں۔ یتیم خانے سے لے کر پال رکھی ہیں" آشا دیدی نے انکشاف کیا۔

"بڑی دکھ بھری داستان ہے بے چاری کی۔"

"کیا داستان ہے دیدی" میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ارے تیرے ایگزام ہو رہے ہیں اور تجھے قصے کہانیاں سننے کی پڑی ہے" انہوں نے پیار سے ڈانٹا۔

"نہیں دیدی پلیز سنا دیجئے۔" میرے اصرار کا تو بہانہ تھا ورنہ وہ خود ہی سنانے پر آمادہ نظر آ رہی تھیں۔"

"صالحہ کو شروع ہی سے بچوں کا بے حد شوق تھا۔ ہر وقت محلے پڑوس کے بچے انہیں گھیرے رہتے اور وہ ان میں اتنی منہمک ہو جاتی کہ انہیں اپنا بھی ہوش نہ رہتا۔ اس کی منگنی بچپن ہی میں اپنے خالہ زاد بھائی سہیل سے ہو گئی تھی۔ اتفاق کی بات کہ انہیں بچوں سے حد درجہ چڑ تھی وہ جب بھی آتے انہیں بچوں میں مصروف دیکھتے اور جھنجھلا جاتے۔ ایک دن سہیل نے اسے اس بات پر ڈانٹا تو اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ بچوں بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس پر سہیل ناراض ہو گئے اور یہ

کہہ کر چلے گئے کہ "تو پھر بچوں کے ہی ساتھ رہو۔ میری کیا ضرورت ہے۔" یہ مذاق سمجھتی رہی۔ لیکن اس وقت چونکنا پڑا جب سہیل نے کسی دوسری لڑکی سے شادی کر لی اور U.S.A چلے گئے۔ تب سے یہ اسی طرح تنہائی کی زندگی گزار رہی ہیں۔ کئی یتیم لڑکیوں کو رکھ چھوڑا ہے اپنے پاس۔ وہی سب انہیں ممی کہتی ہیں۔"

"بے چاری ڈاکٹر صالحہ" میں نے سوچا۔ "کیسے تھے وہ سہیل صاحب۔ جو ذرا سی بات پر اتنی پیاری سی لڑکی کو چھوڑ کر چلے گئے۔"

وہ میرا فائنل ائیر تھا۔ پھر میں نے ریسرچ جوائن کر لی۔ کبھی کبھی ان سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ میرے دل میں ان کی عزت کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ میں سلام کرتی تو وہ بڑے مشفقانہ انداز میں مسکرا کر جواب دیتیں۔ . . ایم اے کرنے کے ایک ہی سال بعد کستوربا گرلز کالج میں میرا اپائنٹمنٹ ہو گیا۔ اس خیال سے مجھے خوشی ہوئی کہ ڈاکٹر صالحہ کا ساتھ رہا کریگا۔ لیکن کالج کھلنے کے بعد بھی کئی دن تک مجھے وہ نظر نہ آئیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہیں۔

میں نے سوچا مزاج پرسی کے لئے جانا چاہیئے۔ ان سے ایک جذباتی لگاؤ سا ہو گیا تھا۔ ویسے بھی اب ان کے کالج میں آ گئی تھی۔ تو تعلقات بنانے ضروری تھے۔ اسی دن شام کو میں ان کے گھر پہونچی۔ باہر برآمدے میں ہی ایک لڑکی کھڑی تھی جو مجھے اندر لے گئی۔ سامنے ہی پلنگ پر وہ آنکھیں بند کئے لیٹی تھیں۔ بے حد کمزور دکھائی دے رہی تھیں۔ پلنگ کے گرد تین چار سوگوار لڑکیاں کھڑی تھیں ان میں سے ایک سبز ساری میں تھی۔ زیور بھی کافی پہن رکھے تھے نئی دولہن سی لگ رہی تھی۔ میں خاموش کھڑی انھیں دیکھ رہی تھی۔ کسی سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد انھوں نے آنکھیں کھولیں، اور اپنے سرہانے کھڑی ہوئی ایک لڑکی کو اشارہ کیا کہ اس دولہن کو وہاں سے ہٹا دیا جائے۔ میں نے دیکھا دولہن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں گر رہی تھیں۔ با دلِ ناخواستہ وہ وہاں سے اٹھی اور چلی گئی۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آسکا۔ یکایک میری نظر اندر آنگن کی طرف اٹھ گئی۔ جہاں آنسا دیدی ایک آرام کرسی پر آنکھیں بند کئے بیٹھی تھیں۔ میں آہستہ سے ان کے قریب گئی مجھے دیکھ کر بولیں "ارے عارفہ تم"

میں نے ان سے پوچھا "دیدی ڈاکٹر صالحہ کو کیا ہوا۔" انھوں نے انگلی ہونٹوں پر رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اور میرے ساتھ باہر آگئیں۔ اور دھیرے سے بولیں۔ حالت نازک ہے۔ بس دعا کا وقت ہے۔"

"لیکن کیا ہوا؟ کالج میں تو سنا ہے کہ چند روز پہلے تک ٹھیک تھیں۔"

"بے چاری وہاں سے تقدیر ہی خراب لائی تھی" انہوں نے آسمان کی جانب انگلی اٹھا کر کہا۔ میں سوالیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد خود ہی بولیں۔ "بالکل اچھی بھلی تھی۔ یکایک اسے کیا ہو گیا۔"

ان کے رک رک کر بولنے سے مجھے وحشت ہو رہی تھی لیکن بار بار ٹوکنا بھی برا لگتا تھا۔ اس لئے میں خاموش ہی رہی۔ کچھ رک کر وہ بولیں۔ میں نے تمہیں بتایا تھا ان کے منگیتر سہیل کے بارے میں جو شادی کر کے U.S. چلے گئے تھے۔"

"جی ہاں آپ نے بتایا تھا" میں نے جلدی سے کہا۔ پچھلے مہینے وہ ہندوستان واپس آ گئے امریکہ میں ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا۔ یہاں آ کر وہ صالحہ سے ملنے آئے اور پھر اکثر آنے لگے۔ یہ سمجھیں کہ شاید بچپن کی محبت عود کر آئی ہے اور وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہیں صالحہ نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ان کی آمد و رفت بھی بڑھتی

(بقیہ صفحہ ۱۰۵ پر)

اسد اللہ خلیؔ بھوپال

ماہِ رمضان السلام

جانِ حسرت جانِ ارماں السلام — تجھ پہ واری تجھ پہ قرباں السلام
سرخروئے دین و ایماں السلام — السلام اے ماہِ رمضاں السلام

تیرے آنے سے اُجالے ہو گئے
ظلمتوں میں کفر و باطل کھو گئے

تو نے بخشا جذبۂ صوم و صلات — ڈھال دی تو نے عبادت میں حیات
تو نے دکھلائی سدا راہِ نجات — مومنوں پر ہے ترا یہ التفات

اللہ اللہ تیرے یہ لطف و عطا
مرحبا صد مرحبا صلّے علیٰ

تیری آمد سے یہ ہے رَدِّ عمل — کھل گئے سینوں میں ایماں کے کنول
تو نے وہ ڈھائے اندھیروں کے محل — لرزہ بر اندام ہیں لات و ہبل

تیرے پرتو سے ملی وہ روشنی
رہ گئی چھٹ کر دلوں سے تیرگی

مدحتیں تیری ہیں مومن کے لئے — طاعتیں تیری ہیں مومن کے لئے
قربتیں تیری ہیں مومن کے لئے — رفعتیں تیری ہیں مومن کے لئے

تیری دعوت، دعوتِ خیر الانام
ہے پیام اللہ کا تیرا پیام

بولنے کی مشق

بچہ کی ذہنی صحت کیلئے ضروری ہے

جب سے نئی پڑوسن محلّے میں آئی تھی کوٹھے پر بیٹھ کر پڑھنا دشوار ہو گیا تھا۔ کوٹھے کی تو بات ہی کیا تھی اس کی چیختی ہوئی آوازیں کمرے میں بھی آجاتی تھیں۔ ذکیہ کا کہنا تھا کہ اس نے گلے میں لاؤڈ اسپیکر لگا رکھا ہے جب بولتی تھی تو مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی المونیم کا کٹورا نیچے فرش پر اوندھا کرکے رگڑ رہا ہو، بچے تو ماں سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ ہر ایک نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر آوازیں پائی تھیں۔ اگر یہ گلی میں کھیل رہے ہوں تو کیا مجال کہ ان کے شور سے دو گھڑی کا بھی کسی کی آنکھ لگ جائے۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اگر یہ بچے گھر میں شور مچا رہے ہوتے تو بی ہمسائی ان کو پکڑ کر کھینچتے ہوئے پیٹ کر کہتیں "ارے کمبختو ذرا تو نیچی آواز سے بولا کرو" اور میں سوچتی "کاش یہ خود ہی ذرا نیچی آواز سے بول لیں"

ماہرین کی رائے میں ماں کی آواز کا اثر بچے کی آواز پر ضرور پڑتا ہے۔ بچوں کو اچھی طرح بات چیت سکھانے کے لئے ضروری ہے کہ ماں اپنی گفتگو کے بارے میں احتیاط برتے۔ بچہ اپنے ابتدائی پانچ برسوں میں ہی بری بھلی بات چیت کرنا سیکھتا ہے۔ بات چیت سکھانے والے سب سے اہم استاد خود اس کے والدین ہیں۔ یہ تو آپ جانتی ہی ہیں کہ بچے نقل سے ہی عقل سیکھتے ہیں۔ جو برائیاں یا اچھائیاں آپ کی آواز میں ہوں گی وہی آپ اپنے بچے کی آواز میں پائیں گی۔ بچہ اگر کوئی زبان نہیں سنے گا تو وہ کوئی زبان سیکھ بھی نہیں سکے گا۔ اگر بچے کو بولنے پر اکسایا نہیں جائیگا تو اس کی بولی کی رفتار بہت ہی آہستہ ہوگی۔

بچہ جب اپنی زندگی کے پہلے دن اپنی ماں کے نرم نرم بازوؤں کی گرمی پاتا ہے، تو ماں کی آواز کی نرمی سے ہی بچے کے مستقبل کی بات چیت کے سلسلے کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اگر آپ یہ چاہتی ہیں کہ آپ کا بچہ جلدی جلدی بولنا سیکھے تو جو کچھ بھی وہ کہے اس کے سننے میں دلچسپی کا اظہار کریں۔ آپ کی دلچسپی کا اظہار اس کے لئے حوصلہ افزائی کا باعث ہوگا۔ اگر آپ کوشش کریں تو بچہ پانچویں ہفتے میں ہی "غوں غاں" کرنا سیکھ جائے گا جب آپ اپنے دو مہینے کے بچے کو دودھ پلا رہی ہوں تو آپ دیکھیں کہ وہ خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ زیادہ خوشی اسے اس بات کی ہوتی ہے کہ اس کی ماں اس کی خاطر کر رہی ہے اس وقت آپ ایسا کہیں

"کتا بھوں بھوں کرتا ہے"۔ "بلی ماؤں ماؤں کرتی ہے"۔ اگرچہ یہ جملے اس کے لئے بے معنی ہیں مگر جو آوازیں آپ نکالتی ہیں وہ بچے کے لئے بہت اہم ہیں۔

جب آپ کا بچہ بے معنی آوازیں نکالنا شروع کر دے تو اسے مت ٹوکیں کیونکہ صحیح بات چیت کی طرف بڑھنے کا ایک ضروری قدم یہ بھی ہے۔ آپ بھی اس کے ساتھ ایسی ہی آوازیں نکالیں اپنی بات کا جواب پا کر وہ اور بھی بولے گا۔ تین اور چھ مہینے کی عمر میں بچہ ادھر ادھر چیزیں پکڑنے کو ہاتھ بڑھاتا ہے ان کی زیادہ تر پہنچ اپنے کھلونوں تک ہی ہوتی ہے۔ بچہ کو کھلونا دیتے وقت بچہ کی زبان ہی میں اس کا نام دہرائیں۔ بعد میں الفاظ سیکھنے کے لئے یہ بہت مفید ثابت ہوتے ہیں۔

چھ اور نو مہینوں کے درمیان جب بچہ ذرا ذرا بیٹھنے لگتا ہے تو پیالہ اور بال پکڑنے کی کوشش کرتا ہے اگر وہ بال پکڑتا ہے تو پہلے آپ "بال" کہیں پھر بار بار بال کہیں بچے کو سیکھنے میں آسانی ہو گی۔

نویں مہینے میں بچے کے سننے کی طاقت اور نقل کرنے کی طاقت کافی پختہ ہو جاتی ہے۔ اس عمر میں ان کے ساتھ بچکانہ زبان میں باتیں نہ کریں۔ بلکہ بالکل صحیح تلفظ استعمال کریں مگر بہت مشکل الفاظ استعمال نہ کریں۔ ایسے لفظ بولیں جو چھوٹے چھوٹے اور آسان ہوں اس طرح بچہ کو باتیں کرنے میں وہ مشکل نہیں آئے گی جو عام طور پر شروع میں بچوں میں ہوتی ہے۔

نو مہینے سے ڈھائی سال تک کی عمر میں بچوں کو بات چیت سکھانا بڑا اہم ہوتا ہے۔ اس عمر میں بچہ زیادہ سے زیادہ سیکھنا چاہتا ہے۔ در اصل بات چیت کرنا اس کے لئے انوکھا اور دلچسپ کام بن جاتا ہے جسے وہ بخوشی کرتا ہے۔ نو سے بارہ مہینے تک جب بچہ پاؤں پاؤں چلنا شروع کرتا ہے تو ادھر ادھر ہر چیز میں ہی ہاتھ مارتا ہے۔ جب بھی وہ کسی چیز کو ہاتھ لگائے اسے اس چیز کا نام بتائیں مثلاً کرسی میز ریڈیو وغیرہ اس طرح وہ ان الفاظ کی نقل کرنے کی کوشش کرے گا۔ ایک تو وہ چیز پہچانے گا۔ دوسرے الفاظ سیکھے گا۔

جب بچہ دوسرے سال میں قدم رکھے تو اسے چیزوں کے رشتے سے بولنا سکھائیں۔ آپ اس کے لئے ایسے مواقع مہیا کریں کہ وہ نئی نئی چیزیں دیکھے اور ان کا نام جاننا چاہے۔ کسی چیز کی غیر حاضری میں بچہ اس کا نام نہیں سیکھ سکتا۔ وہ کہنا سیکھ لے گا مگر پھر بھول بھی جائیگا۔ اگر آپ بچے کو چڑیا گھر لے جا کر شیر دکھائیں اور پھر اسے شیر کہنا سکھائیں تو وہ فوراً شیر کہنا سیکھ لے گا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اسے پہچان بھی لے گا۔

جب بچہ کوئی نیا لفظ سیکھنا چاہے تو آپ لفظ سے زیادہ اس کے سیکھنے کو اہمیت دیں۔ اس طرح بچے میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے اگر آسمان پر ہوائی جہاز گزرے اور بچہ اوپر دیکھ کر کہے "آہا۔ آسمان کی گاڑی"۔ آپ اسی لمحے بچے کی تصحیح کر کے اس کی خوشی اور ولولے کو ضائع نہ کر دیں۔ بلکہ بعد میں کسی تصویر یا کھلونے کے ذریعے آپ بچے پر واضح کر دیں کہ "یہ آسمان کی گاڑی نہیں" بلکہ ہوائی جہاز ہے۔

اگر آپ کا بچہ لفظ بولنے میں دلچسپی کا اظہار نہیں کرتا تو اس کے سامنے کوئی نصب العین رکھیں۔ اگر وہ اخبار یا کتاب لینا چاہتا ہے تو اسے کہیں پہلے وہ "اخبار یا کتاب" کہے۔ تب اسے کتاب یا اخبار دیا جائیگا۔ وہ یہ ضرور کہے گا اور اس طرح وہ نئے لفظ بھی سیکھے گا۔

اگر آپ بچے کو بات چیت سکھانے میں محتاط رہیں تو تیرہ یا اکیس مہینے کی عمر کے درمیان وہ اپنے پہلے جملے بولے گا اور تین سال کی عمر میں تو اس کی زبان قینچی کی طرح چلے گی۔ اس وقت وہ نئے نئے الفاظ اور پورے پورے جملے بولے گا۔

اس عمر میں بات چیت کے نقائص بھی ظاہر ہونے لگتے ہیں جو بچے نے دوسروں کی نقل میں سیکھے ہوں اگر ایک بچہ تو تلا کر بولے تو دوسرا اس کی نقل میں تو تلانے کی کوشش کرتا ہے تو تلانے کی

دوسری وجہ یہ ہے کہ بچے کے خیالات اس کی زبان سے زیادہ تیز چلتے ہیں۔

اگر تین سالہ بچہ اپنے بچگانہ انداز میں باتیں کرتا ہے تو پھر اسے صحیح تلفظ کی مشق کرائیں مگر اس وقت آپ کا انداز دوستانہ ہونا چاہیئے تاکہ بچہ اس وقت اسے صرف ایک کھیل سمجھے، آپ کا غصہ اس کے ذہن کو کند کر سکتا ہے

چار پانچ برس کی عمر میں بچہ بہت سے سوالات پوچھے گا آپ ان سب کے جوابات دیں۔ اگر پوچھے کہ گاڑی بغیر گھوڑے کے کیسے چلتی ہے تو اسے اس بات کا بھی صحیح جواب دیں اور ٹالنے کی کوشش نہ کریں۔ اگر وہ ایسی بات پوچھے جس کا جواب ہی آپ کے پاس نہ ہو تو اس کے سامنے کتابوں اور رسالوں سے تلاش کرکے بچے کو جواب بتا دیں۔ اس طرح سے اس کی تسکین ہو جائیگی اور وہ یہ بھی جان جائے گا کہ اس کے والدین غلطی کر سکتے ہیں اس کے علاوہ اس پر کتاب کی اہمیت واضح ہو گی۔ اپنے بچے کو اپنی خاندانی بات چیت میں بھی شامل ہونے کا موقع دیں اور اس وقت ایسی باتیں کریں جن میں بچوں کی بھی دلچسپی ہو۔ ان کے سامنے کوئی ایسی باتیں نہ کریں جو ان کے سامنے نہیں کرنی چاہیئے۔

بچے کے پاس جتنا زیادہ الفاظ کا ذخیرہ ہو گا اتنا ہی زیادہ وہ اپنی خواہش کا اظہار کر سکتا ہے اور اس طرح نفسیاتی مریض نہیں بنتا۔

نفسیات کے ماہرین کا کہنا ہے کہ جوانی اور بڑھاپے کی دائمی کمزوریاں بچپن کے اس وقت کی پیداوار ہوتی ہیں جب بچہ زبان کی مشکلات کی وجہ سے اپنے خیالات کا اظہار نہیں کر سکتا۔ تندرست ذہن کے لئے ضروری ہے بچہ اپنی خواہشات اور خیالات کا اظہار آسانی سے کر دے۔

توبہ کے بغیر عبادت درست نہیں ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کو عبادت پر مقدم رکھا ہے۔ (حضرت امام جعفر صادقؒ)

کڑھنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں وہ بھی اپنے خاندانی نظام اور اپنے بچوں پر نادانستہ طور پر ظلم کرتے ہیں۔ اور بالآخر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کے لئے گھریلو آرام و سکون اور راحت کا تصور محض ایک خواب بن کر رہ جاتا ہے۔

بعض مثالیں ایسی بھی ملتی ہیں کہ میاں بیوی دونوں ہی کسی کلب کے ممبر ہیں اور اپنی شامیں وہاں کی رنگین فضا میں گزارتے ہیں۔ بلاشبہ کلب میں گزارے ہوئے لمحات بڑے خوشگوار اور دل خوش کن محسوس ہوتے ہیں یہ خوشگواری گھر کو کتنا زہر آلود بنا دیتی ہے، اس کا اندازہ انہیں اس وقت نہیں ہوتا، بہت دیر میں جا کر ہوتا ہے اور اس وقت اس کا کوئی علاج باقی نہیں رہا ہوتا۔

بقیہ ناکام تمنا (صفحہ ۱۰ سے آگے)

گئی۔ ان دنوں کتنی خوش نظر آتی تھی وہ مسکراتی تو پہلے بھی تھی لیکن اب اس کی مسکراہٹ میں جینے کی تمنا نظر آنے لگی تھی۔ اس کے رخساروں کے گلاب کھل اٹھے تھے اور اس کی آنکھوں میں ستاروں کی چمک بھر گئی تھی لیکن تین روز قبل اسے اطلاع ملی کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آشا دیدی کی آواز بھرا گئی۔

"کیا اطلاع ملی" میں نے بے صبری سے پوچھا۔

"اطلاع ملی کہ سہیل نے اس کی پالی ہوئی لڑکیوں میں سے بڑی لڑکی مہرو سے شادی کر لی۔"

"میرا دل دھک سے رہ گیا۔ آشا دیدی رو رو کر آنکھیں پونچھ رہی تھیں۔ اور میں گم سم سی کھڑی تھی کہ اتنے میں اندر کمرے میں سے لڑکیوں کے رونے کا شور دل پر پہاڑ بن کر گرا۔

●●

زبیر فاطمہ جعفری

نئی صبح طلوع ہوگئی

رات اس قدر طویل ہوگئی جیسے کہ کبھی ختم ہی نہ ہوگی۔ صفیہ کو یہ رات بھی اپنی قسمت کی طرح تاریک نظر آرہی تھی۔ ہوا کی سائیں سائیں اور سایوں کی چیخ و پکار ماحول کو اور پر ہول بنا رہی تھی۔ نیند کی دیوی اس سے روٹھ کر نہ جانے کہاں چلی گئی تھی۔ چند لمحوں کو آنکھ جھپک بھی جاتی تو ڈراونے خواب اس کے سارے وجود کو ہلا کر رکھ دیتے۔ دیئے میں تیل کے چند ہی قطرے رہ گئے تھے۔ اور اس کی لَو بھی کانپ رہی تھی صفیہ کی نگاہیں دیئے پر جمی ہوئی تھیں اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا سارا وجود ہی اسی لَو میں تحلیل ہوگیا ہو۔ اس کی زندگی کے دیئے میں تیل کے چند قطرے رہ گئے ہوں اور ظالم ہوائیں اس کی زندگی کے دیئے کو بجھانے کے در پے ہوں پھر اس کے دیکھتے دیکھتے دیا بجھ گیا۔ رات کی تاریکی میں اس کا دم گھٹنے لگا۔ اور اس سمے اس کے تصور میں نگینہ ہائی اسکول ابھر آیا۔ ہنستے مسکراتے معصوم بچوں کے تصور سے اسے کچھ روشنی محسوس ہوئی۔ لیکن اس روشنی میں اسکول کی استانیوں کے زرد مرجھائے اور سہمے ہوئے چہرے دیکھ کر اس کا دل پھر تاریکیوں کے اتھاہ سمندر میں ڈوب گیا۔ اس سمندر کی تہہ سے ایک سرخ سفید لیکن سیاہ باطن انسان ابھرا۔ پرنسپل حمید جو اس سے کہہ رہا تھا "صفو ڈیر مجھ پر رحم کرو۔ صفو میری بیوی سخت جاہل اور گنوار ہے۔ میری زندگی میں خار ہی خار ہیں۔ تاریکی ہی تاریکی ہے۔ تم میری ویران زندگی میں روشنی کی کرن بن کر نمودار ہوئی ہو صفو میں تم سے محبت کی بھیک مانگ رہا ہوں۔ خدارا مجھے مایوس نہ کرنا" اور جب صفیہ نے صاف انکار کر دیا۔ تو اس نے شرافت کا مصنوعی لبادہ اتار پھینکا۔ اور یوں گویا ہوا "اچھی طرح سوچ لیں میں آپ کو ایک ہفتہ کی مہلت دیتا ہوں اگر آپ نے مجھ پر ظلم کیا تو مجھ کو بھی ظالم ہی پائیں گی یعنی کہ آپ کی دو مہینہ کی تنخواہ ضبط کرکے آپ کو ملازمت سے برطرف کر دیا جائے گا" صفیہ نے تصور ہی تصور میں گلدان حمید کے سر پہ دے مارا۔ چھناکے کی آواز سے اس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ اور اسے کمرے کی تاریکی میں چاروں طرف حمید کی منحوس شکل ناچتی نظر آرہی تھی۔ تاریکی سے گھبرا کر وہ اٹھی۔ دیئے میں تیل ڈالا اور اسے جلا کر پھر لیٹ گئی۔ تبھی اس کی نظر احمر کی تصویر پہ اٹک کر رہ گئی جس

ار کر تھینکنے کی اس میں سکت نہیں تھی۔ اور پھر وہ خیالوں کی
میں بھٹک گئی۔ احمر اس کی پہلی اور آخری محبت تھا۔ ان کی
ت کی راہ میں دولت کی دیوار کھڑی ہو گئی تھی۔ احمر جو اس کا
ستھا منے کو کئی بار بڑھا۔ لیکن اس نے ہر دفعہ یہ کہہ کر اسے مزید
لاد کے لئے روک دیا کہ میں کم از کم بی اے تو کر لوں تاکہ ہم دونوں
ر اپنا معیار زندگی تو بلند رکھ سکیں لیکن اسے یہ خبر نہ تھی کہ احمر کے
دنوں کے انتظار میں اسے تمام زندگی اس کا انتظار کرنا پڑیگا۔
ر زندگی کو بلند کرنے کی لگن میں وہ پستیوں میں گرتی ہی چلی
گی۔ بی اے کا ابھی رزلٹ بھی نہ آیا تھا کہ اس کے خاندان پر قیامت
ٹ پڑی۔ ڈیڈی ہوائی جہاز کے حادثہ میں جاں بحق ہو گئے۔
صدمے سے امی پلنگ سے لگ گئیں جو کچھ جمع پونجی تھی
کفن دفن نیاز نذر اور پرسے کو آنے والوں کو کھلانے
نے کی نذر ہو گئی۔ آہستہ آہستہ تمام رشتہ داروں نے نظریں
لیں۔ جس دن اس کا رزلٹ آیا کوئی اس کی ہمت بندھانے
ے تسلی دینے نہ آیا۔ شام کو صرف احمر آیا۔ لیکن وہ بھی نہ آتا تو
تھا۔ احمر کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ "صفو میں تم سے بہت
مندہ ہوں۔ تم مجھے بزدل، بیوفا اور جو بھی چاہے کہہ سکتی
میں سننے کو تیار ہوں۔ صفیہ میں مجبور رہوں۔ مجھ میں اپنے
شتے سے ٹکرانے کی ہمت نہیں۔ امی تمہیں بہو بنا کر لانے
سی طرح راضی نہیں ہوئیں کہتی ہیں جہیز میں کیا خاک لائے
سوائے اپنے گھر کی نحوست سمیٹ کر لانے کے۔ صفو اگر میں
ہ مجبور کرتا ہوں تو انہیں دل کے دورے پڑنے لگتے ہیں
ران کے اور تمام عورتوں کی بھی یہی حالت ہے اگر ہم نے زبردستی
دی کر لی تو بھی امی ہم دونوں کی زندگی عذاب کر دیں گی لیکن صفو
ی روح ہمیشہ ہمیشہ تمہاری ہی رہے گی۔ اور وہ آنسو پونچھتا ہوا
گیا۔ صفیہ کے تصور کا حسین گھروندا چکنا چور ہو گیا۔ وہ احمر
ے کچھ بھی تو نہ کہہ سکی۔ اس دوسرے غم کو بھی اس نے بڑے صبر
ستقلال سے سہہ لیا۔ چند روز رونے دھونے کے بعد اس کے دل
بوجھ ہلکا ہو گیا۔ انہوں نے اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لی کہ احمر

نے ساتھ چھوڑ دیا تو کیا ہوا۔ میں گریجویٹ ہوں۔ دو ڈھائی سو روپے
با آسانی کما سکتی ہوں۔ آرام سے زندگی گزر جائیگی۔ گڈو اور پپو
کی معصوم شرارتیں اس کا دل بہلانے کو کافی تھیں۔ لیکن امی
کی بیماری کا غم اسے گھن کی طرح چاٹ رہا تھا۔ امی کے علاج کے
لئے زیورات ایک ایک کر کے فروخت ہوتے چلے جا رہے تھے
بڑی مشکل سے اسکول کی ملازمت کے لئے اس نے امی سے اجازت
لی اور امی نہ چاہتے ہوئے بھی منع نہ کر سکیں۔
بی اے میں فرسٹ ڈویژن حاصل کرنے کے بعد بھی اسے
ملازمت کے لئے دو تین مہینے اسکولوں کی خاک چھاننا پڑی تھی
اسکول کے علاوہ کئی دوسرے اداروں میں اسے اچھی ملازمت
مل رہی تھی مگر اس کی ہمیشہ سے یہ خواہش رہی کہ لڑکیوں کے
اسکول میں ٹیچر بنے۔ معلمی کے پیشے کو وہ سب سے زیادہ مقدس
اور باعزت سمجھتی تھی۔ اور اس کا خیال تھا کہ اس پیشے میں ہی
خاندان کی عزت و وقار کو بھی ٹھیس نہیں پہنچے گی۔ اور جب
اسے ہائی اسکول میں دو سو روپیہ کی ملازمت مل گئی تو اس
کی خوشی کا کہیں ٹھکانا نہ تھا۔ بچیوں کو پڑھاتے ہوئے اسے ایسا
محسوس ہوتا تھا۔ جیسے اسے دنیا کا کوئی غم نہیں ہے جیسے کہ
بھٹکے ہوئے مسافر کو منزل مل گئی ہو۔ وہ اب خوش رہنے لگی
تھی۔ اس کے مرجھائے ہوئے چہرے پر شگفتگی آگئی تھی۔ گھر
آکر وہ گڈو پپو کے مستقبل کو سنوارنے کے منصوبے بنایا
کرتی تھی۔
پرنسپل نے چند مجبوریاں بتا کر اس کے پہلے مہینے کی
تنخواہ روک لی۔ اور کہا کہ دونوں مہینوں کی تنخواہ ایک ساتھ
مل جائیگی۔ چند اور استانیوں کو بھی اس مہینے کی تنخواہ نہیں ملی
اور صفیہ آئندہ کی امید میں چپ ہو رہی اور پہلی ہی سی لگن
سے بچوں کو پڑھاتی رہی۔ اور جب تیسرا مہینہ شروع ہوا اور
اس نے تنخواہ کا مطالبہ کیا تو اس کے جواب میں جو کچھ اس سے
پرنسپل نے کہا اس نے اس کے وجود کو پاش پاش کر دیا۔ اسے
ایسا لگا جیسے یہ درسگاہ نہیں طوائف کا بالاخانہ ہے عظمت کے

سارے معیار دھڑام دھڑام اس کے سر پر آن گرے۔ دوسری استانیوں کے زرد اور بجھے ہوئے چہروں کا راز اس پر فاش ہو گیا۔ اس کا دل چاہا اس تعلیمی ادارے کو آگ لگا دے۔ اور اپنی بی اے کی ڈگری کو اس آگ میں جلا دے۔ پرنسپل کا سر توڑ دے۔ پولیس کو اطلاع کر کے سارے بوالہوس اسٹاف کو گرفتار کرا دے مگر وہ کچھ بھی نہ کر سکی۔ آج اسے احساس ہوا کہ انسان تقدیر اور زمانے کے ہاتھوں کتنا بے بس ہے۔ اس کے لئے یہ زخم باپ کے مرنے اور احمر کی بے وفائی سے بھی زیادہ گہرا تھا وہ کچھ بھی نہ کر سکی۔ اور خاموشی سے گھر لوٹ آئی۔ اور جب ماں نے اس کی بدلی ہوئی کیفیت کی وجہ پوچھی تو وہ سسک پڑی۔ لیکن ماں کے بے حد اصرار کے باوجود اسے کچھ بھی نہ بتا سکی، صرف اتنا ہی کہا کہ کل سے اسکول نہیں جاؤنگی۔

جب سوچ کے دھارے یہاں تک پہنچے تو وہ دوبارہ سسک پڑی۔ تکیہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔ اذان کی آواز اور پرندوں کی چہچہاہٹ نے صفیہ کو آمد سحر کا مژدہ سنایا اسے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی اس سے کہہ رہا ہے۔ صفو اٹھو نئی صبح طلوع ہو گئی ہے۔ آنسو پونچھ ڈالو۔ جذبات پر قابو پاؤ اور پھر مصائب کے آگے سینہ سپر ہو جاؤ۔ پراگندہ خیالات کو جھٹک دو تم ہی تو بیوہ ماں اور معصوم بہن بھائی کی ڈھارس ہو۔ یہ سچ ہے کہ جس منزل کو نظر میں رکھ کر تم آگے بڑھتی رہیں وہ تمہاری منزل نہ تھی۔ سراب نظر تھا۔ اب تمہاری منزل تمہارے چھوٹے بہن بھائی ہیں۔ اب اس تاریک کمرے سے باہر نکل آؤ۔ وہ اٹھی اور صحن میں کیاریوں کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

ناشتہ کرتے ہوئے اس نے ماں سے کہا "ماں آج سے میں گھر پر ہی محلے کے بچوں اور گڈو پپو کو پڑھایا کروں گی اور ماں میں آپ کے ساتھ کپڑے بھی سیا کرونگی۔ یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور ماں کی آنکھوں میں حیرت ـــ دیکھ کر وہ منہ پھیر کر گڈو کو پیار کرنے لگی۔ ●●

تبسم سحر

غزل

غم کا سایہ بھی رہا ہے زندگی کے آس پاس
تیرگی ہی تیرگی تھی روشنی کے آس پاس

ایسا بھی اکثر ہوا ہے انتہائے شوق میں
ہوش نے پہرہ دیا ہے بیخودی کے آس پاس

بغض، نفرت، جعل سازی، دھوکا بازی اور دغا
ہے بھی کیا اس کے علاوہ آدمی کے آس پاس

ہم نے ہی بخشی ہے ہر ظلمت کدے کو روشنی
اک نئے اک ہم رہا ہے ہر صدی کے آس پاس

آپ سے وابستہ ہے ہر اک تبسم کی خوشی
عمر گذری ہے ہماری آپ ہی کے آس پاس

جاوید محمود
یونٹی کمپاؤنڈ - جوہو بیچ

حکمِ خداوندی

بالآخر چھ ماہ کی رنج اور غم سے بھری زندگی سے
آکر اُس نے پھر وہ فیصلہ کیا۔ جو وہ بہت جلد نہ کرتا
تا تھا۔ دوسری شادی کا فیصلہ . . . . گرانی کے اس
ر میں پہلی شادی ہی آدمی مشکل سے کرتا ہے۔ پھر دوسری
کل کون کرتا ہے۔ لیکن وہ تو ان دنوں ایک ایسا
ہے جو شادی شدہ ہے نہ کنوارا ہے۔ اُس نے
، ماہ تک سب سے بڑی خوشی دیکھیں شادی۔
پچھلے چھ ماہ سے زندگی کا سب سے بڑا رنج جھیل
ہے طلاق . . . . وہ شادی بھی کچھ ایسی شادی تھی
بیوی تھی تو بہت پیسے نہ تھے۔ اب پیسے ہیں تو بیوی
یا۔ جب غمِ عشق نہیں تھا تو غمِ روزگار رہتا۔ اور
غمِ روزگار نہیں تو غمِ عشق ہے۔ اُس نے غمِ روزگار
تو دور کر دیا اور اب اُسے غمِ عشق کو بھی دور کرنا ہے۔
ں کا ایک ہی طریقہ ہے دل سے ایک تصویر نکال کر
سری سجا لے۔ اپنے وطن جائے جہاں اس کا نام
، عزت ہے۔ کوئی بھی لڑکی مل جائے گی۔ لیکن پھر
سے یکایک خیال آیا اُس نے تمام دوستوں کو عزیزوں کو
دی کے کارڈ بھیجے تھے۔ لوگ پوچھیں گے اتنی

جلدی طلاق کیسے ہو گئی؟ کہہ دے گا لڑکی خراب تھی . . . .
سسرال خراب تھا۔ کتنا آسان سا نسخہ ہے۔ جب دو ملک
ایک دوسرے سے جنگ کرتے ہیں تو ایکدوسرے کو خراب کہتے
ہیں۔ فساد میں جب دو فرقے ایکدوسرے سے لڑتے ہیں تو
ایکدوسرے کو بُرا کہتے ہیں۔ جب کسی لڑکی اور لڑکے کی طلاق
ہو جائے تو سسرال والے میکے کو اور میکے والے سسرال کو
بُرا کہتے ہیں۔ وہ بھی ٹھیک یہی کرے گا۔ لیکن پھر اُسے
یکایک ایسا لگا جیسے وہ لوگ جو کبھی اس کے عزیز تھے رشتہ دار
تھے۔ اُس کے خیالوں میں آرہے ہوں۔ اور کہہ رہے ہوں۔
"ہم بھی انسان ہیں جیسے کہ تم ہو، ہمیں سمجھنے کی کوشش کرو۔
رشتہ توڑا تو کیا ہوا رشتہ جوڑا بھی تو تھا۔ نفرت کی تو
کیا ہوا، محبت بھی تو کی تھی"۔ اس کے سامنے تصویریں سی
اُبھرنے لگیں۔ کسی نے ایک تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
پوچھا اُسے پہچانتے ہو؟ یہ سترہ اٹھارہ سال کے لاابالی سے
لڑکے کی تصویر تھی۔ ماتھے پر پڑے بال۔ ذہانت سے بھری
آنکھیں۔ بہت بات کرنے کا شوقین۔ ہاں وہ اسے کیسے بھول
سکتا ہے۔ یہ اُس کے چھوٹے سالے کی تصویر ہے۔ اُسے آج
سے دو سال پہلے پہلی بار کالج کے فنکشن میں اپنی بڑی بہن کے

ساتھ دیکھا تھا۔ اُس کے بعد تم اُن سے ملنے اُس کے گھر گئے۔ تمہارا جانا بے غرض نہ تھا۔ تمہارے دل میں اُس کے بہن کے لئے محبت کی دبی دبی چنگاری تھی۔ لیکن اُس معصوم لڑکے کا خلوص بے غرض تھا۔ اُس نے تمہیں ایک قریب کے ہوٹل میں مینگو لا پلایا۔ اور عزت سے رخصت کیا۔ اُس کے بعد جب بھی اُس نے تمہیں کسی ہوٹل میں دیکھا، بھاگ کر آیا . . . پاس بیٹھا۔ اور عمر میں چھوٹا ہونے کے باوجود پیسے دیکر فوراً بھاگ جاتا۔ ایک دن وہ بڑے بھائی کو لے کر تمہارے گھر آیا۔ تمہارے اُس کے بڑے بھائی سے دوستی ہوگئی۔ اور دوستی سالے بہنوئی کے رشتے میں بدل گئی۔
اور تمہیں یاد ہے وہ دن جب تمہارے چھوٹے سالے نے تمہارا جوتا چھپایا تھا۔ اور پھر کچھ دن بعد ایک چھوٹا سا کیمرہ لاکر تمہاری بیوی کی تصویریں کھینچی تھیں۔ اور جب تمہاری ساس جمعہ کی دعوت کرتیں تو وہ بازار سے تازہ پھولوں کا ہار بنوا کر لایا کرتا تھا۔ موگرے کے پھول۔ چنبیلی کے پھول۔ گلاب کے پھول۔ اور جب تم اُن پھولوں کو لے کے اپنی پھول جیسی بیوی کے ساتھ سسرال سے واپس آتے تو وہ ہمیشہ دور تک چھوڑنے آیا کرتا تھا۔ کبھی اپنے گھر سے اونچی پہاڑی تک۔ جہاں سے اُس کے علاقے کا ریلوے اسٹیشن نظر آتا ہے۔ کبھی اپنے گھر سے تمہارے گھر تک۔
اس لئے جب طلاق کے تین ماہ بعد بھی جب اُس نے تمہیں اپنے گھر سے دو میل دُور ریلوے اسٹیشن کے قریب دیکھا تو اپنی پرانی وضعداری نہ چھوڑی۔ اپنے دوستوں کے ساتھ تمہیں وہ چھوڑنے آیا۔ جس ڈبہ میں تم بیٹھے اُس ڈبہ میں وہ بھی بیٹھا۔ جس اسٹیشن پر تم اُترے اُس اسٹیشن پر وہ بھی اُترا۔ فرق اتنا تھا کہ جب تم لوٹ کر آرہے تھے تو کسی کی گالیوں کی آواز کانوں میں آرہی تھی۔ وہ چلا کر کہہ رہا تھا کہ تم اُس علاقہ میں دوبارہ نظر آئے تو بچ کر زندہ واپس نہ جاسکو گے۔ ایک ہی دل تھا . . . آج نفرت اس کا ایمان ہے تو کیا ہوا کل محبت بھی تو اس کا مذہب تھا۔

رات بہت ہو چکی تھی۔ وہ یکایک چونکا۔ گھر کے سب لوگ سو چکے تھے۔ ایسی ہی راتوں میں اُس کے بھائی اکثر نشے میں آیا کرتے تھے۔ اور اُسے دیکھ کر کہتے "میرے بھائی تو اب تک جاگ رہا ہے۔ تو خوش قسمت ہے کہ تجھے عشق کا غم ملا۔ اتنی بڑی دولت بہت کم نصیبوں والوں کو ملتی ہے۔ لیکن آج تو وہ بھی آکر سو چکے ہیں۔ اُس نے سونے کی کوشش کی۔ لیکن نیند کا کوسوں پتہ نہ تھا۔ اُسے یاد آیا اکثر رات کو جاگ کر وہ اپنی بیوی سے باتیں کیا کرتا تھا۔ تو اس کی بیوی اس سے کہا کرتی تھی" آپ کو تو ہمیشہ اپنوں سے زیادہ غیروں کا خیال لگا رہتا ہے"۔ اُسے کیا معلوم تھا کہ ایک روز وہ بھی اس کے لئے غیر بن جائے گی۔ اُس کے سارے عزیز اجنبی بن جائیں گے۔ ورنہ وہ بھی اُس کے خاندان سے کبھی اتنا قریب کا رشتہ نہ جوڑتا۔ اُسے یاد آیا شادی سے قبل اس سے کتنے اچھے تعلقات تھے۔ وہ اگر بدستور رہتے تو شادی نہ ہوتی۔ تو وہ غیر ہو کر بھی اپنے تھے۔ ایک دن اس کی بیوی کی شادی کسی اور کے ساتھ ہو رہی ہوتی۔ اور وہ تحفہ لیکر جاتا۔ اُس کی چھوٹی سالی دُلہن بنی ڈولی میں بیٹھ رہی ہوتی۔ اور وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتا۔ اس کا چھوٹا سالا بڑا ہو کر دولہا بنتا تو وہ اُس کی بارات کے ساتھ روانہ ہوتا۔ وہ سوچنے لگا دنیا نے بہت ترقی کرلی۔ سائنسدانوں نے بڑی بڑی ایجادیں کر دیں۔ گتے پر گتا رکھ کر پٹھا بنا لیا۔ ڈبہ سے ڈبہ جوڑ کر ریل گاڑی بنالی۔ لیکن ایسا کوئی گوند نہیں بنایا جو انسان کو انسان سے ہمیشہ کے لئے جوڑ رکھے۔ آدمی کیا ہے؟ ربر کی گیند ہے۔ جو جتنی جلدی پٹ کھا کر آگے جاتی ہے پلٹا کھا کر واپس آجاتی ہے۔

وہ بستر سے اُٹھ کر گھر کے باہر گیلری میں بیٹھ گیا تاکہ شاید یہ خیالات اس کا پیچھا چھوڑ دیں۔ اُس نے آنکھیں بند کیں اور آہستہ سے سگریٹ جلائی۔ لیکن یکایک ایک اور تصویر اُبھری۔ چھ فٹ کا قد۔ جلال سے بھری آنکھیں۔ سفید

داڑھی، بڑھاپے میں بھی ایک بہت تندرست اور طاقتور جسم کے مالک! یہ اُس کے سسر تھے۔ اُس نے خوف سے سگریٹ پھینک دی۔ وہ آہستہ آہستہ آ کر اُس کے سامنے بیٹھ گئے۔

اب اُن کے چہرے پر غصّے کا پہلا سا عالم نہ تھا۔ کہنے لگے کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ جب رشتہ ہی ختم ہوگیا تو گفتگو کیسی؟ اُس نے کہا جی ہاں رشتہ تو اسی دن ختم ہوگیا تھا جس دن طلاق ہوگئی تھی۔ لیکن یہ کمبخت جذبات کے دھارے .... یادوں کے تار کاٹے نہیں جاتے یا تو اب مجھے زندگی بھر رکھیں گے۔ محبت سے نہ سہی نفرت سے سہی۔ پھر کیوں نہ آج کی رات ہم دونوں ایکدوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

جس دن آپ کے گھر وہ ہنگامہ برپا ہوا جس نے طلاق کی صورت اختیار کرلی۔ اُس سے کچھ دن پہلے کی بات ہے۔ میں نے اُس سے پُوچھا "تمہیں مجھ سے کیا شکایت ہے؟" کہنے لگی "ارے دن بھر میں ہم سوچتے نہیں اور شام کو آپ کی صورت دیکھ کر سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ اور پھر چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے شروع ہوئے۔ وہ گھر جاکر بیٹھ گئی۔ میرے دل میں اُس کے لئے نفرت پیدا ہوتی چلی گئی۔ میں نے اپنے ماہر نفسیات ڈاکٹر سے اُس کی شکایتیں کیں۔ ڈاکٹر میری بیوی کو میرے کام کاج سے میرے کاروبار سے میرے لکھنے پڑھنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اُس نے مجھے سمجھایا "اپنا فوراً الگ کمرہ بنائیے۔ کاروبار کے علاوہ اپنا سارا وقت اُس کے ساتھ گذاریئے۔ دھیرے دھیرے اُسے ٹرینڈ کیجئے۔ دوسرے دن آپ نے مجھے بلایا۔ میں خوشی خوشی خرید و فروخت کرتا ہوا سسرال پہونچا۔ اور اس کے بعد آپ جانتے ہیں... ! میں اپنی بیوی سے ملنے بھی نہ پایا تھا کہ آپ نے مجھ پر حملہ کردیا۔

وہ میری جان بچانے کے لئے پولیس کو بُلوا لائی۔ میں پولیس کے سپاہی کے ساتھ بچکر پولیس اسٹیشن پہونچا تو انھوں نے اُن سے پوچھا "آخر آپ چاہتی کیا ہیں؟" اُس نے کہا "طلاق"! میں نے بہت ٹالنے کی کوشش کی لیکن وہی ہوا جو اُس نے چاہا۔

بچپن میں میرے والد نے مجھے مارا تھا۔ جوانی میں آپ نے مجھے مارا! مجھے اس کا کوئی غم و شکوہ نہیں شکایت ہے تو بس اتنی کہ آپ کے مارنے کے بعد وہ ہنگامہ، وہ ماحول پیدا ہوا جس نے میری بیوی نے مجھ سے طلاق کا مطالبہ کیا۔ وہ ایک ضدی لڑکی تھی بہت ضدی لڑکی ہم نے بھی سوچا تین ماہ کی ازدواجی زندگی میں طلاق کی بیوی کی پہلی فرمائش ہے پُوری کردیں۔. وہ دیوار پر ہاتھ مار کر کہنے لگی اگر یہ سچ ہے تو مجھے خود بہت افسوس ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا تم کس ارادے اور نیت سے آئے ہو۔ تمہیں دیکھ کر میرا ہاتھ غصہ سے اُٹھا اور اُٹھتا ہی چلا گیا۔ میں دل کا اتنا بُرا آدمی نہیں ہوں جب تم طلاق دینے پر رضامند ہو گئے۔ تو طلاق نامے پر ہمارے دستخط کرنے سے پہلے میں نے تمہارے اور اپنی بیٹی کے دونوں کے حق میں دعا کی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا "سسر صاحب۔ یہی تو وہ گھڑی تھی جس میں آپ کو مجھے مارنا چاہئے تھا۔ بیوی اگر زہر مانگے تو شوہر کا فرض نہیں کہ وہ اُسے زہر دے دے۔ یہ دعا آپ اُس وقت دیتے جب میں سسرال پہونچا تھا۔ تو طلاق نہ ہوتی۔ یہ وہ گھڑی تھی جس میں مجھے اپنی بیوی سے نفرت کرنا چاہئے تھا۔ وہ طلاق لیکر میری عزت پر بٹہ لگا رہی تھی۔ لیکن مجھے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے میں اُس کی ضد پوری کرکے محبت کا پہلا امتحان دینے جا رہا ہوں۔ یہ محبت کو جو میں نے آخر میں کی، اگر ابتدا سے کرتا تو طلاق نہ لیتی۔ وہ دعا اگر آپ صحیح وقت پر دیتے تو کبھی طلاق نہ ہوتی۔ مجرم میں بھی ہوں اور مجرم آپ بھی۔ آپ کی کتنی ملتی ہیں۔ آیئے میں آپ کو گھر تک چھوڑ آؤں۔" وہ اُن کی انگلی پکڑ کر چلنے لگا۔ اور اُسے ایسا لگا جیسے وہ دن لوٹ آئے ہوں۔ جب وہ چھوٹا بچہ تھا۔ اور اپنے

باپ کی انگلی پکڑ کر چلتا تھا۔ اُس نے اس سے کہا۔ "طلاق کے اس مقدمے میں بھی ایکدوسرے کے حریف نہ تھے۔ ہم کو ایک ہی لڑکی کے مستقبل اور زندگی سے دلچسپی تھی۔ آپ کو اسلئے کہ وہ آپ کی بیٹی تھی۔ اور مجھے اس لئے کہ وہ میری بیوی تھی۔ آپ کا خیال تھا کہ داماد آوارہ اور نکما ہے۔ میرا خیال تھا کہ بارش کی وجہ سے کام کاج کچھ مندہ ہے۔ آگے ٹھیک چل نکلے گا۔ اور میں اپنی مزید اصلاح کر لوں گا۔ اُس نے چلتے چلتے راہ کی مٹی اٹھا کر انھیں دکھائی اور کہا: "یہ اپنے وطن کی مٹی ہے سسر صاحب! اس پر آج سے ہزاروں سال پہلے ہمارے اجداد کے قافلے آکر ٹھہرے تھے۔ اور انھوں نے گنگا اور جمنا کے پانی سے وضو کر کے تکبیر کی صدا دی تھی۔ یہ صدا پھیلی۔ اور ہم دو سے چار ہوئے، اور چار سے آٹھ۔ ہمارے کنبے ہمارے قبیلے بڑھتے رہے۔ ہماری صورتیں ہماری شکلیں ہمارے رنگ الگ تھے، میرا اور آپ کا زمانہ کچھ الگ تھا۔ اس لئے غلطی سے کچھ باتیں مختلف ہو گئیں۔ آپ نے بڑے ہو کر لاٹھی کا فن سیکھا۔ میں بڑا ہو کر تقریر کا فن سیکھا۔ آپ نے جوانوں کو لاٹھی چلانا سکھایا۔ میں نے نوعمر لڑکوں کو فن تقریر کی تعلیم دی۔ جوانی میں عورت آپ کی بھی کمزوری تھی سسر صاحب، عورت میری بھی!!

لیکن ہمارا اللہ ... جو ہمارے دلوں کا حال جانتا ہے، کیا یہ نہیں جانتا کہ ہمیں اپنی بیوی سے زیادہ کائنات کی کوئی شئے پیاری نہیں ہے۔ پھر اُس نے آپ کے دل کو آپ کی پہلی بیوی کی موت کا صدمہ میرے دل کو طلاق کے ذریعے میری جیتی جاگتی بیوی کی جدائی کا صدمہ کیوں دیا؟ آپ کے دل میں زخم ہے سسر صاحب میرے دل میں ناسور! میرا آپ سے کیا جھگڑا؟ آیئے مل کر دعا کریں خدا مجھ سے بہتر لڑکا آپ کی بیٹی کو دے"۔ وہ کچھ سوچکر بولے۔ "سوچتا ہوں تم بھی ایک اچھے ہی لڑکے تھے۔ جیسے ہر انسان اچھا ہی ہوتا ہے"۔ اُس نے کہا: "جی ہاں جیسے انسان کی روح میں آپ جتنا چاہتے جلا بخش گے سو آپ کو اتنا ہی اچھا لگتا چلا جائے گا۔ وہ اونچی پہاڑی قریب آ گئی تھی جہاں سے اُن کا گھر قریب تھا۔ وہ رخصت ہونے لگے۔ اس نے ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور سوچا ان ہاتھوں نے مجھے زدوکوب کیا تو کیا غم ہے۔ انہی ہاتھوں نے سلامی کی انگوٹھی بھی تو پہنائی تھی! وہ دیر تک انھیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اور سوچتا رہا۔

وہ یکایک پھر چونکا ... وہ گھر کی گیلری میں بدستور بیٹھا تھا۔ آج اُسے نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔ بار بار اُس کے خیالوں میں وہ اپنے جو آج پرائے ہیں، بار بار اپنے بن کر سامنے آتے ہیں۔ اس نے عہد کیا اب وہ کچھ نہیں سوچے گا۔ رات بہت بیت چکی تھی۔ وہ گھر کے اندر پھر داخل ہوا، سوچا تھا بستر پر گر کے سو جائے گا۔ لیکن ارے یہ کیا ...؟ اُس کے بستر پر اُس کی بیوی شادی کی رات کا جوڑا پہنے بیٹھی تھی! وہ اُسکی جانب بڑھا ... وہ سمٹ کر پیچھے ہٹی ... اور آہستہ سے چیخ کر کہا: "اب مجھے چھونے کی کوشش کی تو میں بھاگ جاؤں گی!!"

اُس نے آہستہ سے کہا "تمہاری جدائی کے غم میں غسل کرتے کرتے میری نفس اب بہت پاک ہو چکی ہے میں اور کچھ نہیں چاہتا۔ صرف تمہاری گود میں سر رکھ کر سو جانا چاہتا ہوں۔ عورت مرد کی بیوی ہمیشہ کہلائے یا نہ کہلائے ماں تو کہلا سکتی ہے!!

ان آنکھوں کو غور سے دیکھو۔ یہ تمہارے فراق میں کتنا جاگی ہوئی ہیں۔ انھیں اپنے ہونٹوں سے بند کر دو۔ یہ آنکھیں اب اگر تمہارے شوہر کی نہیں تو اس انسان کی آنکھیں تو ہیں جو تمہاری دید کے لئے ترستا ہے۔ ان آنکھوں سے رشتہ نہ توڑو ... ان آنکھوں سے روشنی نہ چھینو!

اُس نے اُس کی آنکھوں کو غور سے دیکھا۔ اور کچھ سوچ کر بولی: "یہ آنکھیں جب میرے شوہر کی آنکھیں تھیں تو

اُنھوں نے مجھے کبھی ہمیشہ محبت سے نہ دیکھا... اب میں کیسے ان آنکھوں پر اعتبار کروں۔ اس نے ہنس کر کہا پاگل لڑکی... تو محبت کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ یہ وہ بیج ہے جو ہمیشہ چٹانوں میں اُگتا ہے۔ آندھی اور طوفان میں پروان چڑھتا ہے۔ جب دنیا محبت کو بوجھ بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ شوہر کا فرض ہے کہ بیوی ہے تو بیوی سے محبت کرے تو وہ گھبرا سا جاتا ہے۔ نہیں کر پاتا۔ یہ ایک ایسا بادل ہے جو اپنی مرضی سے فضا میں تیرتا ہے۔ جب جی چاہتا ہے ٹکرا کر برس پڑتا ہے۔ اچھا خیر چھوڑو ان باتوں کو، اُس نے آہستہ سے اُسے اُٹھایا۔ اور کہا "چلو آج تمہیں تمہارا گھر تو دکھا دوں۔ جہاں تم کبھی دُلہن بن کر آئی تھیں۔ اور آج اجنبی بن کر آئی ہو۔" وہ دونوں آہستہ آہستہ چلنے لگے۔

وہ بولا "یہ میرے خوابوں کی دنیا ہے۔ یہ میرے تصورات کا شہر ہے۔ یہ میرے خیالوں کی دنیا ہے۔ یہاں ہمیں تمہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ یہاں صرف میری حکومت چلتی ہے۔ کسی سماج کا، کسی مذہب کا کوئی قانون نہیں چلتا۔

"اچھا..." وہ خوش ہو کر بولی۔ "تو پھر اگلی پچھلی باتوں کو بھول کر ہم دونوں خیالوں کی اسی دنیا میں زندگی کاٹ دیں۔" سوچا تو میں نے بھی یہی تھا۔ لیکن... لیکن۔ "لیکن کیا؟" وہ بولی۔ "ڈاکٹر کہتا ہے اس دنیا میں زیادہ دن رہنا، پاگل پن کے قریب جانا ہے۔ اپنی جوانی اور زندگی کو خراب کرنا ہے۔ وہ پھوٹ کر رونے لگی۔" اگر یہی بات ہے تو میں جاتی ہوں۔ اور کبھی تمہیں یاد بن کر بھی نہیں ستاؤں گی۔" کچھ بھی ہو تمہاری بیوی تھی۔ تمہاری بدخواہ نہیں ہو سکتی۔ اس نے پکڑ لیا اور کہا "جاتی کہاں ہو! جانے سے پہلے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔ ہم دونوں نے مل کر ایک تجربہ کیا تھا۔ شادی۔ جو ناکام ہو گئی۔ اب کھاؤ قسم میری جان کی کہ اب میں نئی عورت کے ساتھ اور تم ایک نئے مرد کے ساتھ یہ تجربہ پھر کریں گے۔" وہ کہنے لگی نہیں نہیں... میں شادی نہیں کروں گی۔" اُس کے جانے کے بعد اس کی نظر پڑی۔ اس کے پازیب میں سے ایک گھنگھرو نکل کر گر گیا تھا۔ اُس نے اُسے اُٹھا کر دیکھا۔ اور سوچا۔ یہ اُس لڑکی کے پیروں کا گھنگھرو ہے جس نے اگر اُس کی دنیا ویران کر دی تو کیا ہوا اپنی دنیا بھی کھنڈر کر لی۔

وہ پھر چونکا۔ رات تھی۔ تنہائی تھی، اور بھولی بسری یادوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ وہ بستر پر گر گیا۔ اُس نے تکیے میں مُنہ چھپایا تو اُسے یاد آیا۔ ایکبار جب وہ بہت چھوٹا تھا تو اُس کی بہنوں نے مذاق ہی مذاق میں اُس کی شادی ایک گڑیا سے کر دی تھی۔ پھر وہ گڑیا کہیں کھو گئی۔

وہ تکیہ میں مُنہ چھپا کر ایسا رویا جیسے چھبیس[۲۶] سال پہلے رویا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ بالغ آدمی تھا۔ اُس کے بدن میں حرارت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کا رونگٹا رونگٹا اس کی گڑیا کو پکار رہا تھا۔ اس کی گڑیا اب بالغ لڑکی تھی۔ اور وہ جانتا تھا کہ اُس کی گڑیا اب کہاں سوئی ہے؟ لیکن طلاق منہ سے یہ لفظ نکال کر اس نے اپنے پاؤں کاٹ لئے تھے۔ اب وہ لنگڑا تھا۔ اُس تک چل کر نہیں جا سکتا تھا۔ اُس کے ہاتھ کٹ چکے تھے۔ وہ اُسکے جسم کو چھو نہیں سکتا تھا۔ اس کے گھر سے اُس کی سسرال کچھ میل دور تھی۔ لیکن بیچ میں سماج اور تہذیب کی اُونچی اُونچی دیواریں تھیں۔

کسی نے آہستہ سے اُس سے کہا۔ جب جسم کا رشتہ ٹوٹ گیا تو جذبات کا رشتہ بھی توڑ دو۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اور یادوں کی تمام کھڑکیاں بند کرنا شروع کر دیں۔ لیکن اُن کھڑکیوں کے دریچوں میں سے اُس کی سالی اور سالی کی چھیڑ۔ اُس کی ساس کی چائے کی پیالی کی دی ہوئی کھنک۔ وہ جمعہ کی دعوت پر گائے گئے ڈھولک کے گیت۔ وہ اس کی بیوی کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ اُسے ایسا لگا جیسے وہ لوگ جو اس کے عزیز تھے

کہہ رہے ہوں رات بہت ہو چکی ہے۔ اب سو جاؤ۔ یہاں سے ایک ہزار میل دُور اپنے وطن میں نہیں برا کہنا پڑے۔ زندگی ایک سچائی سہی مگر جھوٹ بھی ایک ضرورت ہے۔ اُس نے کہا۔ "نہیں نہیں کل تو آپ سے چھوٹا سا رشتہ تھا۔ آج ایک بہت بڑا رشتہ ہے۔ اخوت اور انسانیت کا بہت بڑا رشتہ۔ اُسے یاد آیا کہ امام صاحب نے بھی طلاق نامہ پر لکھا ہے کہ طلاق حکم خداوندی ہے۔ وہ اپنے وطن میں جا کر کہہ دے گا کہ خدا کو جو منظور تھا ہو گیا۔ لیکن پھر اُسے ایسا لگا۔ جیسے کمرے میں نور پھیل گیا ہو۔ اور خدا اس سے کہہ رہا ہو۔ "نہیں ہرگز نہیں۔ میرا نام نہیں لینا۔ میں کچھ ہوں تو محبت ہوں۔ دوستی اور اعتماد ہوں۔ یہ طلاق شیطان نے کرائی ہے۔ دوسرے ہی لمحے اُسے ایسا لگا جیسے شیطان ہنس رہا ہو۔ ہاں میں شک، نفرت اور غرور بن کر انسانوں میں رہتا ہوں۔ یہ طلاق میں نے ہی کرائی ہے۔ زمین پر فساد اور جنگیں میں ہی کراتا ہوں، لیکن میں انسانوں کا اُستاد ہوں۔ مجھے بُرا نہ کہو۔

مُرغ نے بانگ دی۔ صبح ہو چکی تھی۔ اُس نے فیصلہ کیا اس صبح کے ساتھ اپنی زندگی کی صبح کا آغاز کرے گا۔ یہ مصائب یہ غم حکم خداوندی ہوں یا نہ ہوں۔ لیکن حوصلے سے برداشت کر کے زندہ دلی سے جینا ضرور حکم خداوندی ہے۔ ●●

اسلامی معاشرہ میں جہیز کا تصور

(صفحہ ۸ سے آگے)

کو مان لیتے ہیں۔ لیکن جب بہو کو گھر میں لاتے ہیں تو ماں باپ کی نہ صرف یہ خواہش ہوتی ہے بلکہ پوری پوری کوشش و زور لگاتے ہیں۔ بہو اپنے ساتھ ساز و سامان بھی لائے زیور اور نقدی بھی! ... اگر آج کے ماں باپ جب اپنے بیٹے کی شادی کے وقت اپنی خوشی سے بے پناہ جہیز و نقد رقم کا مطالبہ نہ کر بیٹھیں تو میں یہ یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ اپنی بیٹی کی شادی میں جہیز دینے کا مسئلہ اگر پورے طور پر حل نہیں ہونے پاتا تو آسان ضرور ہو جاتا ہے۔ اور آپ فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اپنے لڑکے کو بھی کسی مطالبات سے دوچار نہ کیا تھا۔ اور اب لڑکی بھی بلا مطالبات کے بیاہی جائے گی ..... لیکن آج یہ امر بالکل مشکل ہے کہ ماں باپ اپنی بیٹی کو اپنی بیٹی سمجھتے ہیں لیکن اپنی بہو کو کسی کی بھی بیٹی نہیں مانتے اور پھر آج کی ساس بھی ہے جو ڈاکٹر مسز اینی بسنٹ کے الفاظ میں بالکلیہ یہی شکایت کرتی ہے کہ "میں جب بہو تھی تو مجھے اچھی ساس نہیں ملی اور جب ساس بنی تو اچھی بہو نہ ملی"۔

ایک دن میاں بیوی کا سخت جھگڑا ہو گیا دونوں نے آپس میں بات نہ کرنے کی قسم کھالی۔ سوتے وقت شوہر نے ایک چٹھی پر لکھ کر بیوی کے پاس رکھ دیا۔ "مجھے ۶ بجے صبح جگا دینا" اور جب یہ سو کر اٹھے تو دیکھا کہ آٹھ بج چکے تھے۔ برہم ہونے کو تھے کہ اپنے سرہانے ایک کاغذ کا ٹکڑا دیکھا اس پر لکھا تھا۔ "صبح کے ۶ بج چکے ہیں۔ اُٹھ جائیے"۔

(نگہ فنا رے)

یف خان

یادوں کا خزانہ

ال رِزق ہے ....

جس واقعہ کا یہاں میں ذکر کرنے جا رہا ہوں وہ آج
مات سال پہلے کا ہے۔ ہوا یوں کہ ایک لمیٹڈ کمپنی میں
اکاؤنٹنٹ کی ضرورت تھی اور چونکہ میں اس کمپنی کی آڈیٹنگ
یسوں سے کر رہا تھا اسی لئے ڈائرکٹرس نے یہ مناسب سمجھا
ابی کمیٹی میں مجھے بھی شامل کر لیا جائے۔ انٹرویو کے لئے
بگ سو امیدوار بلائے گئے تھے جس میں پانچ چھ
وار مسلمان تھے۔

لنچ ٹائم کے دوران جب میں اپنی کار کے قریب پہنچا
ے مسلم امیدوار جس کا انٹرویو ہو چکا تھا میرے قریب آئے۔
انتہائی ادب سے سلام کرنے کے بعد پوچھا "کیا میں اپنے
ب ہو جانے کی امید رکھ سکتا ہوں؟" میں نے کچھ سوچ کر
ت میں جواب دے دیا۔ کیونکہ جتنے امیدواروں کا
رویو اب تک ہو چکا تھا ان سب میں بہتر وہی معلوم
نے تھے۔

باتوں باتوں میں میں نے ان سے پوچھا "کیا آپ نماز
ھتے ہیں؟" انہوں نے انتہائی مایوس کن چہرہ بنا کر کہا

"چاہتا تو بہت ہوں لیکن وقت نہیں ملتا" میں نے پوچھا روزے
رکھتے ہیں؟ "رکھنا تو چاہتا ہوں لیکن کیا کروں برداشت نہیں
ہوتے" انہوں نے جواب دیا۔

انٹرویوز ختم ہوئے اور انتخابی کمیٹی نے اتفاق رائے
سے اسی مسلم امیدوار کو چن لیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ اکاؤنٹنٹ کو
اس کی ذمہ داریاں سمجھائی جائیں۔ ذمہ داری سمجھاتے ہوئے
میں نے ان صاحب سے کہا "دفتر کے اوقات صبح ۱۰ بجے سے
شام ۶ بجے تک ہوں گے لیکن کام زیادہ ہونے کی وجہ سے
آپ کو کبھی کبھار جلد آنا ہوگا۔ اور بعض اوقات کافی دیر تک
ٹھہرنا ہوگا۔

جس پر انہوں نے جواب دیا "صاحب یقین مانئے
میں آٹھ بجے صبح آنے کے لئے تیار ہوں اتنا ہی نہیں آپ
کہیں تو رات کے آٹھ بجے تک کام کرنے کے لئے بھی تیار ہوں"
میں نے ان سے کہا "آپ پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے
کہ آپ کمپنی کے چیئرمین اور ڈائرکٹرس کا کہنا بنا چوں چرا مانتے رہیں"
انہوں نے سر ہلا کر کہا میں ہر حکم ماننے پر ہر وقت تیار

ہوں"۔ تب میں نے ان سے کہا۔ "آپ کچھ سو روپے تنخواہ کے
لئے میرا، یہاں کے ڈائریکٹرس کا، یہاں کے چپراسی کا، سب کا
حکم بلاحیل وحجت ماننے کے لئے تیار ہیں۔ یہاں تک کہ صبح دو
گھنٹے پیشتر اور دو گھنٹے دیر سے جانے میں بھی آپ کو کوئی عار
نہیں" لیکن ان سب سے بڑے حاکم اور رزاق کا حکم ماننے
کے لئے آپ راضی نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے آپ پر روزے اور
نماز فرض کئے ہیں لیکن آپ ان کی پابندی نہیں کرتے
ہر ایک کا رزق اللہ تعالےٰ نے اپنے
ہاتھوں میں رکھا ہے لیکن آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کا رزق یہاں
کے ڈائریکٹرس کے ہاتھوں میں ہے جس کے لئے آپ چاہے جتنا
وقت دینے کے لئے تیار ہیں مگر اسی وقت کا بہانہ کر کے خدا پاک
کی عبادت سے دور بھاگتے ہیں"۔ بات ان کی سمجھ میں نہ صرف
آگئی بلکہ اچھی طرح ذہن نشین ہوگئی۔ آج وہ پنجگانہ نمازی ہیں
روزوں کے پابند ہیں اور اس کمپنی کے ڈائریکٹر بن چکے ہیں۔

خریداری

ایک صاحب جو دکن میں رہتے ہیں، کافی عرصے سے
بہت پریشان تھے۔ ان کی پریشانی کی وجہ لڑکیوں کی
شادی کا مسئلہ تھا۔ جب بھی ملاقات ہوتی لڑکیوں کی شادی
کا مسئلہ ضرور چھیڑتے۔ کسی وجہ سے کافی عرصے تک اُن
سے میری ملاقات نہ ہوسکی۔ ایک دن اچانک اُن سے
ملاقات ہونے پر میں نے حال و احوال دریافت کرنے کے
بعد اُن سے پوچھا کہ آپ کی لڑکیوں کی شادی ہوئی یا نہیں۔
کہنے لگے خدا کا شکر ہے۔ مسئلہ کسی نہ کسی طرح حل ہو ہی
گیا۔ دو داماد خریدے۔ ایک دس ہزار میں دوسرا سات
ہزار میں۔ میں ان کے اس جملے پر چونک اٹھا اور پوچھا کیا کہا
داماد خریدے؟ کیا آپ کے یہاں داماد بھی بکتے ہیں؟
کہا ہاں داماد خریدے ہیں ایک داماد جو ڈاکٹر ہے
اس کی مانگ دس ہزار روپے تھی اور جو صرف گریجویٹ ہے
اس کی مانگ سات ہزار تھی، دونوں کو میں نے ان کی
قیمت دے کر خرید لیا۔ (محمد اسحاق خان)

★

(روحوں کو عالم بالا سے طلب کر کے سوالوں کے
جوابات لئے جا رہے تھے۔)
بیوہ نے شوہر کی روح سے مخاطب ہو کر
پوچھا "رنجیت تم ہو؟" جواب ملا۔ "ہاں میں رنجیت
ہوں"۔ بیوہ نے پوچھا
"وہاں خوش و خرم تو ہو؟"
روح نے کہا "بے حد خوش ہوں"۔

بیوہ نے پھر پوچھا۔ "پھر تو رنجیت جنت
بڑی خوبصورت جگہ ہوگی؟"
رنجیت کی روح نے کہا
"مگر میں جنت میں نہیں ہوں"۔

★

"آپ اس دفتر میں کب سے کام کر رہے ہیں؟"
"جب سے کہ مجھے نوٹس دیدیا گیا ہے کہ اگر کام
نہ کروں تو علیحدہ کر دیا جائے گا۔"

★

(شگوفہ نازی)

ماہرہ نازلی

کرو مہربانی.....

رمضان المبارک اسلام میں نہایت، مقدس اور برگزیدہ مہینہ ہے اس کی سب سے بڑی اور بنیادی عبادت روزہ ہے۔ جو نفس کو مانجھنے اور صاف کرنے میں خالص اثر رکھتا ہے۔

اس مبارک ماہ میں نفل کا ثواب فرض کے برابر ہے اور فرض کا ثواب ستر گنا ہو جاتا ہے۔

رمضان شریف میں خاص مشغلہ قرآن حکیم کی تلاوت اندر اوقات، کا زیادہ حصہ یاد خدا وندی سے پُر رکھنا چاہیئے۔ روزہ میں جھوٹ، غیبت چغل خوری وغیرہ سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ بلکہ ان باتوں سے تو سال کے گیارہ مہینوں میں بھی بچتے رہنا چاہیئے۔

معصیت کے ساتھ روزہ رکھنا روزہ نہیں فاقہ کہلائے گا۔ ظاہر ہے زبردستی کے فاقہ پر اجر و ثواب کی امید نہیں کی جاسکتی۔

اسی طرح صاحب استطاعت لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے ان غریب بھائی بہنوں کا بھی خیال رکھیں جو اس جان لیوا مہنگائی کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور روزے پر روزہ رکھنے پر مجبور ہیں بہت سے روزہ دار صرف نمک اور پانی سے افطار کرتے ہیں۔

ملک کو نعرہ ملا "غریبی ہٹاؤ" مگر عملی طور پر غریبی بڑھ رہی ہے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے چوبیس گھنٹے کا ہر منٹ اشیاء کی قیمتوں کو اوپر ہی اوپر چڑھا رہا ہے ایسے میں سوچنا چاہیئے کہ وہ غریب لوگ جو اس ماہ مبارک کی سعادت یعنی روزے کا ثواب حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ بجائے تیرہ گھنٹے کے چوبیس گھنٹے کا روزہ رکھتے ہیں ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی لیکن سوچنا تو ان کا ہے جو تیرہ گھنٹے بعد انواع و اقسام کی نعمتوں سے پیٹ بھرتے ہیں اور بڑی ہمت سے ان غریبوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو نان و نمک سے بھی محروم ہیں۔

اللہ تعالیٰ بغیر کسی تخصیص کے رزق تقسیم کرتے ہیں ان کی سرکار میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ مومن ہے یا کافر، چور

بنتِ حوا رمضان المبارک نمبر اکتوبر ۲۰۰۶ء

اور زکوٰۃ ہے پاک و صاف، اس کے دربار سے سب کو ملتا ہے پھر اللہ کے بندے یہ تفریق کرنے والے کون ہیں؟

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

اللہ کی مہربانیوں اور عنایتوں سے ہر انسان فیض یاب ہوتا ہے لہذا اس کے بندوں کا بھی فرض یہی ہے کہ وہ زمین پر بسنے والے ہر انسان پر مہربان ہو اسی کا نام انسانیت ہے، اجر و ثواب دینے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں لیکن انسان کو یہ سوچے بغیر دوسرے انسان سے پیش آنا چاہیے کہ یہ انسان کون ہے؟ یہی ہمارے دین کی اصل ہے۔

رمضان شریف تو ہے ہی رضائے الٰہی اور خوشنودی حاصل کرنے کا مہینہ لہذا اس میں نیک اور اچھی باتوں کا زیادہ ہی خیال ہونا چاہیے اس مہینے کی ہر عبادت پر باقی مہینوں سے زیادہ اجر و ثواب ملتا ہے پھر کیوں نا ان غریبوں کی بھی دعائیں حاصل کی جائیں جو صاحب حیثیت روزہ دار کی وجہ سے پیٹ بھر کھانا کھائے اور یقیناً یہ عبادت سب سے بڑی عبادت شمار ہوگی۔

بھوکے کا پیٹ بھرنا، مقروض غریب کو قرض کی بلا سے آزاد کرنا، یتیم و بیسر کی مدد کرنا، معذور و اپاہج کی داد رسی کرنا عبادت کی جڑ ہے جو ہزار سجدوں سے بہتر ہے کیونکہ نماز روزہ، حج، نوافل و تسبیح سب بہترین عبادتیں ہیں مگر یہ سب انفرادی عبادات ہیں۔ ان کے خشوع و خضوع سے کرنے والے کو اجر و ثواب ملتا ہے اور چھوڑنے پر سزا کا مستوجب گردانا جاتا ہے لیکن وہ عبادات ہیں جن میں اپنے اجر و ثواب کے ساتھ بنی نوع انسان کا بھی بھلا پوشیدہ ہو انفرادی عبادت سے کہیں زیادہ عظیم ہوں گی۔ اور انشاء اللہ رب عظمت و بزرگی والی ذات اس کا اجر بھی عظیم ہی فرمائیگی۔

صرف تھوڑی سی نیت اور خیال سے یہ ہزار گنا ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔

اس مبارک مہینے میں روزہ، نماز کے ساتھ ساتھ صدقات و خیرات اور ہدایا کی بھی کثرت کرنی چاہیے تاکہ اپنے اطراف کے غریب غربا بھی کچھ اطمینان حاصل کر سکیں۔

اسلام کی تعلیم بھی یہی ہے اور انسانیت کا تقاضا بھی کسی بزرگ نے ایک ایک پیسہ جوڑ کر حج کے لئے سرمایہ فراہم کیا ظاہر ہے کہ حج کا ثواب کس قدر عظیم ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس سعادت سے بہرہ ور فرما دیتے ہیں۔ اس کی خوش قسمتی میں کلام نہیں ہے بلکہ ہر کا دل ان مقامات مقدسہ میں حاضری کے لئے نہیں تڑپتا مگر غریب کا صرف دل تڑپ کر ہی رہ جاتا ہے ہر چند کہ غریب پر حج فرض نہیں ہے لیکن اس میں فرض سے زیادہ شوق کو دخل ہوتا ہے وہ بزرگ بھی مدت تک پیسہ پیسہ جوڑتے رہے آخر جب سرمایہ اتنا ہو گیا کہ ان مقدس مقامات کی زیارت سے مشرف ہو سکیں تو سفر پر روانہ ہو گئے چلتے چلتے ایک گاؤں میں گزر ہوا۔ تو دیکھا ایک غریب بیوہ اپنے یتیم بچوں کے لیے بیٹھی ہے بھوک کی شدت سے سب بڑی پنجر بنے ہوئے ہیں بچے بھوک سے بلک رہے ہیں۔ ان بزرگ کو جب ان ناگفتہ حالات کا علم ہوا تو ان کا دل کانپ اٹھا اور انہوں نے بغیر کسی توقف کے اپنی برسوں کی جمع شدہ پونجی ان مفلوک الحال انسانوں کے سپرد کر دی اور خود اپنے وطن واپس چلے گئے

حج کا زمانہ گزر گیا۔ خوش بخت لوگ سعادت حج سے فیضیاب ہو کر واپس لوٹے تو ہر شخص ان بزرگ سے کہتا تھا "آپ اتنی جلدی حج سے واپس کیوں آ گئے قافلے کا ساتھ کیوں چھوڑ دیا"؟

انہوں نے کہا کہ "بھائی میں تو گیا ہی نہیں پھر پہلے اور بعد کا کیا سوال ہے۔؟

لوگوں نے حیرت سے انہیں دیکھا اور کہا۔

"ہم نے آپ کو اپنی آنکھوں سے حج کے تمام ارکان ادا کرتے ہوئے دیکھا تھا"

ان بزرگ کا سر خدا کے حضور میں جھک گیا اور اللہ کی اس نوازش بے پایاں پر انکی آنکھوں سے جیسے نمیاں بہہ پڑیں۔

ان بزرگ کے انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا پوچھا کیا معاملہ ہوا۔ بزرگ نے بتایا کہ مجھ گنہگار کا ایک ہی عمل اللہ کی جناب میں اتنا مقبول ہوا کہ سارے ہی گناہ بخش دیئے گئے ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

اور وہ عمل وہی تھا جس کو انہوں نے اپنے حج سے مقدم سمجھا تھا۔ یعنی اللہ کے بندوں کی بھلائی اور حتی الامکان ان کی خبر گیری۔ خیر خواہی ۔ ۵

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اسکا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

●●

اقوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ صدق — اطمینان اور تسکین ہے اور کذب — شک اور گمان ہے۔

★

۲۔ اگر تم اللہ تعالٰے پر پورا پورا توکل کرو تو تم کو ایسا رزق دیا جائیگا جیسا پرندوں کو دیا جاتا ہے کہ سحر کے وقت بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کے آتے ہیں۔

★

۳۔ صراط مستقیم کو مضبوطی سے پکڑو اور میانہ روی اختیار کرو۔

★

۴۔ تم ضرور نیکی کی تلقین کرو اور برائی سے روکو ورنہ عنقریب اللہ تعالٰے عذاب نازل کریگا۔

★

۵۔ ظالم بادشاہ کے روبرو عدل کی بات کہنا بہترین جہاد ہے۔

★

۶۔ دنیا سے نفرت کرو اللہ تعالٰے تمہیں عزیز رکھے گا۔

۷۔ غنی وہ ہے جس کا نفس غنی ہے۔

★★

حمید قیصر دھولیہ

ماہِ صیام

اے دَورِ روزگار تو ماہِ صیام ہے
اہلِ حرم کی حق میں عبادت کا نام ہے

سوغاتِ دین چھائی ہے اس کائنات پر
پایا ہے ضبط ہم نے اگر خواہشات پر
نازاں ہے ہر وجود مسلماں کی ذات پر

اے دَورِ روزگار تو ماہِ صیام ہے
اہلِ حرم کی حق میں عبادت کا نام ہے

تو اسمِ کیفیت سبھی باقی تری نمود
مسلم کی ذاتِ ناز ترا عالمِ شہود
تیرے قیود مظہرِ یزداں کا ہے وجود

اے دَورِ روزگار تو ماہِ صیام ہے
اہلِ حرم کی حق میں عبادت کا نام ہے

ہر اختیار ہو کے نہ کرنے کا اختیار
تیرا وجود باعثِ صد ناز اعتبار
تجھ سے بڑھا ہوا ہے مسلمان کا وقار

اے دَورِ روزگار تو ماہِ صیام ہے
اہلِ حرم کی حق میں عبادت کا نام ہے

مَلْفُوظَات

(۲۳ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ)

(۱۳۵- ملفوظ) - "آثار اولیاء" میں لکھا ہے کہ جو شخص دنیا کی طلب میں ہوتا ہے دنیا اس سے اس طرح بھاگتی ہے جیسے مسلم کسی مردار سے اور جو اس سے اعراض کرتا ہے اس کے سامنے دلہن کی طرح بن سنور کر آتی ہے کہ کاش مجھے کن انکھیوں ہی سے دیکھ لے ایک بزرگ فرماتے ہیں جو درویش خانقاہ میں روزی کی فکر میں ہو اسے نکال دینا چاہیئے۔

(۱۳۶- ملفوظ) - الصومُ نصف الصبر والصبر نصف الایمان کا مطلب سمجھاتا ہوں غور سے سنو۔

امام غزالیؒ نے صبر کی تعریف یہ کی ہے کہ باعث حق کو باعث ہوی پر غالب کر دینا اور ہوی نام ہے غضب و شہوت کا، تو صبر میں دو چیزوں کو مغلوب کرنا ہے۔ اول غضب دوسرے شہوت۔ روزہ سے چونکہ صرف شہوت ٹوٹتی ہے اور اسی کا ازالہ ہوتا ہے نہ کہ غضب کا لہٰذا نصف صوم صبر ہوا۔ ایمان کے اندر دو چیزیں ہیں۔ عقائد۔ اعمال۔ صبر کا تعلق صرف اعمال سے ہے اس لیے صبر نصف ایمان ہوا۔

(۱۳۷- ملفوظ) - بعض لوگ حضرت مولاناؒ کو سخت اور غصہ ور کہا کرتے تھے۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ اگر میں سخت ہوتا تو لوگوں کو میرے پاس سے بھاگ جانا چاہیئے تھا۔ قرآن پاک اس پر شاہد ہے کہ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ لوگ مجھے گھیرے ہی رہتے ہیں۔

(۱۳۸- ملفوظ) - ایک بار حضرت ابراہیم ادہمؒ بازار کی طرف نکلے لوگوں نے پکڑا اور عرض کیا کہ بتلائیے دعا کیوں نہیں قبول ہوتی۔ فرمایا کہ تم لوگ جنت، دوزخ اور

وہاں کی چیزوں کا صحیح اعتقاد نہیں رکھتے تو یہاں کی چیزیں ہمکا وہ تشبیہیں کیوں دیں؟

(سلہ ہمارے حضرت مدظلہ العالی چونکہ اپنے شیخ حکیم الامۃ قدس سرہٗ کے نمونہ کامل اور خلیفۂ صادق تھے اس لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بھی بعض معاندین، سخت اور غصہ ور کہتے ہیں، مگر یہی نص قطعی اور دلیل قرآنی حضرت رح کی طرف سے بھی معاندین کے جواب کے لئے کافی ہے چونکہ اس وقت مصلح کامل حضرت رح ہی تھے اس لئے گو ہے بضرورت اصلاح بعض متوسلین کو ___ ڈانٹتے بھی تھے مگر اس عتاب میں بھی انتہائی شفقت اور خیر خواہی ہوتی تھی، اسکا لطف وہی سمجھ سکتا ہے جسے محبت سے کچھ لگاؤ ہو۔ بخدا اخلاقِ رسولؐ کا نمونہ ہمارے حضرت تھے)

(۱۶۲۔ ملفوظ)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مست ہو کر جھوم لینا آسان ہے لیکن حضورؐ کی سنت پر برابر عمل کرنا بڑا مشکل ہے اتنا ایمان کامل ہو کہ حضورؐ کی سنت پر اپنی ہر خواہش اور ہوائے نفسانی کو چھوڑ دے اور اس کی جگہ احکام سنت و شریعت کے لئے ذرا انکار روا رو ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ تو تحبون اللہ والے تو بہت ہیں لیکن فاتبعونی پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں۔ یہ درجہ بہت بعد میں حاصل ہوتا ہے ایک قطر ان کنتم تحبون اللہ اور ایک یحببکم اللہ اور مرکز فاتبعونی ہے یعنی بندہ کو رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے اتباعِ رسول اللہ علیہ وسلم ضروری ہے ؎

کما کہہ ہے نص آیۃ قل فاتبعونی
محبوبِ خدا تابع فرمانِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۱۶۵ ملفوظ)۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ اخلاق سب سے بڑھ کر حسن کبر و اعجاب کے داعیہ کا اتباع نہ کرے۔ جب کبر و اعجاب کے داعیہ کا اتباع کرے گا تو دوسروں کو حقیر سمجھے گا کبر پیدا ہو جائیگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنے نفس کو بھی فاسد کرے گا اور اپنے فساد کا ضرر دوسروں کو بھی پہنچا دے گا تو کبر و اعجاب کے داعیہ پر عمل کرنے کا ضرر لازم بھی ہے اور متعدی بھی کہ کبر کرنے کا ضرر اپنے کو بھی پہنچتا ہے اور دوسروں سے بھی طرح طرح کے فساد و ظلم کا برتاؤ کرتا ہے۔

(۱۶۶۔ ملفوظ)۔ ہمارے بزرگوں سے ہمارے اسلاف سے جو لوگوں کو فائدہ ہوا وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے کو کسی سے بڑا نہیں سمجھتے تھے۔ اب ہم لوگوں سے جو فائدہ نہیں ہوتا وجہ یہ ہے کہ اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں۔ خلوص نہیں رہا متواضع اور متکبر پہچانا جاتا ہے چھپتا نہیں متواضع آدمی سے بہت ضرر پہنچتا ہے اس سے سب راضی رہتے ہیں۔

(۲۴۔ صفر ۱۳۶۶ھ بعد جمعہ)

(۱۵۶۔ ملفوظ)۔ بہت سے لڑکے آتے ہیں اپنی تعریف کرتے ہیں جب ان کے گھر والوں کا خط آتا ہے تو صحیح حالات معلوم ہوتے ہیں لوگ جھوٹے بول بول کر اپنی تعریف چاہتے ہیں۔ بھائی برائیاں بیان کرو تو وہ دور کی جائیں اصلاح ہو آج کل سب برائیوں میں مبتلا ہیں یہ بری صحبت اور بری دوستیوں کا اثر ہے۔ مسلمانوں کے لڑکے تباہ و برباد ہیں ان کی بدحالی دیکھی نہیں جاتی ایک صاحب نے اپنے لڑکے کی شکایت لکھی تھی کہ چار سو روپے تماشہ میں خرچ کر دیئے فرمایا پہلے تو نوکری نہیں ملتی تھی اور جب نوکری مل گئی تو یہ حال ہے کہ گھر والوں کی پرواہ نہیں۔ روپیہ تماشہ میں خرچ کرتے ہیں اس قسم کا خط آتا ہے تو رنج ہوتا ہے مگر کیا کروں جو خیر خواہی کی بات ہوتی ہے بتلاتا ہوں لوگ نفس کی وجہ سے

نہیں مانتے اسی لئے ضرورت ہے کہ کچھ دنوں اپنی اصلاح کیجئے، میں اپنے نفع کے لئے تھوڑا ہی کہتا ہوں۔ اس میں تو لوگوں ہی کا نفع ہے مگر سنتے ہی نہیں۔

(۱۶۷۔ ملفوظ)۔ کثرت سے خط آتے ہیں کہ لڑکے آوارہ ہیں یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ گھر کی رقم بھی لے کر اڑا دیتے ہیں۔ بہت سی عورتیں ایسی ہیں کہ نہ بیوہ ہیں نہ مطلقہ بلکہ معلقہ ہیں اور لوگ ہیں کہ دوسروں سے لڑنے کے لئے تیار ہیں۔ بھائی پہلے اپنی قوم کی اصلاح کرو ایک دو آدمی کی اصلاح نہ ہوگی تو کیا ساری قوم کی اصلاح ہو جائے گی۔ اصل میں پریشانی کے یہ اسباب ہیں کہ قوم کی قوم تباہ و برباد ہے۔

(۱۶۸۔ ملفوظ) ایک کتاب میں میں دیکھا ہے کہ ایک بزرگ تھے وہ چقندر کا سالن بنا کر بیچا کرتے تھے لوگ خریدتے تو بعضے کھوٹے سکے بھی دے دیا کرتے تھے اور وہ جان بوجھ کر لے لیتے جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ کھوٹے سکے بھی لے لیتے ہیں تو لوگوں نے اور کھوٹے سکے دینے شروع کر دیئے جب وہ مرنے لگے تو اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر عرض کیا کہ یا اللہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ میں آپ کے بندوں سے اچھا سالن دے کر کھوٹا سکہ لے لیتا تھا اسی طرح امید ہے کہ آپ میرے کھوٹے عمل کو قبول فرما کر اس کے بدلے میں اچھا اجر عطا فرمائیں گے۔ سبحان اللہ کیسے اچھے اخلاق تھے کیسی عمدہ نیت تھی مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ کیا ہوگا۔

بدیع الزماں خاور

مقامِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

ہے نبیوں میں اونچا مقامِ محمدؐ
خدا کو بھی پیارا ہے نامِ محمدؐ

وہ مے خوار ہوں یثربی میکدے کا
شب و روز پیتا ہوں جامِ محمدؐ

فصاحت کے چشمے ابلتے ہیں اس سے
ہے کس درجہ شیریں کلامِ محمدؐ

خدا کو پکاروں تو وارفتگی میں
مرے لب پہ آتا ہے نامِ محمدؐ

اگر امن و انصاف کی جستجو ہے
بپا کر کے دیکھو نظامِ محمدؐ

ہدایت کی توفیق ہو تو جہاں میں
ابھی تک ہے تازہ پیامِ محمد

مجھے اپنی قسمت پہ ہے ناز خاور
کہ میں بھی ہوں ادنیٰ غلامِ محمدؐ

روزہ دار کی عید

(۱)

خشک لب ہیں جسم بے تاب و تواں
بھوک کی سختی سے دل شعلہ فشاں
اس گرانی پر بھی ہے تو شادماں
درس عبرت ہے ترا صبر و قرار
عید تیری ہے فقط اے روزہ دار

(۲)

تیرا دل گنجینۂ صبر و رضا
تیرے لب بیگانۂ حرفِ ریا
تو مجسم پیکرِ خلق و وفا
تجھ سے پھر کیوں خوش نہ ہو پروردگار
عید تیری ہے فقط اے سوزہ دار

(۳)

تیرے دل میں تیرا رب مستور ہے
تو بظاہر اپنے رب سے دور ہے
کب تجھے پروائے خلد و حور ہے
بندگی تیری ہے سب پہ آشکار
عید تیری ہے فقط اے روزہ دار

(۴)

سن کے آوازِ اذاں وقتِ سحر
خوابِ غفلت کا تسلسل توڑ کر
ہو کے ہر کارِ جہاں سے بے خبر
بہرِ طاعت چل دیا دیوانہ وار
عید تیری ہے فقط اے روزہ دار

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی

عہدِ رسالت کی عید

عید کے روز صبح کو تمام مسلمان عورت، مرد، بچے سب غسل کرتے تھے اور اچھے اچھے کپڑے جو خدا نے ان کو دئے ہوں پہن کر نکلتے تھے۔ رمضان کی عید میں نماز کے لئے جانے سے پہلے تمام خوش حال لوگ ایک مقررہ مقدار میں کھانے کا سامان یا اس کی قیمت غریبوں کو دیتے تھے تاکہ کوئی عید کے روز بھوکا نہ رہ جائے۔

ذرا دن چڑھنے پر سب لوگ گھروں سے نکل کھڑے ہوتے۔ حکم تھا کہ عورت مرد بچے سب نکلیں تاکہ مسلمانوں کی کثرت اور ان کی شان کا اظہار ہو۔ خدا سے دعا مانگنے میں سب شریک ہوں اور اجتماع مسرت میں بھی سب کو شرکت کا موقع مل جائے۔ عید کی نماز مسجد کے بجائے بستی کے باہر میدان میں ہوتی تھی۔ تاکہ بڑے سے بڑا مجمع ہو سکے۔ نماز کے لئے جاتے وقت سارے مسلمان یہ تکبیر پڑھتے ہوئے چلتے تھے۔

"اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ
واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

"اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ ہی سب سے بڑا ہے، اور ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں"

ہر گلی، ہر کوچے، ہر محلے، ہر بازار اور ہر سڑک پر یہی نعرے لگتے چلے جاتے تھے۔ جن سے ساری بستی گونج اٹھتی تھی۔ عید گاہ کے میدان میں جب سارے لوگ جمع ہو جاتے تو صفیں باندھ کر سارا مجمع رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت اور پوری باقاعدگی کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے۔ جمعہ کی نماز کے برعکس یہ خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ آدمی اپنے لیڈر کی اس اہم تقریر کے وقت موجود رہیں جس کا موقع صرف سال میں ایک دو ہی مرتبہ آتا ہے۔ پہلے ایک تقریر مردوں کے سامنے ہوتی۔ پھر آپؐ میدان کے اس حصہ کی طرف تشریف لے جاتے جہاں عورتیں جمع ہوتی تھیں۔ اور وہاں بھی تقریر فرماتے تھے۔ ان تقریروں میں تعلیم و تلقین اور وعظ و نصیحت کے علاوہ اسلامی جماعت کے متعلق ان تمام اہم مسائل پر بھی روشنی ڈالتے جو اس وقت درپیش ہوتے تھے۔ کوئی فوجی یا سیاسی مہم اگر درپیش ہوتی تو اس کا انتظام بھی وہیں اسی مجمع میں کر دیا جاتا۔ جماعتی ضروریات کی طرف بھی لوگوں کو توجہ دلائی جاتی اور ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق انکے

پورا کرنے میں حصہ لیتا تھی کہ روایات میں آتا ہے کہ عورتیں اپنے زیور تک اتار کر خدا کے دین اور جماعت مسلمین کی خدمت کے لئے پیش کر دیتیں۔

پھر یہ مجمع عیدگاہ سے پلٹتا تھا اور حکم یہ تھا کہ جس راستے سے آئے ہو اس کے خلاف دوسرے راستے سے گھروں کی طرف واپس جاتا تاکہ بستی کا کوئی حصہ تمہاری چہل پہل سے اور تمہاری تکبیروں کی گونج سے خالی نہ رہ جائے۔

اس کے علاوہ دل کھول کر خیرات کی جاتی تھی، تاکہ عید صرف خوش حال ہی لوگوں کا تہوار بن کر نہ رہ جائے۔

معصومانہ تفریح

بس یہ عید تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منائی جاتی تھی۔ ان "سرکاری" مراسم کے علاوہ "غیر سرکاری" طور پر جوان لوگ بھی کچھ کھیل کود لیتے تھے اور گھروں کی لڑکیاں بالیاں مل بیٹھ کر کچھ گیت بھی گا لیا کرتی تھیں۔ بس یہ چیز ایک حد کے اندر ہی تھی۔ اس کے آگے قدم بڑھانے کی اجازت نہ تھی۔ بلکہ سوسائٹی کے لیڈر تو نوجوانوں کی ان جائز اور معصوم خوش نصیبیوں میں بھی حصہ لینے پر احتساب کرتے تھے تاکہ ان کی ہمت نہ ہو کر وہ کوئی ناروا مظاہرے کرنے لگیں۔

اس معاملہ میں لیڈروں کا جو طرز عمل تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو مستند روایات میں بیان ہوا ہے۔ ایک دفعہ عید کے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس پڑوس کی کچھ لڑکیاں بیٹھی گیت گا رہی ہیں۔ گیت میں کچھ عشق و عاشقی اور شراب و کباب کے مضمون کے نہ تھے بلکہ جنگ بعاث کے زمانے کے گیت تھے۔ لڑکیاں بھی کوئی پیشہ ور فنکار و موسیقار نہ تھیں، بلکہ گھروں کی بہو بیٹیاں تھیں۔ جو کبھی دل بہلانے کے لئے آپس میں بیٹھ کر معصومانہ گیت گا لیا کرتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس تفریح میں دخل نہ دیا، اور خاموشی کے ساتھ ایک گوشہ میں چادر اوڑھ کر لیٹ گئے، کہ تھوڑی دیر بعد حضرت ابوبکرؓ آئے اور انہوں نے اپنی صاحبزادی کو ڈانٹ بتائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں یہ کیا شیطانی حرکت ہو رہی ہے۔ ان کی آواز سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا رہنے دو۔ ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے۔ آج ہماری عید ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ خاموش ہو گئے۔ مگر وہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ ان کے پیٹھ موڑتے ہی حضرت عائشہؓ نے لڑکیوں کو آنکھ کا اشارہ کیا اور وہ اپنے گھروں کو بھاگ گئیں۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے معصومانہ کھیل کود اور کچھ گا بجا لینے کو جائز تو رکھا جاتا تھا مگر بڑے لوگ خود ان دلچسپیوں میں حصہ لینے کی ہمت نہیں بڑھاتے تھے۔ بعد میں جب بڑوں نے نگہداشت چھوڑ دی تو رسی ڈھیلی ہی ہوتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ:۔

روز عید است لب خشک مے آلود کنید
چارۂ کار خود اے تشنہ فغاں نو د کنید

چار خصلتیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چار باتیں اور چار خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تم کو نصیب ہو جائیں تو پھر دنیا اور اس کی نعمتوں کے فوت ہو جانے اور ہاتھ نہ آنے میں کوئی مضائقہ اور گھاٹا نہیں۔

امانت کی حفاظت	باتوں میں سچائی
حُسنِ اخلاق	اور کھانے کی پرہیزگاری

محمد حسام الدین شریفی

عید کا پیغام

رمضان المبارک کا مہینہ، جسے کوئی خوش نصیب ہی اپنی زندگی میں پاتا ہے۔ گیارہ ماہ کے لئے پھر ہم سے رخصت ہو رہا ہے اور عید کی خوشیاں ہمارے دروازے پر دستک دے رہی ہیں۔ یہ خوشیاں تمام عالم اسلام کو بیک وقت مسرور کرتیں اور ہر مسلمان کے دل کو منور کر دیتی ہیں۔ نہ صرف مسلم معاشرے میں بلکہ ہر معاشرے میں رنج و غم اور خوشی و مسرت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک گھر میں محفل نشاط بپا ہے تو دوسرا گھر ماتم کدہ بنا ہوا ہے۔ ایک بھائی مغموم ہے تو دوسرا بھائی مسرور ہے۔ اس تضاد کو ختم کرنے کے لئے اسلام نے ایک دن ایسی خوشی کا مقرر کیا ہے۔ جس میں رنج و خوشی کی دوئی جاتی رہتی ہے اور صرف مسرت کی ساعتیں باقی رہ جاتی ہیں۔ چنانچہ عید کی تقریب پر تمام عالم اسلام ایک ہی رنگ میں رنگا ہوا نظر آتا ہے۔

مختلف اقوام میں خوشی کا دن

غیر مسلم اقوام کے لوگ مختلف مواقع پر خوشیاں مناتے ہیں۔ بعض کسی موسم کی تبدیلی پر تقریبات منعقد کرتے ہیں۔ بعض کسی بزرگ کے یوم ولادت پر جشن مناتے اور خوش ہوتے ہیں۔ کوئی ہولی کھیلتا ہے تو کوئی نوروز مناتا ہے۔ مگر اسلامی تقریبات ایک عالمگیر حیثیت کی حامل ہیں۔ ان کا نہ کوئی موسم ہے اور نہ وہ کسی بزرگ کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی موسم سرما اور کبھی موسم گرما اور کبھی موسم برسات میں آتی ہیں۔ غرضیکہ انھیں کسی موسم اور کسی شخصیت سے وابستہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان تقریبات کی تاریخیں چاند کے حساب سے مقرر کی گئی ہیں۔

اسلامی تقریبات

بزرگ سے بزرگ شخصیت کا یوم ولادت منانے کی بھی اسلام نے اجازت نہیں دی۔ عقیدت اور محبت کی وجہ سے اگر کوئی ایسی تقریبات مناتا ہے تو اس سے اسلام کا کوئی واسطہ نہیں۔ اسی لئے ان تقریبات کے لئے جو نعرہ مقرر کیا گیا ہے وہ اللہ کی عظمت اور کبریائی کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ اللہ جو صرف مسلمانوں ہی کا رب نہیں بلکہ کائنات میں بسنے والے تمام انسانوں کا رب ہے، اور سب کی رہائش و خوراک اور دیگر لوازمات زندگی کے لئے یکساں سامان مہیا کرتا ہے۔

اَللہُ اَکْبَرُ اَللہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاللہُ اَکْبَرُ اَللہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْد

اسلامی تقریبات کی ایک خصوصیت

دنیا کے تمام مذاہب کی تقریبات کا جائزہ لیجئے تو اسلامی یبات میں آپ کو ایک نمایاں فرق محسوس ہوگا اور دوسرے ہب کے برعکس اسلامی تقریبات میں ایک واضح خصوصیت ر آئے گی۔ اور وہ یہ کہ اسلامی تقریبات میں بھی عبادت نگ صاف جھلکتا نظر آتا ہے۔ اور ان میں زیادہ سے زیادہ اللہ د کیا جاتا ہے۔ اور اپنے آپ کو ہر قسم کی برائی اور بیہودگی لغویات سے بچایا جاتا ہے۔ اور رنگ رلیاں منانے سے ناب کیا جاتا ہے۔

اپنے اعمال کا جائزہ

ہر مسلمان صبح ہی صبح غسل کرنے اور صاف ستھرے پڑے پہننے کے بعد اپنے خالق اور مالک کی بڑائی اور س کی حاکمیت کے نعرے بلند کرتا ہوا عیدگاہ کی طرف رجھکائے رواں دواں ہو جاتا ہے اور وہاں دوگانہ ا کرنے کے بعد اپنے اور دوسرے مسلمانوں کی فلاح و ہود کی دعائیں کرتا ہے۔ اور اللہ کی بڑائی اور بزرگی کے ات دہراتا ہوا واپس لوٹتا ہے۔ اور واپسی پر اپنے عمال کا جائزہ لیتا ہے اور اس طرح یہ انتہائی پاکیزہ ور مقدس اسلامی تقریب ختم ہو جاتی ہے۔

تبلیغ کا ایک ذریعہ

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تقریبات بھی اسلام کی تبلیغ کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ بشرطیکہ مسلمان ان کے مقاصد کو ملحوظ رکھیں اور اپنے اسلامی کردار کا ثبوت دیں تو دوسرے لوگوں پر ان تقریبات ہی سے اتمام حجت ہو سکتی ہے اور غیر بھی اس کا اثر قبول کر سکتے ہیں۔

قابلِ توجہ

لیکن مسلمانوں کو اس پر غور کرنا چاہئے کہ کہاں اسلام کی پاکیزہ اور مقدس تقریبات جن میں زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت بیان کی جاتی ہے اور کہاں لہو ولعب کی تفریحات جو اصل مقاصد ہی کی نہیں اسلام کی بھی نفی کرتی ہیں۔ دوگانہ ادا کرنے کے بعد احتسابِ نفس کا موقع آتا ہے۔ مگر وہی سینما کے پہلے شو کا وقت ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ سینما کے شو پر احتسابِ نفس کو کیسے مقدم کیا جا سکتا ہے۔

ایک واقعہ

یہاں اسلامی تاریخ کا ایک خاص واقعہ بھی قابل ذکر ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر ہم چاہیں تو اس ہنگامہ نائو نوش میں اس واقعے سے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے کون مسلمان ہے جو واقف نہ ہو۔ یہی حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفۂ وقت منتخب ہونے سے پہلے امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن جونہی وہ خلیفہ منتخب ہوئے ان کی حالت میں ایک عظیم تغیر پیدا ہو گیا۔ گھر کا سارا سامان حکومت کے خزانے میں داخل کرا دیا اور خود ایک عام شخص کی سی زندگی بسر کرنے لگے۔ حکومت کے خزانے سے اپنے لئے دو درہم یومیہ مقرر کیا۔

ایک دفعہ عید کے موقع پر آپ کے نورِ نظر نے کپڑوں کے لئے ضد کی اور ماں کی مامتا کا بھی یہی تقاضا ہوا۔ وہ کہنے لگیں میرا بچہ جب دوسرے بچوں کو اچھے کپڑوں میں دیکھے گا تو شرم کی وجہ سے گھر میں چھپ جائے گا اور باہر نہیں نکل سکے گا۔

خلیفۂ وقت بیوی کے اصرار کرنے پر اجازت دے دی کہ بیت المال سے ضرورت کے مطابق کچھ رقم لے لی جائے۔

چنانچہ بیت المال کے منتظم کو انہوں نے رقعہ لکھ دیا کہ وہ انہیں
ایک ماہ کا پیشگی وظیفہ دیدے۔ منتظم بھی آخر فاروق ثانیؓ
کا منتخب کیا ہوا تھا۔ اس نے رقم دینے سے پہلے اس کا اطمینان
کرنا چاہا کہ وہ ایک ماہ تک زندہ رہ کر کارِ حکومت بھی
انجام دے سکیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ اطمینان نہیں دلایا جاسکتا
تھا اور اس طرح خلیفۂ وقت کے بچوں کی عید یونہی گزر گئی۔

انسانیت کی اعلیٰ قدروں کا تحفظ

اس تاریخی واقعہ سے بہت سی نصیحتوں کے ساتھ
سب سے پہلے ہمیں جو سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ عید کی
حقیقی خوشی و مسرت کا راز پُرتکلف اور نفیس کپڑوں
اور انواع اقسام کے کھانوں میں نہیں، بلکہ انسانیت
کی اعلیٰ قدروں کے تحفظ میں ہے۔

ایک عہد

پس آیئے عید سعید کے ان مبارک لمحوں میں ہم
اس بات کا عہد کریں کہ ہم ایسا مسلمان بننے کی کوشش
کریں گے جس کے عمل کی روشنی سے بہترین کردار اور
اعلیٰ اخلاق کی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہوں۔
یہی ہے عید کا پیغام!

بروایت عبداللہ بن عمر ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے سونے چاندی
کے برتن میں یا ایسے برتن میں جس میں ان دونوں میں سے کسی
کی ملاوٹ ہو پانی پیا تو وہ درحقیقت اپنے پیٹ میں جہنم
کے انگارے ڈال رہا ہے

پانچ اصول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو چیزیں
اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دی ہیں اُن سے بچو اور ان سے پورا
پورا پرہیز کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم بہت بڑے عبادت
گزار ہو۔ اللہ نے جو تمہاری قسمت میں لکھا ہے اس پر راضی
اور مطمئن ہو جاؤ۔ اگر ایسا کرو گے تو تم بہت بڑے بے نیاز
اور دولت مند ہو جاؤ گے۔ اپنے پڑوسی کے ساتھ
اچھا سلوک کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو تم مومن کامل ہو جاؤ گے
جو تم اپنے لئے چاہتے اور پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے
لئے بھی چاہو، اور پسند کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو حقیقی مسلم
اور پورے پورے مسلمان ہو جاؤ گے۔ اور یہ
زیادہ مت ہنسا کرو۔ کیونکہ زیادہ ہنسنا
دل کو مردہ کر دیتا ہے (مسند احمد، جامع ترمذی)

❖ ❖ ❖ ❖ ❖

گناہ سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ گناہ کا خیال بھی
دل میں نہ آنے دیا جائے (حضرت ابوذر غفاریؓ)

نیکی کی منزل اس کو ملتی ہے جو گناہوں کی وادی سے
دامن بچاتا ہوا نکل جاتا ہے۔
(حضرت عبدالقادر جیلانیؒ)

جسے جوانی میں ہوش آگیا، اُسے پھر ہوش کی
ضرورت نہیں۔ (حضرت شاہ ولی اللہؒ)

جوانی کی گمراہی کو بڑھاپے کی قیادت کی
ضرورت ہے۔ (خواجہ غریب نواز)

توضیح:۔ منشاء یہ ہے کہ اسلام سرمایہ دارانہ ۴۳

۴۴ مظاہرے سے مسلم سوسائٹی کو قطعی پاک
رکھنا چاہتا ہے۔

امیر المومنینؓ کے بچوں کی عید

اسلام دنیا میں آیا اور اوّلین پیروانِ اسلام کی عملی زندگی نے اندھی دنیا کی آنکھیں کھول دیں۔ اسلام کے ہمہ رس اثر نے جہاں اور بہت سی نعمات و برکات سے دنیا کو بہرہ ور کیا وہاں ان دو گروہوں کی بھی ایسی اصلاح کی کہ آج تک دنیا انگشت بدنداں ہے۔ اس بابرکت دَور یعنی اسلام کے قرنِ اوّل میں علماء اور امراء طبقوں میں ایسے نفوسِ قدسیہ پیدا ہوئے کہ جن کی مثال تاریخ اقوام عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ان میں سے ایک حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی ہیں۔ ان کے وجود پر اسلام اور مسلمان جتنا بھی فخر و ناز کریں بجا اور درست ہے۔

اس وسیع اور عظیم الشان مملکت پر اگرچہ اس وقت کہنے کو صرف ایک انسان کا حکم چلتا تھا لیکن خود اس انسان کے اعمال و افعال خداوند تعالیٰ کے احکام کے تابع فرمان تھے۔ اور یہ انسان فخر و تکبر اور ظلم و عدوان کا پیکر نہیں بلکہ عجز و انکسار اور نیاز و بندگی کا پتلا تھا وہ اس سرزمین پر بسنے والوں کا خدا نہیں بلکہ خادم متصور ہوتا تھا اس لئے ہر طرف سکون و اطمینان اور امن کا دَوردورہ تھا۔

عیدوں اور تہواروں کے دن ان مسلمانوں کے اسلاف کی طرف سے جو افلاس و ناداری کے ہاتھوں تنگ ہیں صدقات و خیرات کے تقسیم کرنے کے لئے منادی گلیوں میں ندا دیتے پھرا کرتے تھے کہ ہے کوئی حاجت مند لینے والا اور کسی حاجتمند کے نہ ملنے کی وجہ سے بارہا ان کو مایوس لوٹ جانا پڑتا تھا۔ کیونکہ افلاس و ناداری کے ساتھ ساتھ حرص و طمع بھی مقبوضاتِ خلافتِ اسلامیہ کی حدود سے باہر نکل چکی تھیں، فرائض کی ادائیگی کے احساس نے امراء کے قلب و دماغ کو تمام بیرونی اثرات سے آزاد اور تمام آلائشوں سے صاف کر کے آئینہ بنا دیا تھا۔ جس پر تمام عمر بھر میں کبھی کوئی کدورت نہیں پڑتی تھی۔

عید کا چاند انتہائی فرحت و انبساط اور بے پایاں مسرت و خوشی کا پیغامبر بن کر پورے سو سال سے افق مغرب پر طلوع ہو رہا تھا۔ ہر نیا چاند نئی خوشیاں نئی اُمیدیں اور علم و عمل میں نئی فتوحات اپنے ساتھ لیکر آتا تھا۔ حسبِ معمول یہ چاند بھی ملتِ اسلامیہ کی آرزوؤں اور تمناؤں کی تکمیل عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کی صورت میں لے کر طلوع ہوا کیونکہ یہ عید آپ کے عہدِ میمنت مہد کی اولین عید تھی۔

ایک حکمران فاتح اور عادل قوم کے افراد تمام کے تمام، ہر ایک متنفس اپنے انتہائی عروج و اقبال کے دور میں اپنا سب سے بڑا تہوار منانے کی تیاری میں مشغول تھا۔ قوم کے تمام بچے اس صبح مسرت کا نہایت بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ نئے لباس رنگارنگ پیراہن، بیش قیمت ملبوسات، نئی اشیاء، نئے کھلونوں سے عروس الارض دمشق کے بازار پٹے پڑے تھے اور دھڑا دھڑ خریداری جاری تھی۔ مقبوضات خلافت اور دار الخلافہ کے تمام گھروں میں مسرت و خوشی کی ایک لہر دوڑ رہی تھی۔ جس سے قصر خلافت کی چہار دیواری کس طرح خالی رہ سکتی تھی۔ امیر المومنین عمر بن عبد العزیز رح کے نو عمر صاحبزادگان خلیفہ بیگم فاطمہ اموی کے لخت جگر جو خود ایک خلیفہ کی بیٹی، دوسرے خلیفہ کی بہن اور تیسرے خلیفہ کی بیگم تھی، اپنے ہم عمر اور ہمجولیوں کے لباس ہائے فاخرہ اور رنگارنگ ملبوسات کو دیکھ کر دوڑے دوڑے گھر آئے اور والدہ بیگم سے اصرار کرنے لگے۔

"اماں! ہم بھی نئے کپڑے پہنیں گے"

جریرا اور مغیث کے نئے کپڑے اماں تم نے نہیں دیکھے۔ دوسرے نے کہا "اماں میں لاؤں جاکر! تم دیکھو گی؟ چھوٹے نے ایک معصومانہ انداز کے ساتھ کہا" ہاں، ہاں، بیٹا! میں دیکھوں گی تو سہی! لیکن امیر المومنین تمہارے والد بھی تو آتے ہیں۔ ان سے کہہ کر تمہارے لئے نئے کپڑے ابھی منگوا دوں گی"

"اماں! امیر المومنین کو بلا لاؤں؟"

"دیکھو، وہ خود ہی ابھی آئے جاتے ہیں"

اتنے میں امیر المومنین بھی تشریف لے آئے۔ بیگم نے دبی زبان سے عرض کیا۔ عید آ رہی ہے۔ عید کے دن تمام امت کے بچے اور بڑے بھی نئے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے۔ لیکن امیر المومنین کے بچوں کے پاس کوئی نیا لباس نہیں ہے۔ بچے اصرار کر رہے ہیں کہ ہم ان پرانے کپڑوں میں عید کی نماز پڑھنے نہیں جائیں گے۔ اس کے جواب میں امیر المومنین نے کہا" فاطمہ! مجھے اپنی کوئی دنیاوی چیز ان بچوں سے زیادہ پیاری نہیں۔ میرے پاس جو کچھ ہے وہ تمہیں معلوم ہی ہے اس کے علاوہ میرے سر پر ذمہ داری کا بھاری بوجھ بھی ہے۔ تم نے ابھی ملت کے عام افراد کی خوشی کا ذکر کیا تھا۔ فاطمہ جمہور رعایا اور عامۃ المسلمین اسی وقت خوش اور مسرور رہ سکتے ہیں، جب تک میں خود اپنی مثال سے اپنے امراء و عمال کو اس اختیاری فقر و فاقہ پر قائم اور جائز حدود کے اندر رکھوں۔ اور دیگر تمام باتوں کو چھوڑ کر صرف ایک اہم ترین فرض خدمت و حفاظت خلق کی بجا آوری میں دن رات لگا رہوں اگر آج میں اپنے نفس یا اپنے اہل خاندان کے لئے اسوۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا بھر بھی ادھر ادھر ہو جاؤں تو میرے عمال میری پیروی کریں گے۔ اور یہ مسرت و خوشی جو آج چاروں طرف تمہیں نظر آ رہی ہے یک قلم کافور ہو جائیگی۔ فاطمہ! میں تو بنی امیہ کے سابقہ مظالم کا ہی کفارہ ادا نہیں کر سکا۔ چہ جائیکہ اپنی طرف سے مزید بار ملت کی گردن پر رکھنے کا باعث بنوں"

"امیر المومنین درست فرماتے ہیں۔ مگر بچے تو اس کو نہیں سمجھتے۔ ان کے لئے تو کم از کم نیا لباس ہو خواہ کم قیمت ہی سہی"

"بے شک تمہارا یہ کہنا بھی ٹھیک ہے۔ میں ابھی بیت المال کے خزانچی کو ایک رقعہ لکھتا ہوں کہ اس ماہ کا میرا ماہواری وظیفہ اس دفعہ مجھے پیشگی دیدیا جائے۔ تم اس موقعہ سے بچوں کے کپڑے اور دیگر ضروریات کی چیزیں خرید لینا"

بہتر ہے جیسا امیر المومنین خیال فرمائیں۔
جب رحمت کی گھٹا اٹھتی ہے تو کوہ و دشت کچھ نہیں

بھی۔ بارانِ رحمت کا پانی پستی و رفعت سب کو سیراب
جاتا ہے۔ جب افقِ مشرق سے آفتاب طلوع ہوتا ہے
س کی روشنی جہاں پہاڑ کی چوٹیوں کو منور کرتی ہے وہاں
پست وادیاں بھی اس کے فیض سے محروم نہیں رہتیں۔
کسی قوم کے اقبال و عروج کا دور رہتا ہے تو پھر اس
صادق دکنی اور جعفر بنگالی نہیں پیدا ہوتے۔ بلکہ ان میں
شخص خالدؓ و ابو عبیدہؓ ہوتا ہے۔ وہ سب کے سب ایک
رنگ میں رنگے جاتے ہیں صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ
بغۃ۔ جس مملکت کا حکمران امیر المومنین عمر بن عبدالعزیزؒ
و اس کے بیت المال کا امین کوئی بے ایمان اور خوشامدی
نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ امیر المومنین کے رقعہ کا جواب خزانچی
ی طرف سے جلد ہی موصول ہو گیا۔

خزانچی نے لکھا تھا۔

"تعمیلِ حکم سے انکار نہیں۔ لیکن کیا امیر المومنین کے
پاس اس بات کی کوئی ضمانت ہے کہ وہ اس ماہ ضرور زندہ
ہیں گے، اور ملت کی خدمات بجا لا کر سالم ماہ گزرنے کے
بعد اس وظیفہ کے مستحق ہو جائیں گے۔ اگر اس امر کی کوئی
ضمانت نہیں تو پھر بھلا پیشگی وظیفہ کس طرح بیت المال سے
دیا جا سکتا ہے؟"

"بارک اللہ! فاطمہ تم نے پڑھ لیا۔ خزانچی بیت المال
نے سچ لکھا ہے۔ اس نے مجھے ایک بڑی بھاری غلطی سے بچا لیا۔"

اس کے بعد فاطمہ نے اپنے ہاتھوں سے اپنے بچوں
کو پرانے کپڑے پہنا دیئے۔ جب خود بادشاہ وقت کا یہ
حال تھا۔ تو بھلا دنیا مسرت سے معمور کیوں نہ ہوتی۔

صبا نقوی

غزل

دنیا کا نہ کیجے ابھی چرچا مرے آگے
بیٹھا ہے ابھی وہ گُلِ رعنا مرے آگے

وہ زخم دیئے ہیں نگہِ ناز نے مجھ کو
سر تھام کے بیٹھا ہے مسیحا مرے آگے

کہتے ہیں جسے اہلِ وفا سوزِ محبت
وہ ہے دلِ فطرت کا تقاضا مرے آگے

بڑھتی چلی آتی ہے جو دنیا مرے پیچھے
دشوار ہوا جاتا ہے جینا مرے آگے

کہتی ہے یہ مجھ سے تری بیگانہ نگاہی
رونا نہ کبھی عشق کا رونا مرے آگے

آسودگیٔ شوقِ زیارت کے بہانے
جلووں کو بناؤ نہ تماشا مرے آگے

شمشیر بکف دیکھ کے اربابِ جفا کو
لہرانے لگا خون کا دریا مرے آگے

حسرت سے صبا مجھ کو غمِ یار نے دیکھا
اُٹھا جو سوالِ غمِ دنیا مرے آگے

عارف دہلوی۔ بی، اے

عیدالفطر
حقائق کی روشنی میں

خدا ہم پر اپنا رحم فرمائے کہ اس بیسویں صدی میں ہم مسلمانوں کے فکر و نظر کے پاکیزہ زاویے یکسر تبدیل ہو چکے ہیں۔ کسی ایک حقیقت کو ہی نہیں بلکہ قریباً ہر حقیقت کو ہم نے خرافات میں تبدیل کر دیا ہے۔ اور اس پر ستم یہ کہ دعویٰ مسلمانی پھر بھی برقرار ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ جب اللہ کے نیک بندے ہمیں حقیقتوں سے روشناس کراتے ہیں تو ہماری جبینوں پر شکنیں پڑ جاتی ہیں۔ طبیعتوں میں تکدر پیدا ہونے لگتا ہے اور بڑی دیدہ دلیری سے قولاً ہی نہیں عملاً بھی ہم حقائق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ عیدین کے سلسلے میں بھی صورت حال یہی ہے۔ عیدین کو ہم نے اپنے عمل سے رام لیلا، دیوالی، نوروز، مہرگان اور کرسمس کے سے تہوار بنا دیا ہے۔ بالخصوص عیدالفطر کا اب یہ مفہوم لیا جانے لگا ہے کہ اس دن سب کچھ جائز اور حلال ہے۔ خوب سینما دیکھو، خوب روپیہ بہاؤ، خوب کھاؤ پیو اور خوب عیش و عشرت کرو۔

اور غالباً یہ بھی سمجھا جانے لگا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزیں معاف کر دی ہیں۔ مثلاً عید کی نماز کو پانچوں وقت کی نمازوں کا بدل تصور کر لیا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ اس مبارک دن کچھ ایسی نازیبا حرکتیں ہم بیسویں صدی کے مسلمانوں سے سرزد ہوتی ہیں جنہیں دیکھ کر ایک دردمند دل بے ساختہ پکار اٹھتا ہے ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ ضروری ہے کہ ہم عید کے صحیح مفہوم اور اسلامی تصور سے پوری طرح آگاہی حاصل کریں اور مسرت و شادمانی کے اس دن کو باوقار، مہذب اور پاکیزہ انداز میں گزاریں۔ عیدین کے تہوار اسلامی ثقافت کے بھرپور اظہار کے موقعے ہیں لیکن افسوس کہ ہم ان موقعوں کو لہو و لعب اور عیش و عشرت میں ضائع کر دیتے ہیں اور ان موقعوں پر غیر اسلامی رسوم کو اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

مسلمانوں کی عید

مسلمانوں کی عید دیگر اقوام کی عید سے قطعاً مختلف ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ دوسری اقوام کے لہو و لعب سے بھرپور تہواروں کے مقابلے میں ایک پاکیزہ، مہذب اور پُروقار تہوار کی حیثیت سے عید کے دن کا تصور ہی اسی بنا پر

ل میں آیا ہے کہ اسلام دنیا پر یہ واضح کر دے کہ خوشی کے
لی رب العالمین کو زیادہ یاد کیا جائے۔ مسرت و انبساط
کے موقعوں پر عیش و عشرت میں غرق ہونے کے بجائے
خدائے قدوس کا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کیا جائے ...
مسرت و شادمانی کے دن فضولیات میں مبتلا ہونے
کے بجائے باوقار انداز میں اور مومنانہ شان کے ساتھ
خدا کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق اپنا وقت گزارا
جائے۔ خوشی کو اپنی ہی ذات تک محدود نہ رکھا جائے
بلکہ اپنے بھائیوں، عزیزوں، قرابت داروں، پڑوسیوں
اور بے آسرا لوگوں کو بھی اپنی خوشیوں میں شریک کیا جائے
اس مسرت بھرے دن میں آوارگی کے بجائے پاکیزگی کا
مظاہرہ کیا جائے۔

عید کی ابتداء

مدینہ منورہ میں انصار پارسیوں کی دیکھا دیکھی نوروز
اور مہرگان دو تہوار منایا کرتے تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ
علیہ وسلم ہجرت فرما کر جب مدینہ تشریف لائے تو آپ کو یہ بات پسند
نہ آئی کہ مسلمان بھی ایسے غیر اسلامی تہوار منائیں جن کا کوئی
مقصد نہ ہو اور اگر کوئی مقصد ہو تو وہ محض عیاشی اور
آوارگی ہو ________ ایک روز آپ نے
مسلمانوں کے مجمع عام میں خطاب فرمایا کہ:۔
اللہ تعالیٰ نے نوروز اور مہرگان کے بدلے میں
ان سے بہتر عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن منانے کی تمہیں
اجازت دی ہے۔"
ایک اور موقعہ پر آپ نے فرمایا:۔ ہر قوم کے لئے
عید ہے اور یہ ہماری عید ہے" ______ اب سوال
یہ پیدا ہوتا ہے کہ عید ہے کیا ___ ؟
عید دراصل مسرت و شادمانی کے اظہار کا دن ہے۔
رمضان المبارک کے پاکیزہ اور ضبط نفس کے ماحول کے

بعد اللہ تعالیٰ اپنا انعام و اکرام عید الفطر کی صورت میں
اپنے ان نیک بندوں کو عطا کرتا ہے جنھوں نے اس مبارک
مہینے کا احترام کیا، روزے رکھے، نمازیں پڑھیں اور اللہ
اور رسول کے بتائے ہوئے صراط مستقیم کو اختیار کیا۔
عید الفطر صرف اور صرف ایسے ہی نیک لوگوں کے لئے
ایک حسین تحفہ، ایک گراں قدر انعام اور ایک بیش بہا اکرام ہے،
وہ لوگ عید منانے کا کوئی حق نہیں رکھتے جنھوں نے
رمضان المبارک کا احترام نہ کیا ہو، روزے نہ رکھے ہوں،
اور اپنے شب و روز عبادت و اطاعت میں نہ گزارے ہوں۔
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ نے
کیا خوب فرمایا ہے:۔
" عید الفطر ان لوگوں کے لئے تو فی الواقع عید ہے اور
پیغام مسرت ہے جنھوں نے ماہ رمضان کو روزے، عبادت
اور اطاعت میں گزارا ہے۔ لیکن جن لوگوں نے اس مبارک
مہینے کو عصیان اور بغاوت میں بسر کیا ہے ان کے لئے یہ خوشی
کا نہیں ماتم کا مقام ہے۔ ایسے لوگوں کو عید منانے کا اخلاقاً
کوئی حق نہیں۔"

حقیقی عید

عید تو حقیقتاً انہی لوگوں کے لئے عید ہے جنھوں نے اللہ
کی اطاعت میں اپنے نفس پر پورا ضبط کیا ہو اور پورا ایک ماہ
اللہ کی عبادت میں گزارا ہو۔ عید کے روز رب العالمین ملائکہ سے
خطاب فرمائے گا۔
" اے فرشتو! بتاؤ! اس مزدور کا کیا صلہ، جو اپنی محنت
کا پورا پورا حق ادا کر چکا ہو؟"
ملائک عرض کریں گے:۔ "رب العالمین! اس کا صلہ یہ
ہے کہ اس کی محنت کا پورا پورا معاوضہ دیا جائے۔"
اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا:۔ میں نے محمدؐ کی امت
کے روزہ داروں کو بخش دیا اور ان کو جنت کا وارث بنادیا۔"

کون سے روزہ دار ——— ؟

وہ روزہ دار نہیں جو دنیا کو دکھانے کے لئے مجبوراً
روزہ رکھتے ہیں۔ روزہ رکھ کر غیر اخلاقی حرکات کرتے پھرتے
ہیں، اور روزہ بہلانے کے لئے سینماؤں کا رُخ کرتے ہیں،
بلکہ یہ خوشخبری ان روزہ داروں کے لئے ہے جنھوں نے محض
کھانے پینے کا ہی روزہ نہیں رکھا بلکہ اپنے نفس کا بھی روزہ
رکھا۔ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے
کے لئے پورا ماہ عبادت واطاعت میں گزارا۔ ریاکارانہ
عبادت اور دنیا کو دکھانے اور اس پر اپنی پارسائی کا رعب
بٹھانے کے لئے روزے رکھنے اور نمازیں پڑھنے والے
بھی عید کے روز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے انعامات واکرامات
حاصل نہیں کرسکتے، کیونکہ ریاکاری اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں
اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کا حال خوب جاننے والا ہے۔ اسکی
بارگاہ عالی میں خلوص، ایثار، محبت، الفت، سوز اور
تڑپ اور انکساری وعاجزی کی قدر وقیمت ہے۔ اگر یہ
سب کچھ نہیں تو ساری عبادت بے کار ———

علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

یہ ذکرِ نیم شبی یہ مراقبے یہ سرور
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اس سلسلے میں عارف سیالکوٹی کا شعر بھی لاجواب ہے ؎

یہ ذکر و فکر یہ تسبیح، یہ رکوع و سجود
خلوص ہے تو عبادت وگرنہ نام ونمود

خلاصہ یہ ہوا کہ عید الفطر بلاشبہ مسرت و
شادمانی کا دن ہے لیکن یہ صحیح معنوں میں عید ان لوگوں
کے لئے جنھوں نے اس سے قبل کا ایک ماہ ذکر وفکر،
رکوع وسجود اور عبادت واطاعت میں گزارا ہو اور یہ
عید صحیح معنوں میں عید اسی وقت ہے جب اسے لہو ولعب
اور عیش وعشرت میں گزارنے کے بجائے تشکر وامتنان
اور پاکیزگی ووقار سے گزارا جائے۔

عید الفطر مسلمانوں کی عید ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے
کہ اپنے تہوار اسلامی طریقے سے منائیں نہ کہ ہندوانہ طریقے سے۔
..... اللہ تعالیٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہمت و توفیق دے۔

شاہد ساگری

جامِ عید

ہوئے ہیں شاد بشر، پی رہے ہیں جامِ عید
ہلالِ عید تری ضو میں ہے پیامِ عید
مسرت اس سے ملی حق کے روزہ داروں کو
خوشی سے بر لبِ مومن ہے اب کلامِ عید
خوشی کے نغمے سناتا ہے برگ برگ کا ساز
بنے ہیں فرطِ مسرت سے پھول جامِ عید
اسی بہانے سے دیدار ہو جائے
کریں ہم عید کو جا کر انہیں سلامِ عید
برس رہی ہے فضاؤں پہ رحمتِ باری
زمانہ آج ہے مسرور و شاد کامِ عید
مسرتوں کا ٹھکانا نہیں زمانے کی
زبانِ شوق پہ ہے بار بار نامِ عید

وہ عید ملنے کو آئے نظر ملی شاہد
پلا گئے ہیں نگاہوں سے مجھ کو جامِ عید

نادر احمد خاں

(طنزیہ)

عید لرٹن

یہ گزشتہ عید کا واقعہ ہے ہمارے ایک دوست
ر کے دن کچھ ایسے لباس میں تشریف لائے کہ خاصی دیر تک
انہیں چھوٹا بھائی سمجھ کر بڑے تکلف سے گفتگو کرتے رہے
ں جب ہماری نظر ماتھے کے اس نشان پر پڑی جسے وہ "یادگار
ت" کے طور پر نہ صرف ابھی تک محفوظ رکھے ہوئے ہیں بلکہ
روز آئینہ دیکھ کر اس کی پرستش بھی کرتے ہیں تو ہمیں یقین ہو گیا
صوف ہمارے دوست فرقان ہیں چنانچہ ایک بار پھر اُن
ے عید ملے اور پوچھا بھئی اس بار یہ تم نے کس قسم کی عید منائی
ہے"۔

برجستہ بولے، یار! کپڑا اور سلائی بہت مہنگی تھی۔ اس
، اس بار میں نے تو "ریڈی میڈ" عید خرید لی۔

لیکن عید پر مہنگائی کے جس طرح اثرات پڑ رہے ہیں
ے ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی بعید نہیں کہ آپ ہمیں دیکھ کر
ساختہ کہہ اٹھیں۔ واہ بھئی، اس بار تو بڑی ستھری عید بنائی
ی ہے" اور ہم شرماتے ہوئے کہیں۔ اب آپ سے کیا پردہ
سید کل ہی ڈرائی کلین کرا کے منگوائی ہے"۔

ہمارے ایک کرم فرما کا کہنا ہے کہ عید کا جوڑا خواہ ریڈی
ڈ ہو یا ڈرائی کلین کیا ہوا، لیکن عید کی مسرتیں خالص ہوتی ہیں

لیکن ایک صاحب اب ہمیں مسرتوں کے خالص ہونے میں بھی
شبہ ہونے لگا ہے۔ اور وہ اس لئے کہ گذشتہ دنوں ہی متوسط
درجے کے ایک دوست کی قیادت میں بیوی بچوں کا جلوس
رواں دواں دیکھ کر پوچھا۔ "یہ ہوم پارٹی کہاں جا رہی ہے؟"۔
جواب ملا۔ "جا نہیں رہی عید کی شاپنگ کر کے
آ رہی ہے"۔

پھر ایک پیکیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے
"اس میں تمہاری بھابی کی ساڑی ہے"۔
دوسرے پیکیٹ پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ "اور اس میں
بچوں کی قمیصیں ہیں"۔ "اور یہ تیسرا پیکیٹ موزے بنیانوں سے
بھرا ہوا ہے"۔

وضاحت چاہی۔ "اور کچھ نہیں خریدا؟"۔
جیب سے ایک ہنستا ہوا ماسک (مصنوعی چہرہ) نکالتے
ہوئے کہا یہ میں نے اپنے لئے خریدا ہے"۔
کہنے لگے، اس لئے کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ عید کے
دن بھی چہرے پر مسکراہٹ نہیں"۔

مسکراہٹوں کا ذکر آیا تو کچھ احوال ان صاحب کا بھی ملاحظہ
ہو۔ جو لندن سے تازہ تازہ آئے تھے اور وہاں کے لطیفے بڑے

مزے لے لے کر سنایا کرتے تھے، لیکن اس لطیفہ گو کی کے جوش میں یہ بھول جاتے تھے کہ یہ لطیفہ وہ اس سے چند گھنٹے پیشتر بھی سنا چکے ہیں۔ کئی بار تو ہم سنے ہوئے لطیفے پر تکلفاً ہنستے ہی رہے، لیکن جب یہ سلسلہ آگے زیادہ بڑھ گیا تو ایک دن پھر ہم نے عرض کیا۔ "کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ اپنے لطیفوں کو نمبر الاٹ کر دیں۔ اور پورا لطیفہ سنانے کی بجائے صرف حوالے کے طور پر لطیفہ کا نمبر بتا دیا کریں۔"

پوچھنے لگے۔ "وہ کیوں؟"

عرض کیا۔ "اس لئے کہ نمبر کے حوالے سے ہمیں آپ کا سنایا ہوا لطیفہ یاد آجائے گا اور ہم ہنس دیا کریں گے۔"

اسی قسم کے ایک لطیفہ گو نوجوان نے اردو کے مشہور طنز و مزاح نگار طفیل احمد جمالی کی بھی ملاقات تھی اور جمالی صاحب ان کے لطیفے سن سن کر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتے رہتے تھے لیکن ایک دن جیسے ہی انہوں نے لطیفہ سنایا جمالی صاحب نے جیب سے مصنوعی بتیسی نکالی اور اسے بجا کر پھر سے جیب میں رکھ دیا۔

لطیفہ گو نے پوچھا۔ "یہ آپ نے ہنسنے کا کون سا طریقہ نکالا ہے؟"

جمالی صاحب نے جواب دیا۔ "بھئی! جب ہنستے ہنستے میرا منہ دکھ جاتا ہے تو میں اس طرح ہنس کر اپنا فرض پورا کر دیا کرتا ہوں۔"

ہاں تو صاحب بات ہو رہی تھی عید کی اور اس باب میں ہم عرض یہ کرنا چاہتے تھے کہ عید مسرتوں کے ساتھ ساتھ ایک اور پیام بھی لاتا ہے جیسے عید ملن کی بجائے "عید لڑن" کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس تقریب سعید کی نوعیت کیا ہوتی ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے کہ عید کے موقعہ پر ایک صاحب کو ڈنڈ پیلتے دیکھ کر کسی نے پوچھا۔ "بھئی کیا کشتی کی تیاریاں ہو رہی ہیں؟" جواب ملا۔

"جی نہیں۔ آج ذرا ایک دوست سے عید ملنا ہے۔"

اس واقعہ سے انکار اس لئے نہیں کیا جا سکتا کہ ہمارے ایک دوست ایک بار ہم سے عید ملے تھے دوسرے سال جب وہ پھر عید ملنے کے لئے بڑھے تو ہم نے عرض کیا "گزشتہ سال کی ملی ہوئی عید ہمیں ابھی تک یاد ہے۔"

موصوف نے محو حیرت ہوتے ہوئے پوچھا "وہ کیسے"

عرض کیا "اب بھی پسلیوں میں درد رہتا ہے۔"

اگرچہ اب بعض خواتین عید بھی بڑے ذوق و شوق سے لڑنے لگی ہیں۔ لیکن عام طور پر خواتین کو ہم نے آپس میں کچھ اس طرح عید ملتے دیکھا۔ جیسے ٹی وی کے پروگرام گڑیا گھر میں دو گڑیاں ملتی ہیں۔ یعنی ایک سہیلی دوسری سہیلی کی جانب خراماں خراماں بڑھی، دونوں قریب آئیں۔ حد بندی لائن کا تعین کیا۔ دونوں نے اپنی اپنی گردنیں آگے بڑھائیں۔ ایک نے اپنا سر دوسری سہیلی کے کاندھے پر رکھا۔ دوسری نے پہلی سہیلی کے کاندھے پر اور پھر ترنم سے عرض کیا "عید مبارک!"

خود ہماری بیگم) اسی تکلف سے عید ملتی ہیں۔ ایک بار وہ اپنی سہیلی سے کچھ اس طرح عید ملیں کہ دل تو کیا دوپٹے کے پلو بھی آپس میں نہ ملنے پائے۔

ہم نے پوچھا۔ "آپ عید ملتے وقت اتنی احتیاط کیوں برتتی ہیں؟"

بولیں۔ "اس لئے کہ کہیں لباس پر کوئی شکن نہ آجائے۔"

●●

محمد رضی الدین معظم
۵۰ کام - بی اے - ایل - ایل بی (عثمانیہ یونیورسٹی)
رحیم منزل - شاہ گنج حیدرآباد -

لال قلعہ دھلی میں

جشنِ عید کا آخری نظارہ

انیسویں صدی عیسوی میں اگرچہ مغلیہ سلطنت کا آفتاب قریب الغروب تھا، پھر بھی تخت شاہی پر اعلیٰ حضرت شہنشاہ ہند ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ رونق افروز تھے۔ اگرچہ آپ کی عملداری صرف شہر دہلی تک محدود تھی پھر بھی بادشاہت کی شان باقی تھی۔ مغل شہنشاہیت کے مٹے مٹے سے کچھ نقوش موجود تھے۔ افسوس مغل شہنشاہیت کا یہ ٹمٹماتا چراغ ۱۸۵۷ء میں ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا، پھر بھی غدر ۱۸۵۷ء کے انقلابی ہنگامہ سے قبل اعلیٰحضرت ظل سبحانی نے جس شان و شوکت سے عید منائی تھی اس کی قلمی تصویر ہدیۂ ناظرین کر رہا ہوں۔

عید، بقر عید اور اسلامی عید ین کے موقع پر دلی شہر دولھن کی طرح سجا بنا رہتا تھا، اور لال قلعہ تو اس قدر آراستہ پیراستہ کیا جاتا تھا کہ دیکھنے والوں کی آنکھوں کو بلاشبہ جنت کا دھوکہ ہو جاتا تھا اور بے ساختہ یہ شعر زبان پر آجاتا تھا ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است

یوں تو شہر اور لال قلعہ کی آرائش وسط رمضان المبارک ہی سے شروع ہو جاتی تھی۔ مگر چاند رات کو یہ زیبائش و آرائش پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتی تھی۔ صبح ہوتے ہی دنادن توپیں داغی جاتیں۔ عیدگاہ چلنے کا اعلان کر دیا جاتا۔ امراء و وزراء زرق برق لباس میں ملبوس شاہی جلوس کے منتظر رہتے۔ بادشاہ سلامت حمام فرماتے۔ پوشاک بدلتے۔ جلوس کی توپ داغی جاتی بادشاہ سلامت محل سے باہر تشریف لاتے جلوس منظم ہوتا۔ کہاریاں ہوادار اٹھائیں۔ بادشاہ سلامت سوار ہوتے۔ بیگنیاں مردانہ لباس میں ملبوس سر پر طرہ اور کمر میں پٹکا باندھے ہوئے ہوادار کے ہمراہ اور ترکنیاں قلماقنیاں (پہرہ دارنیاں) چوبداروں کی طرح ہوادار کے پیچھے پیچھے خواجہ سرا مورچھل ہلاتے ہوئے، جلنیاں "خبردار ہوشیار" پکارتی ہوئی ہوادار کے آگے چلتیں سواری دیوان عام پہنچتی۔ "خبردار ہو عالم پناہ ظل اللہ جلالۃ الملک سراج الدین محمد بہادر شاہ ورود فرماتے ہیں" کی صدا بلند ہوتی۔ نقیب جواب دیتا۔ چوبدار مجرے کا اعلان کرتا۔ سب لوگ مجرا کرتے۔

یہاں سے کہار ہوادار سنبھالے دونوں طرف نوکر اور چوبدار، چرن بردار باناتی زیر انداز میں چرن پیٹے بغل میں لئے پیچھے پیچھے دو خواص دونوں طرف مورچھل ہلاتے ساتھ ساتھ چلتے۔ خواص گشتی دست بقچہ، رومال بینی پاک، اگالدان اور ضروریات کا دیگر سامان ساتھ لئے ہوادار کے ہمراہ ہوتے

حقہ بردار ہوادار کے پہلو میں ہوتا۔ حقہ کا نیچوان ظل سبحانی کے دستِ مبارک میں ہوتا۔ دروازہ کے قریب پلٹن اور شاہی توپخانہ سلامی دیتا۔ ہاتھی قریب لاکر بٹھا دیا جاتا۔ ظل سبحانی ہوادار سے اتر کر زرنگار ہودج میں سوار ہو جاتے۔ قلعہ معلیٰ کے لاہوری دروازہ سے جلوس مرتب ہوتا اور جہاں پناہ کی سواری بصد تزک و احتشام عیدگاہ کی طرف روانہ ہو جاتی۔

سب سے آگے دو ہاتھیوں پر زرنگار شاہی پرچم لہراتا ہوتا ان کے پیچھے چتر کا ہاتھی ہوتا اور سونے کی کلسی نیچے چاندی کی ڈنڈی کلابتونی جھالر لٹکے ہوئے۔ اس کے بعد ماہی مراتب کے ہاتھی ہوتے۔ جن پر شاہانہ اعزاز کے نشانات ہوتے، ان کے پیچھے بندوقچی اور اس کے بعد زنبور خانہ ہوتا تھا۔ جس کے آگے ایک اونٹ پر نقارہ بجایا جاتا تھا۔ اونٹوں کی کاٹھیاں نہایت خوبصورت اور زرنگار ہوتی تھیں۔ اس کے بعد سوار اور پیادہ پلٹن ہوتی۔ پیچھے سپہ سالار، کپتان، نائب کپتان اور دیگر افسران ہوتے۔ پھر بادشاہی تلنگوں کی وہ پلٹن ہوتی تھی جو انگریزی لباس میں ملبوس ہوتی تھی اس کے پیچھے پلٹن اور سو سو کے رسالے ہوتے۔ صوبہ دار، جمعدار امتیازی نشان لگائے، بندوقیں سنبھالے، تلواریں تانے، قطار در قطار چلتے۔ سب سے آخر میں روسار، امراء، اور خواص و عوام کا مجمع ہوتا تھا۔

اعلیٰحضرت ظل سبحانی کی سواری عیدگاہ کے دروازہ پر پہنچی، جلوس دو طرفہ کھڑا ہو گیا۔ توپوں نے سلامی دی۔ بادشاہ سلامت ہوادار میں اور شہزادہ ولیعہد پالکی میں عیدگاہ میں داخل ہوئے۔ حضرت سید میر احمد علی صاحب شاہی امام مصلے پر تشریف لائے۔ جماعت کھڑی ہو گئی۔ فرزندانِ توحید نے بارگاہِ الوہیت میں نذرانۂ عبودیت پیش کیا۔ امام صاحب نے سلام پھیرا۔ ظل سبحانی نے خطبہ کا حکم دیا۔ توپ خانہ کے داروغہ نے امام صاحب کے گلے میں کلابتونی سیلی باندھا۔ تلوار ڈالی۔ امام صاحب نے تلوار کے دستہ پر ہاتھ رکھ کر خطبہ پڑھا۔ جس وقت جہاں پناہ شہنشاہ ہندوستان سراج الدین محمد بہادر شاہ کا نام خطبہ میں آیا توشہ خانہ کے داروغہ نے امام صاحب کو خلعت پہنایا، خطبہ کی توپ چلی اور دعا مانگی گئی۔

نماز عید الفطر سے فراغت پاکر شاہی جلوس اسی شان و شوکت سے لال قلعہ واپس آیا۔ ظل سبحانی ابوظفر محمد سراج الدین محمد بہادر شاہ نے دربار کیا۔ امراء و وزراء کی نذریں قبول فرمائیں اور شاہی اعزازات و خطابات اور انعامات تقسیم فرمائے۔

ظفر احمد نظامی (ایم اے)

قطعات

زندگی کے ہر ایک لمحہ میں
آرزو کا طلسم لوٹ گیا
اور جب آرزو کے دن آئے
زندگی کا ساتھ چھوٹ گیا

تیری یادوں کا آسرا لے کر
جتنے غم تھے غلط کئے ہم نے
زندگانی کے عہد نامہ پر
خون سے دستخط کئے ہم نے

بَابُ صَلوٰۃِ الْعِیْدَیْنِ:—

عیدین کی نماز کا بیان

شوال کے مہینہ کی پہلی تاریخ کو عید الفطر (عید)
ی الحجہ کی دسویں تاریخ کو عید الاضحٰے (بقر عید) اور
ں کے مجموعہ کو "عیدین" کہتے ہیں۔ یہ دونوں تاریخیں اسلام
ید اور خوشی کے دن ہیں جن میں دو دو رکعتیں نماز بطور شکر
ی جاتی ہے۔ عیدین کی نماز حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رح
ں واجب ہے جبکہ حضرت امام شافعی اور دوسرے علماء
ن کی نماز کو سنت موکدہ کہتے ہیں۔

"عید" لفظ "عَوْدٌ" سے مشتق ہے جس کے
ین "بار بار آنا" چنانچہ اس دن کو عید اس لئے کہا جاتا ہے
دن بار بار یعنی ہر برس آتا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ
ن کا نام عید اس لئے ہے کہ اللہ تعالےٰ عَوْدٌ کرتا ہے
ں پر اپنی رحمت اور بخشش کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے
ناسبت سے عید کے بارے میں یہ عارفانہ جملے بیان
جاتے ہیں کہ:۔

عید اس شخص کے لئے نہیں ہے جو نئے کپڑے
بلکہ اس کے لئے ہے جو وعید سے امن میں ہو (یعنی
بُرے کاموں سے بچتا رہے تاکہ اللہ تعالےٰ کی رحمت و
مغفرت کا مستحق ہو۔ اور اس کے عذاب سے امن میں رہے)
عید اس شخص کے لئے نہیں ہے جو عُود کی خوشبو سے معطر
ہو بلکہ اس کے لئے ہے جو توبہ کرنے والا ہو کہ پھر گناہ نہ کرے
عید اس شخص کے لئے نہیں ہے جو آرائش دنیا کی زینت
اختیار کرے بلکہ اس کے لئے ہے جو تقویٰ (پرہیزگاری)
کو آخرت کے لئے زادِ راہ بنائے۔ عید اس شخص کے لئے
نہیں ہے جو سواریوں پر سوار ہو بلکہ اس کے لئے ہے جو گناہوں
کو ترک کرے۔ اور۔ عید اس شخص کے لئے نہیں ہے جو
(آرائش و زیبائش) کے فرش بچھائے بلکہ اس کے لئے ہے
جو پل صراط سے گزر جائے۔

عیدین کی نماز:۔ (۱) ترجمہ۔ حضرت ابو سعید
خدری رضہ راوی ہیں کہ سرتاج
دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم (جب) عید الفطر اور عید الاضحیٰ
(کی نماز) کے لئے تشریف لاتے تو (وہاں) سب سے پہلا
کام یہ کرتے کہ (خطبہ سے پہلے) نماز ادا فرماتے، پھر نماز سے

سے فارغ ہوتے اور پھر لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے اور لوگ اپنی صفوں پر بیٹھے رہتے چنانچہ آپؐ ان کو وعظ و نصیحت کرتے، وصیت کرتے اور احکام صادر فرماتے اگر جہاد کے لئے کہیں کوئی لشکر بھیجنا ہوتا تو اس کی روانگی کا حکم فرماتے۔ اسی طرح اگر (لوگوں کے معاملات و مقدمات کے بارے میں) کوئی حکم دینا ہوتا تو حکم صادر فرماتے پھر (گھر) واپس تشریف لاتے۔ (بخاری رح و مسلم رح)

تشریح:۔ مدینہ منورہ کی عیدگاہ شہر سے باہر ہے، جس کا فاصلہ کہتے ہیں کہ حجرہ شریف سے ایک ہزار قدم ہے۔ وہ جگہ انتہائی متبرک اور مقدس ہے۔ اب اس کے گرداگرد چہار دیواری بنا دی گئی ہے۔

بہرحال۔ شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ امام وقت کے لئے ضروری ہے کہ وہ عیدین کی نماز کے لئے عیدگاہ جائے۔ ہاں اگر کوئی عذر مانع ہو تو پھر شہر کی مسجد ہی میں نماز پڑھائے۔ ابن ہمام رح فرماتے ہیں کہ امام وقت کے لئے مسنون ہے کہ وہ خود تو عید کی نماز کے لئے عیدگاہ جائے اور کسی ایسے شخص کو اپنا قائم مقام بنا دے جو شہر میں ضعیفوں کو نماز پڑھائے۔ لیکن حضرت علامہ ابن حجر رح فرماتے ہیں کہ عیدگاہ جانے کا مسئلہ مسجد حرام اور بیت المقدس کے علاوہ دوسری جگہوں کے لئے ہے کیونکہ نہ صرف ان دونوں مسجدوں کی عظمت و تقدس کے پیش نظر بلکہ صحابہ رض اور تابعین رح کی اتباع میں بھی مسجدوں میں تمام ہی نمازیں پڑھنی افضل ہیں۔

فیقوم کا مطلب یہ ہے کہ آپ نماز سے فراغت کے بعد خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے لوگوں کے سامنے زمین پر کھڑے ہوتے تھے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں عیدگاہ میں منبر نہیں تھا۔ اس کے بعد جب مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تو عیدگاہ میں منبر کا انتظام کیا گیا۔ اس لئے کہ منبر پر کھڑے ہو کر پڑھے گئے خطبہ کی آواز دور دور تک پہنچتی ہے۔

"نصیحت کرتے" یعنی مسلمانوں کو آپؐ اس موقع پر دنیا میں زہد اختیار کرنے اور آخرت کی طرف دھیان رکھنے کی نصیحت فرماتے، نیز آپؐ لوگوں کے سامنے ثواب کی عظمت و فضائل بیان کرتے اور گناہوں سے ڈراتے تاکہ لوگ اس دن کی خوشی اور مسرتوں میں مشغول ہو کر طاعت سے غافل اور گناہوں میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ جیسا کہ آجکل لوگوں کا حال ہے۔ اور "وصیت کرتے" یعنی لوگوں کو تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرنے کی وصیت فرماتے۔ تقویٰ کے تین درجے ہیں۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ شرک سے بچا جائے اوسط درجہ یہ ہے کہ خدا اور رسول ؐ کی اطاعت و فرماں برداری کی جائے اور ممنوع چیزوں سے بچا جائے اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہمہ وقت حضور قلب کے ساتھ متوجہ اور ماسوا اللہ کے بے غرض رہا جائے۔ "احکام صادر فرماتے" یعنی لوگوں کے معاملات کے بارے میں جو احکام دینے ہوتے تھے وہ صادر فرماتے۔ نیز عید الفطر میں فطرہ کے احکام اور عید الاضحٰی میں قربانی کے احکام بیان فرماتے۔

(۲) ترجمہ:۔ اور حضرت جابر ابن سمرہ رض فرماتے ہیں کہ میں نے سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید و بقر عید کی نماز بغیر اذان و تکبیر کے ایک دو مرتبہ نہیں (بلکہ بہت مرتبہ) پڑھی ہے۔ (مسلم رح)

تشریح:۔ شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے اکثر اہل علم کا یہی مسلک تھا کہ عید و بقر عید کی نماز میں نہ تو اذان مشروع ہے اور نہ تکبیر اسی طرح دوسرے نوافل میں بھی اذان و تکبیر

نہیں ہے بلکہ کتاب ان ابن تیمیہ کا ہے کہ وہ ہے

عیدین کا خطبہ

(۳) ترجمہ:۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سرتاج دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے (بخاری و مسلم رح)

تشریح:۔ ابن منذر رح کا قول ہے کہ فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عید و بقر عید کا خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہیئے۔ نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن اگر کسی نے نماز سے پہلے ہی خطبہ پڑھ لیا۔ تو تمام علما کے نزدیک نماز جائز ہو جائے گی۔ منقول ہے کہ مروان ابن حکم جب مدینہ کا حاکم ہوا اور اس نے حضرت امیر معاویہ کی جانب سے خطبہ نماز سے پہلے پڑھا تو اس کے اس فعل کو صحابہ رض نے بہت برا جانا۔

عیدین کی نماز کے لئے اذان و تکبیر مشروع نہیں ہے

(۴) ترجمہ:۔ (مروی ہے کہ ایک مرتبہ) حضرت ابن عباس رض سے پوچھا گیا کہ کیا آپ سرتاج دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز عید میں شریک ہوئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ "ہاں" (پھر انہوں نے یہ تفصیل بیان کی کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (عیدگاہ) تشریف لے گئے چنانچہ آپ نے وہاں عید کی نماز پڑھی پھر خطبہ ارشاد فرمایا"۔ حضرت ابن عباس رض نے (آنحضرت ص کی نماز تفصیل سے بیان کرنے کے دوران) تکبیر و اذان کا ذکر نہیں کیا"۔ (پھر انہوں نے فرمایا کہ) اس کے بعد آپ عورتوں کی جماعت کی طرف آئے ساتھ میں حضرت بلال بھی تھے آپ ص نے ان کو نصیحت فرمائی، دین کے احکام یاد کرائے، ثواب و عذاب کے بارے میں بتایا اور ان کو صدقہ فطر و زکوٰۃ یا محض اللہ کے نام پر دینے کا حکم فرمایا، چنانچہ میں نے عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ کا ازن اور گلوں زیور اتار کر حضرت بلال رض کے حوالے کر رہی تھیں (تاکہ وہ ان کی طرف سے فقراء و مساکین کو تقسیم کر دیں) پھر اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت بلال اپنے گھر تشریف لے آئے۔ (بخاری و مسلم رح)

تشریح:۔ جیسا کہ حضرت جابر ابن سمرہ نے بھی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس روایت سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ نماز عید و بقر عید کے لئے اذان و تکبیر مشروع نہیں ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کے حکم سے عورتیں بھی نماز عید و بقر عید میں عیدگاہ جاتی تھیں چنانچہ جب آپ ص مردوں کو وعظ و نصیحت فرما چکے تو علیحدہ سے عورتوں کے پاس بھی انہیں پند و نصیحت کرنے کے لئے تشریف لے گئے کیونکہ عورتیں مردوں سے الگ ایک طرف بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس لئے جب آپ مردوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو آواز ان تک اچھی طرح نہیں پہنچ رہی تھی۔

نماز عیدین سے پہلے یا بعد نفل نماز پڑھنے کا مسئلہ

(۵) ترجمہ:۔ اور حضرت ابن عباس رض راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر کے دن (نماز عید کی) دو رکعتیں پڑھیں نہ تو آپ ص نے ان سے پہلے (نفل) نماز پڑھی اور نہ بعد میں۔ (بخاری و مسلم رح)

تشریح:۔ علامہ ابن ہمام رح فرماتے ہیں کہ یہ نفی عیدگاہ سے متعلق ہے کیونکہ حضرت ابوسعید خدری رض کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید سے پہلے (نفل نماز

ں پڑھتے تھے ہاں جب (عیدگاہ سے) اپنے گھر تشریف لے آتے تو دو رکعتیں پڑھتے" چنانچہ درمختار میں لکھا ہے کہ نمازِ عید سے پہلے نفل نماز پڑھنی مطلقاً مکروہ ہے۔ یعنی عیدگاہ میں بھی مکروہ ہے اور گھر میں بھی۔ البتہ نمازِ عید کے بعد عیدگاہ میں نفل نماز پڑھنی مکروہ ہے مگر گھر میں جائز ہے۔

عید میں نماز سے پہلے اور بقرعید میں نماز کے بعد کھانا پینا چاہیئے۔

(۱۵) ترجمہ:- اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن بغیر کچھ کھائے پیے عیدگاہ تشریف نہیں جاتے تھے۔ اور بقرعید کے دن بغیر نماز پڑھے کچھ نہیں کھاتے پیتے تھے۔ (ترمذیؒ، ابن ماجہ، دارمیؒ)

تشریح:- عید کے روز نماز سے پہلے کھانے پینے کا سبب گذشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ بقرعید کے دن آپ غرباء و مساکین کا ساتھ دینے اور ان کی دلجوئی کی خاطر بقرعید کی نماز کے بعد ہی کچھ تناول فرماتے تھے۔ کیونکہ غرباء و مساکین کو تو کچھ کھانا پینا اسی وقت نصیب ہوتا ہے جب قربانی ہو جاتی اور ان کا گوشت ان لوگوں میں تقسیم ہو جاتا۔ اس لئے آپ ان کی وجہ سے خود بھی کھانے پینے میں تاخیر فرماتے تھے۔

عیدگاہ میں عورتوں کے جانے کا مسئلہ

(۶) ترجمہ:- اور حضرت اُمِ عطیہ فرماتی ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم عید اور بقرعید کے دن ان عورتوں کو بھی جو ایام والی ہوں (یعنی جو ایام سے ہوں یا یہ کہ جو بالغ ہوں) اور ان عورتوں کو (بھی) جو پردہ نشین ہوں (گویا تمام عورتوں کو) عیدگاہ لے چلیں اور یہ سب مسلمانوں کی جماعت اور دعا میں شریک ہوں۔ نیز جب عورتیں ایام سے ہوں وہ اپنی نماز پڑھنے کی جگہ سے الگ رہیں۔ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے جس کے پاس چادر نہیں (وہ کیا کرے؟) آپ نے فرمایا "اسے ساتھ والی اپنی چادر اُڑھا دے" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح:- خطابیؒ فرماتے ہیں کہ تمام عورتوں کو عیدگاہ جانے کا حکم فرمایا تاکہ جن عورتوں کو کوئی عذر نہیں ہے وہ تو نماز پڑھیں اور جن عورتوں کو کوئی عذر ہے انہیں نماز اور دعا کی برکت پہنچے۔ گویا اس طرح لوگوں کو ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ وہ نمازوں میں شریک ہوں، وعظ و ذکر کی مجالس میں شریک ہوں اور علماء و صلحاء کا قرب اختیار کریں۔ تاکہ انہیں خدا کے ان نیک و مقدس بندوں کی برکت حاصل ہو۔" اگرچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس زمانہ میں عورتوں کے لئے عیدگاہ جانا ممنوع نہیں تھا مگر آج کل کے زمانے میں فتنہ و فساد کے خوف سے عورتوں کے لئے عیدگاہ جانا مستحب نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتوں کے عیدگاہ جانے کی توجیہہ امام طحاویؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ چونکہ اس وقت اسلام کا ابتدائی دور تھا مسلمان بہت کم تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقصد تھا کہ اگر تمام عورتیں بھی عیدگاہ جائیں تو مسلمانوں کی تعداد زیادہ معلوم ہوگی جس سے کفار پر رعب پڑیگا۔ لہٰذا آجکل نہ صرف یہ کہ اس کی ضرورت نہیں ہے بلکہ عورتوں کی موجودگی چونکہ بہت زیادہ محرمات و مکروہات کا ذریعہ بن سکتی ہے اس لئے علماء نے عورتوں کو عیدگاہ جانے سے روک دیا ہے۔

حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی عورت کے پاس کوئی چادر اور کپڑا نہ ہو جسے اوڑھ کر وہ عیدگاہ

بلکہ تو اس کے ساتھ والی کو چاہیے کہ یا تو اگر اس کے پاس کئی چادریں ہوں تو ایک چادر فاضل اس عورت کو دے دے جسے وہ عید میں پہنا کرے گی یا پھر یہ کہ اگر اس کے پاس کئی نہیں بلکہ ایک ہی چادر ہے تو اپنی چادر کا ایک حصہ اسے اُڑھا دے اور دونوں ایک جگہ سمٹ جائیں۔

خوشی کے وقت آنحضرتؐ کا سجدۂ شکر

(۱) ترجمہ:- حضرت ابوبکرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی خوشی کا امر پیش آتا" یا راوی نے لفظ "سُرُور" کی بجائے لفظ "یُسِرّبہٖ" کہا ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی ایسا امر پیش آتا جس سے آپ خوش ہوتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑتے۔ (ابو داؤد ترمذی) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح:- علامہ تورپشتی رح فرماتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت نے حدیث کے ظاہری مفہوم کو دیکھتے ہوئے کہا ہے کہ حصولِ نعمت پر سجدۂ شکر مشروع ہے جب کہ دوسرے علماء نے اس سے اختلاف کیا ہے اور حدیث کے مفہوم کے بارے میں کہا ہے کہ یہاں دراصل "سجدہ" سے مراد نماز ہے۔ ان کی اس تاویل کی دلیل یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کے وقت دو رکعت نماز پڑھی جبکہ جنگ میں آپؐ کو فتح کی خوشخبری دی گئی یا یہ کہ لعین ابوجہل کا سر کاٹ کر لایا گیا"۔

حضرت امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں کہ اگر بندہ ہر نئی حاصل ہونے والی نعمت پر سجدہ کو لازم قرار دے لے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک پل بھی سجدہ سے خالی نہ ہو۔ کیونکہ انسانی زندگی کا کوئی بھی لمحہ اور کوئی بھی پل ایسا نہیں آتا جو اپنے دامن میں اللہ تعالیٰ کی نعمت لئے ہوئے نہ ہو۔ پھر یہ کہ انسان کی زندگی خود اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے کہ ہر سانس کا باہر آنا اور اندر جانا اور ہر لمحہ اور ہر پل ایک نعمت ہے چونکہ اس طرح نہ صرف یہ کہ لوگ بہت زیادہ مشقت اور تکلیف میں مبتلا ہو جائیں بلکہ انسانی زندگی کا پورا نظام معطل ہو کر رہ جائے گا۔ اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رح کے نزدیک سجدۂ شکر سنت نہیں ہے۔

ظفر احمد نظامی (ایم اے)

قطعات

دل شکستہ رباب ہیں شاید
کچھ ادھورے سے خواب ہیں شاید
چند لمحوں میں لوٹ جائیں گے
ہم "سوارانِ آب" ہیں شاید

زیست معتوب ہو گئی اے دوست
دل لگی خوب ہو گئی اے دوست
جو بھی دیوانگی کی بات ہوئی
مجھ سے منسوب ہو گئی اے دوست

مالک، ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر عقیدہ خان نے [illegible] پریس [illegible] سے چھپوا کر [illegible] سے شائع کیا
TEL. 323639

چاہئے تو اس کے ساتھ ڈال کر چاہیے کر یا تو اگر اس کے پاس کئی چادریں ہوں تو ایک چادر عاریتاً اس عورت کو دے دے جسے وہ بعد میں واپس کر دے گی یا پھر یہ کہ اگر اس کے پاس کئی نہیں بلکہ ایک ہی چادر ہے تو اپنی چادر کا ایک حصہ اسے اڑھا دے اور دونوں ایک جگہ بیٹھ جائیں۔

خوشی کے وقت آنحضرت ﷺ کا سجدۂ شکر

(۱) ترجمہ:۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی خوشی کا امر پیش آتا "یا راوی نے لفظ سُرُوراً کی بجائے لفظ یُسَرُّ بِہٖ کہا ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی ایسا امر پیش آتا۔ جس سے آپ خوش ہوتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑتے۔ (ابوداؤد ترمذی) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح :۔ علامہ تورپشتی رح فرماتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت نے حدیث کے ظاہری مفہوم کو دیکھتے ہوئے کہا ہے کہ حصول نعمت پر سجدۂ شکر مشروع ہے جب کہ دوسرے علماء نے اس سے اختلاف کیا ہے اور حدیث کے مفہوم کے بارے میں کہا ہے کہ یہاں دراصل "سجدہ" سے مراد نماز ہے۔ ان کا اس تاویل کی دلیل یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کے وقت دو رکعت نماز پڑھی جبکہ جنگ میں آپ کو فتح کی خوشخبری دی گئی یا یہ کہ لعین ابوجہل کا سر کاٹ کر لایا گیا"!

حضرت امام ابوحنیفہ رح فرماتے ہیں کہ اگر بندہ ہر نئی حاصل ہونے والی نعمت پر سجدہ کو لازم قرار دے لے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک پل بھی سجدہ سے خالی نہ ہو۔ کیونکہ انسانی زندگی کا کوئی بھی لمحہ اور کوئی بھی پل ایسا نہیں آتا جو اپنے دامن میں اللہ تعالیٰ کی نعمت نہ سمیٹے ہو بلکہ پھر یہ کہ انسان کی زندگی خود اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے کہ ہر سانس کا باہر آنا اور اندر جانا اور ہر لمحہ اور ہر پل ایک نعمت ہے چونکہ اس طرح نہ صرف لوگ بہت زیادہ مشقت اور تکلیف میں مبتلا ہو جائیں گے بلکہ انسانی زندگی کا پورا نظام معطل ہو کر رہ جائے گا۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رح کے نزدیک سجدۂ شکر نہیں ہے۔

ظفر احمد نظامی (ایم اے)

قطعات

دلِ شکستہ رباب ہیں شاید
کچھ ادھورے خواب ہیں شاید
چند لمحوں میں لوٹ جائیں گے
ہم "سوارانِ آب" ہیں شاید

زیست معتوب ہو گئی اے دوست
دل لگی خوب ہو گئی اے دوست
جو بھی دیوانگی کی بات ہوئی
مجھ سے منسوب ہو گئی اے دوست

مالک ایڈیٹر پرنٹر پبلشر عقیدہ خان نے نوجوس ... پریس ۱۳ ... سے چھپوا کر ... سے شائع کیا
TEL. 323639